خاندان بھر کے لیے

ماہنامہ

ریشم

September 2017

عید الاضحیٰ مبارک

سالگرہ نمبر

سلسلے وار ناولز، کہانیاں، افسانے، شاعری، روحانی معالج اور

آپ کا پسندیدہ سلسلہ "نوک جھوک" اندرونی صفحات پر

سالانہ ممبر شپ فارم

خوشخبری

ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ کی سالانہ خریداری پر زبردست رعایت

-/380 روپے کی یقینی بچت

اگر آپ کے گرد و پیش میں ماہنامہ ریشم کا کوئی ایجنٹ موجود نہیں تو فکر مند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو ریشم ڈائجسٹ کے تمام شمارے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک بھیجیں گے۔

12 شماروں کی قیمت	ڈاک خرچ	کل رقم	بچت	سالانہ قیمت
720/-	360/-	1080/-	380/-	700/-

برائے مہربانی یہ فارم پر کرنے کے بعد ایک لفافے میں بند کر کے سرکولیشن منیجر ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ کو نیچے دیئے گئے پتہ پر ارسال کر دیجئے۔ (شکریہ)

نام ____________________

پتہ ____________________

____

فون نمبر __________ موبائل نمبر __________

میں ریشم ڈائجسٹ کا سالانہ خریدار ماہ .... سے بذریعہ ڈاک بننا چاہتا ہوں اور Rs..................

کا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ "Monthly Raysham" کے نام ارسال کر رہا ہوں۔

Suite#1, 4th Floor, Block No.12 Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore
Ph (042) 36280130 Email: Rayshamdigest@gmail.com

ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ

اداریہ

انسان کی کم ظرفی اس کی گھٹی میں پڑی ہے.....!

ہم لاکھ نیکوکار سہی، زاہد و متقی سہی لیکن رویوں کی تقسیم میں ہماری فطرتی کم ظرفی عُود آتی ہے.....ہم اعمال کے پلڑے سے انصاف نکال دیتے ہیں.....نفرتوں کو اُبال دیتے ہیں.....لہجے کو اشتعال دیتے ہیں اور بدلے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے .....!

بٹوارہ مسکراہٹ کا ہو یا مال کا.....وہاں بھی ہم ذاتی رویوں، رواداریوں، وضع داریوں اور وفاداریوں پر پورے اُترنے والوں کو بھرپور نوازتے ہیں اور جن سے بدمزگی، بدکلامی اور بدخلقی کے واسطے ہیں، انہیں ہم نفرت کی آنکھ سے دیکھ کر اپنی راہ بدل لیتے ہیں.....شاید اس لئے کہ کم ظرفی ہماری گھٹی میں پڑی ہے.....!

ہم خالقِ کائنات کے نظر آنے والے اس درس کو نظر انداز کر دیتے ہیں.....کہ جب وہ اپنی رحمتوں کی بارش اُن پر بھی برساتا ہے جو اُس کے پیروکار ہیں اور اُن پر بھی جو بے کار اور خطا کار ہیں.....ہمیں صرف اپنے حصے کی خوشی عزیز ہوتی ہے، یہ خوشی کبھی ہماری خواہشوں کے پیچھے سے جھلکتی ہے.....کبھی دل کے اندر سے.....کبھی مسکراہٹ کی روزن سے تو کبھی پلکوں کے جھروکوں سے.....! خوشی کے بے شمار روپ ہیں اور بے حساب رنگ.....لیکن ہر رنگ خوشی نہیں ہوتا.....نہ ہر گھڑی مُسرت ہوتی ہے.....

اگر ہم اس معمولی سے فرق کو محسوس کر لیں تو شاید اِس عید پر اُن کو بھی گلے لگا لیں جو ہمارے دل میں میل کی صورت بیٹھے ہیں اور یہ میل دُھل جائے تو یہی زندگی کی خوشی ہے اور یہی ہمارے اعمال کی عیدی بھی.....!

بشریٰ مسرور

19 دین اور دنیا — مذہبی مضمون

23 مجھ سے ملیے میں ہوں — محمد سعید مشتاق — ریما نور رضوان

32 نوک جھونک — محمد طلحہ مسرور

34 ریشمی دستک — بشریٰ مسرور — آپ کے خطوط

51 عید تم سے ہے — عذرا فردوس — افسانہ

69 بڑی عید کی بڑی خوشیاں — فریدہ جاوید فری — افسانہ

75 پہلی برتھ ڈے ٹو یو — ممتاز احمد — افسانہ

79 اے وطن ہم تیرے مقروض ہیں — نگہت غفار — افسانہ

83 البیلی — صباء ایشل — افسانہ

103 سزا — نزہت جبیں ضیاء — افسانہ

107 حج اکبر — پریم چند — ادبی انتخاب

115 عید قربان — فرح طاہر — افسانہ

121 عشق سچا ہے تو — محمد سلیم اختر — افسانہ

131 پتھر کی مورت — ڈاکٹر طارق محمود آکاش — افسانہ

139 محبت کا جانشین — مجید احمد جائی — افسانہ

145 بڑی اماں — جویریہ ضیاء — افسانہ

151 شاید وہ کبھی کہہ دے — ایس۔امتیاز — افسانہ

159 کاپرنیل پاشا — ریحانہ آفتاب — افسانہ

175 خانہ بدوش — مقصود احمد بلوچ — افسانہ

181 دیہاتی لڑکی — عبدالرؤف سمرا — افسانہ

185 صحرائے وفا — ایم حسن نظامی — افسانہ

197 بازی گر — محسن علی طاب — افسانہ

200 منی — فہمیدہ غوری — افسانہ

201 وہ ستر دن — رانا زاہد حسین — افسانہ

203 سازش گر — فاطمہ عبدالخالق — افسانہ

206 جب پیار کی رت بدلے — عابدہ سین — سلسلے وار

246 دنیائے رنگ و نور — سری دیوی

248 ریشمی مصالحہ — محمد طلحہ مسرور

250 دلچسپ عجیب وغریب

252 ریشم کا باورچی خانہ
ہما نواب خان

255 رنگ میں بھنگ
انجم انصار

258 رنگ خیال
شاہ روم خان ولی

262 ریشمی سندیسے

263 آپ کے روبرو
مجید احمد جائی
ممتاز احمد

268 روحانی معالج

269 خود کلامی
حمیرا وحید

271 آپ کے اوراق
عبداللہ مسرور

275 باتیں صحت کی
ڈاکٹر اظہر سعید

279 بی بی کی بیوٹی ٹپس
کشائش مسرور

279 نام کا پہلا حرف
ریما نور رضوان

282 خواص
اسپغول

283 رنگ سخن
شاہ روم خان ولی

285 ریشم سالانہ رپورٹ
مقصود احمد بلوچ

288 سروے ریشم سالگرہ
ریما نور رضوان

یا اللہ ﷻ

یا محمد ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

بہت کھائے فریب آرزو اسرار نے اب تک
تیرے در پہ ہوا سرخم آہستہ آہستہ
مٹائے جائیں گے دوری کے غم بہت جلد
نظر ہو گی بعنوان کرم آہستہ آہستہ
ابھی تو آزمائش ہو رہی ہے غم کے ماروں کی
گزر جائے گا یہ دور ستم آہستہ آہستہ
ابھی تو ابتدا میں نیم مدہوشی کا عالم تھا
نظر آئیں گے دل کے کیف و کم آہستہ آہستہ
یہ کس کی یاد نے اپنے مشام جام کو تڑپایا
چلی آتی ہے خوشبوئے حرم آہستہ آہستہ
ابھی تو منتشر ہیں کوچۂ الفت کے دیوانے
مگر ہو جائیں گے آخر باہم آہستہ آہستہ
دور ہو جائیں گے نیّرؔ گناہ گنہگاروں کے
تیرا رحم و کرم ہوا چاہتا ہے آہستہ آہستہ

(امان اللہ نیّر شوکت، لاہور)

یا اللہ جل جلالہ

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

خدا سے یہی اک جزا چاہتا ہوں
مدینے میں اپنی قضا چاہتا ہوں

شفاعت کا بس آسرا چاہتا ہوں
میں اس کے سوا اور کیا چاہتا ہوں

غمِ ہجر آقاؐ جلا ہی نہ ڈالے
تمہارے کرم کی ردا چاہتا ہوں

رہے میرے دل میں ہمیشہ فروزاں
عقیدت کا ایسا دیا چاہتا ہوں

ازل سے ہوں منگتا درِ مصطفیٰؐ کا
ندیمؔ اُنؐ کی ہر پل عطا چاہتا ہوں

(ریاض ندیم نیازی، سبی)

پاکستانی ڈائجسٹ ڈاٹ کام

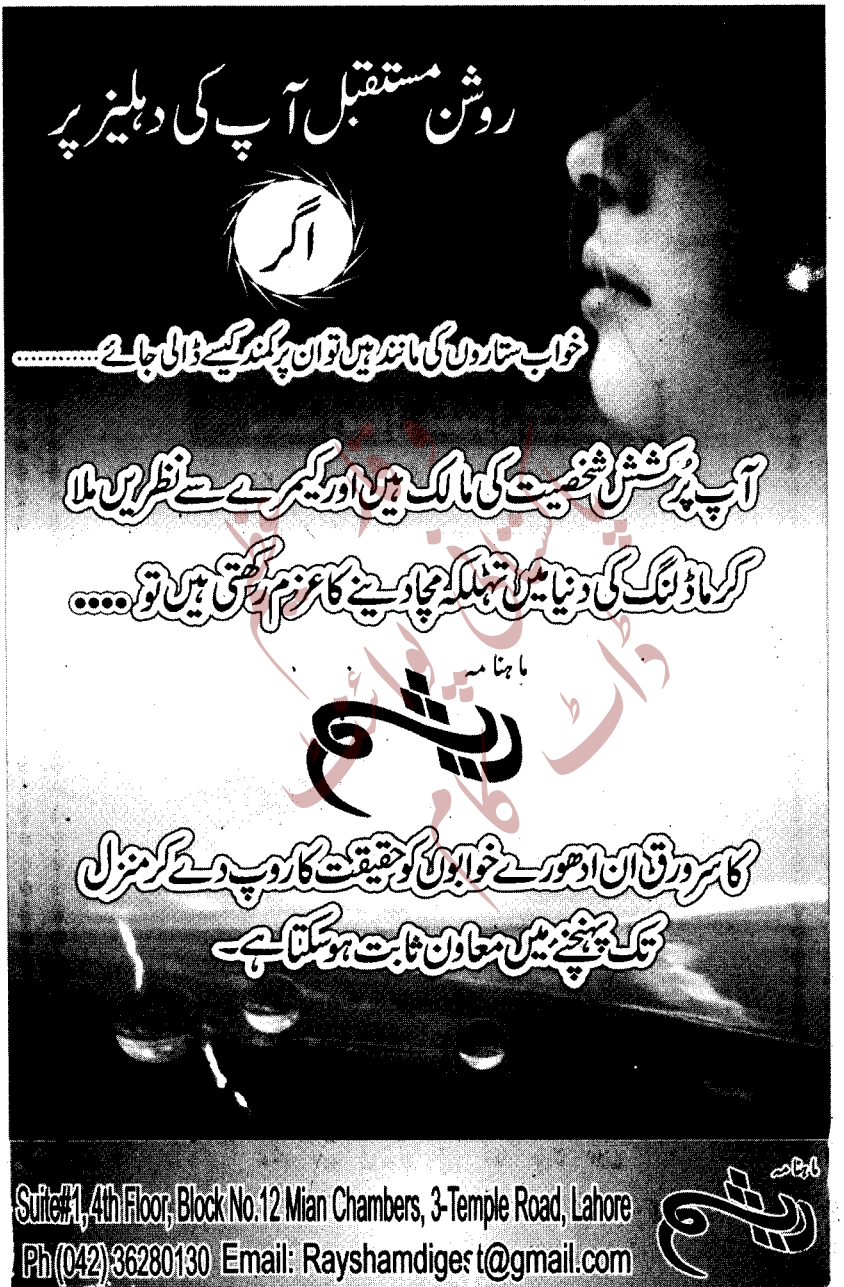

روشن مستقبل آپ کی دہلیز پر
اگر
خواب ستاروں کی مانند ہیں تو ان پر کمند کیسے ڈالی جائے.........
آپ پرکشش شخصیت کی مالک ہیں اور کیمرے سے نظریں ملا
کر ماڈلنگ کی دنیا میں تہلکہ مچا دینے کا عزم رکھتی ہیں تو....
ماہنامہ
ریشم
کا سرورق ان ادھورے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے کر منزل
تک پہنچنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔
ماہنامہ
ریشم
Suite#1, 4th Floor, Block No.12 Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore
Ph (042) 36280130 Email: Rayshamdigest@gmail.com

دین اور دنیا

اسلام کا تصورِ قربانی

عیدالاضحیٰ اور قربانی کا باہمی تعلق

اس دن قربانی ادا کی جاتی ہے اور مسلمانانِ عالم کو قربانی کا فریضہ سرانجام دے کر اتنی خوشی نصیب ہوتی ہے کہ سارے سال میں کسی اور دن نہیں ہوتی۔ قربانی عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو ”قرب“ سے مشتق ہے۔ ”قرب“ کسی چیز کے نزدیک ہونے کو کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس دوری ہے۔ قرب اور دوری دونوں یکجا نہیں ہوسکتے۔ قرب سے قربانی کا لفظ مبالغے کے طور پر واقع ہوا ہے۔ اس تصور کو کچھ مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً ”قرأت“ کے معنی فقط ”پڑھنا“ ہے اور قرآن کے معنی اس کتاب کے ہیں جسے بار بار، تواتر اور کثرت سے پڑھا جائے اور اتنا پڑھا جائے کہ قیامت تک اس کا پڑھنا ختم ہی نہ ہو۔ باری تعالیٰ نے کتاب الٰہی کا نام انہیں وجوہ کی بنیاد پر قرآن رکھا ہے کہ کثرت قرأت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب اس کے برابر نہیں۔ دنیا میں دیگر الہامی کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں جن میں انجیل، تورات، زبور اور دیگر الہامی صحیفے ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئے مگر کوئی الہامی کتاب، کتاب الٰہی کے طور پر قرآن مجید کا بدل نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا نام قرآن رکھا ہے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کتب سماویہ میں سے کوئی اور کتاب اس سے زیادہ پڑھی جاتی۔

لفظ قربانی کا معنوی پس منظر

اس ساری بحث کا لب لباب یہ ہے کہ ہر عمل کے اپنے مخصوص ثمرات اور فیوض و برکات ہیں جو قرب الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں مگر عید قربان میں قربانی کے عمل کو کیوں اللہ کے انتہائی قرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے؟ قربانی کا یہ عمل صرف جانور کو ذبح کرنے تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ گہرے اور دور رس مضمرات (Implications) رکھتا ہے۔ جانور کے ذبح کرنے کے عمل کو قربانی سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کا عمل بندے کو اللہ کے انتہائی قریب کردیتا ہے۔ لیکن اس میں قربانی کرنے والے بندے کا اخلاص ایک سوالیہ نشان کے طور پر سامنے آتا ہے۔ کیا وہ قربانی جو بندہ ذبح کے طور پر پیش کررہا ہے اس کے اللہ کی بارگاہ سے مطلوبہ نتائج حاصل ہوئے ہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس کا عمل قربانی اس کے لئے اللہ سے انتہائی قرب کا سبب قرار دیا جائے گا۔ گویا قربانی کی روح حقیقت میں اس قربانی کے پیچھے کارفرما اخلاص ہے۔

قربانی اور حضرت آدمؑ کے بیٹوں کا ذکر

نماز میں نیت اور اخلاص کی طرح یہی حال قربانی کے عمل کا ہے قرآن مجید نے اس تناظر میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانے میں قربانی کی قبولیت کا ایک طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا، جس سے فوراً پتہ چل جاتا کہ آیا پیش کردہ قربانی قبول ہوئی ہے یا نہیں۔ وہ یوں کہ قربانی کرکے جانور کو ایک جگہ رکھ دیتے ہیں۔ جس کی قربانی قبول ہونا ہوتی اسے آسمان سے آگ آکر جلادیتی اور جس کی قربانی کو آگ آکر نہ جلاتی اس کے بارے میں یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔

یہ ایک معیار تھا جس سے قربانی کی قبولیت یا عدم قبولیت کا پتہ چل جاتا تھا۔ ایک جگہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پیغام کی حقانیت وصداقت کی یہ دلیل ہوگی کہ وہ قربانی کریں گے اور جس کی قربانی کو آسمانی آگ آ کر جلادے گی وہ اللہ کا مقبول بندہ ہوگا اور جو نافرمان ہوگا اس کی قربانی کو آگ نہیں جلائے گی۔ چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل نے قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی رہ گئی، جس کی قربانی قبول نہ ہوئی وہ اپنے بھائی سے کہنے لگا۔ کہ ''میں تجھے قتل کئے بغیر نہ رہوں گا''۔ اس ارادہ قتل کے اظہار کے پیچھے وہ نیت کارفرما تھی جس کی بناء پر ایک بھائی کی قربانی قبول نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ کسی کا عمل قربانی قبول ہوگیا اور کسی کا نہ ہوا اس پر کسی کو تعارض کرنے کا کوئی حق نہیں کہ قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ کا کام ہے اور اگر کوئی اس بناء پر کسی کے قتل کے درپے ہوتا ہے تو اس قتل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عمل قربانی کے پیچھے اللہ کی رضا اور خوشنودی کا کوئی جذبہ کارفرما نہ تھا بلکہ اس کا محرک ہی کچھ اور تھا جس نے اسے حسد میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ جس کی قربانی قبول ہوگئی تھی، اپنے بھائی کے منہ سے یہ بات سن کر کہتا ہے تو مجھے کیوں قتل کرنے کے درپے ہوگیا ہے اس میں میرا کیا قصور ہے قربانی کی قبولیت تو من جانب اللہ ہے۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (المائدہ، ۵: ۲۷) ''اللہ تو صرف ان کی قربانی قبول کرتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں''۔

جن کے دل میں ذاتی ہوس و مفاد، ریاکاری اور نمود و نمائش کا کوئی خیال نہیں ہوتا اور جن کی زندگیاں تقویٰ اور پرہیزگاری کے حسن سے مزین ہوتی ہیں۔ اللہ انہی کی قربانی کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر کسی کے ظاہر پر نہیں بلکہ اس کے دل میں چھپی ہوئی نیت پر ہوتی ہے۔

قبولیت وعدم قبولیت کا قرآنی فلسفہ

وہ بندگان خدا جن کے دل میں کسی کے بارے میں حسد، بغض اور عناد نہیں ہوتا اور جو اپنا تن من دھن اور اپنی جان کا نذرانہ اللہ کی بارگاہ میں صرف اس کو راضی کرنے کے لئے پیش کردیتے ہیں ان کے اعمال، سند قبولیت سے نوازے جاتے ہیں۔ انہیں ان کی حسن نیت کا پھل ملتا ہے اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''فرمایا! بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری طرف اور تمہارے اموال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دل کی نیت کو دیکھتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی نظر نہ تو بندوں کی صورتوں کو دیکھتی ہے اور نہ ان کے مال و اموال کو بلکہ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں کو دیکھتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ کوئی دیکھنے میں خوش شکل اور بھلا لگے، اس کے اعمال بھی دیکھنے میں اچھے لگیں لیکن ان کے اعمال کے پیچھے اچھی نیت کارفرما نہ ہو اور اس کے مقابلے میں ایک شخص بھدا، بدنما، ناقص اور کم تر دکھائی دے لیکن اس کی نیت اور اخلاص کا یہ عالم ہو کہ اس کے اعمال کو قبولیت کے اعلیٰ درجے پر فائز کردیا جائے۔ چنانچہ اس معیار قبولیت کو مد نظر رکھتے ہوئے آدمؑ کے اس بیٹے نے جس کی قربانی قبول ہوئی تھی اپنے بھائی سے کہا

''کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ میری طرف بڑھاتے پھر بھی جواب میں تیری طرف ارادہ قتل سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا''۔

قرآن حسن عمل اور تقویٰ کی تلقین کرتا ہے اور اگر کوئی زیادتی کرتا ہے اور وہ اس زیادتی کا جواب زیادتی سے دینے کی بجائے تحمل، ضبط اور درگزر سے کام لیتا ہے تو اس کے پیچھے یہ جذبہ محرک ہوتا ہے کہ کہیں میرا مولا مجھ سے ناراض نہ ہوجائے تو اس کا یہ عمل اسے تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز کردیتا ہے۔ اس سے یہ بات مترشح ہوئی کہ انسانی اعمال میں سے

اللہ تعالیٰ انسان کے تقویٰ اور خشیت الٰہی کی کیفیت کو قبول فرماتا ہے اور وہ اعمال جو محض دکھاوے کے لئے کئے جائیں انہیں شرف قبولیت نہیں بخشتا۔

اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات یہ نہیں دیکھتی کہ وہ جانور جو قربانی کے لئے پیش کئے گئے ان کی مالیت اور جسامت کیا ہے بلکہ وہ قربانی کرنے والے دلوں کی کیفیت پر نگاہ رکھتا ہے۔ کیا یہ تو نہیں کہ قربانی کرنے والے کی نیت کوئی مادی منفعت یا محض نمود و نمائش کا اظہار ہے، اللہ رب العزت کو ایسی قربانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ اس قربانی کو قبول کرتا ہے جس کی اساس تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا۔

''اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانور کے گوشت پوست اور جسامت سے کوئی غرض نہیں اس تک تو صرف وہ تقویٰ پہنچتا ہے جو قربانی کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ وہ تو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ قربانی کرنے والے میں خوف خدا اور پرہیزگاری کی کیا کیفیت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''صدق و اخلاص سے قربان کئے جانے والے جانور کے خون کا پہلا قطرہ جونہی زمین پر گرتا ہے اس قربانی کو بارگاہ الوہیت میں قبول کرلیا جاتا ہے''۔

وہ تو بندے کی نیت کو دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی سے مقصود گوشت نہیں بلکہ قربانی کے جانور کے حلقوم پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلادینے کا نام قربانی ہے۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ اور اس میں کارفرما حکمت

گوشت کی تقسیم کے معاملہ میں اس تقسیم کو ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ

اس کا ایک حصہ غرباء، مساکین میں صدقہ کردیا جاتا ہے۔

ایک حصہ عزیزوں، رشتہ داروں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔

تیسرا حصہ ذاتی استعمال کے لئے رکھا جاتا ہے۔

اگر قربانی خالصتاً صدقہ ہوتا تو اسے سارا کا سارا غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم ہوتا لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ یہاں تک اجازت ہے کہ کنبہ کے افراد زیادہ ہوں تو سارے کا سارا گوشت گھر میں رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے قربانی سے مقصود محض گوشت کی تقسیم نہیں بلکہ اس کے پیچھے کارفرما حکمت قربانی کے جانور کا اللہ کے لئے خون بہانا ہے۔ اس طرح عیدالاضحیٰ یا عید قربان کا بنیادی فلسفہ اللہ کی رضا کا حصول ہے جس کے لئے قربانی کی جاتی ہے اور اس میں حسن نیت اور اخلاص کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ قربانی کا عمل اگرچہ قلیل تر ہی کیوں نہ ہو۔ صدق و اخلاص سے کیا جائے تو قبولیت کو پہنچتا ہے اور اگر یہ عمل صدق و اخلاص سے خالی ہو تو قربانی کے چاہے پہاڑ کی طرح انبار لگادیئے جائیں بارگاہ الٰہی میں ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ قربانی میں تقویٰ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس بات کی طرف بندے کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ قربانی کے عمل کو اعزہ و اقرباء اور محلہ داروں میں اپنی حیثیت کا رعب جمانے اور اپنی بڑائی کا تاثر قائم کرنے کے لئے بروئے کار لاسکتا ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی بڑا نہیں، سب انسان برابری کی سطح پر ہیں۔ عین ممکن ہے خدا کے ہاں کوئی خرقہ پوش فقیر زیادہ قدر و منزلت کا حامل ہو۔ ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں جو نان شبینہ کے محتاج ہیں لیکن ان کا دل چاہتا ہے کہ کاش ہمارے پاس اتنے وسائل ہوتے تو ہم اللہ کی راہ میں قربانیوں پر قربانیاں کرتے چلے جاتے۔ ممکن ہے کہ انہیں قربانی نہ کرنے کے باوجود محض حسن نیت کا اتنا ثواب مل جائے جو ریاکاری کی قربانی والے کو کبھی میسر نہ ہو۔

قربانی کے آداب اور سنت محمدیہ ﷺ

تمام احکام اللہ جو قرآن مجید میں قربانی کے ذیل میں بیان ہوئے ہیں ان میں بنیادی اہمیت عمل قربانی میں چھپے ہوئے تقویٰ اور حسن نیت کا حاصل ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ حضورﷺ نے اس بارے میں جو سنت اختیار فرمائی ہے اس کے مطابق قربانی کا عمل اس وقت تک تقویٰ قلوب کے کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک قربانی کو اپنے ہاتھ سے نہ کیا جائے۔ اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کرنے سے خون گرانے کا عمل جو قربانی کی روح ہے پورا ہو سکے گا۔ اس لئے حضورﷺ کی سنت مبارکہ یہی رہی کہ جانور کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرتے اور یہ آپ کا زندگی بھر معمول رہا۔ آپ رحمۃ للعالمینﷺ تھے اور جانور کو ادنیٰ سی تکلیف بھی برداشت نہ کرتے تھے لیکن قربانی ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے قربانی کا بکرا منگوایا اور مجھے فرمایا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) چھری لے آئیں، آپﷺ نے چھری کو دیکھ کر فرمایا کہ اسے پتھر پر اچھی طرح تیز کر کے لے آ۔ میں نے آپﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں ایسے ہی کیا تو آپﷺ نے اس چھری سے قربانی کا جانور ذبح فرمایا، حضورﷺ کے اس عمل میں قصابوں اور دیگر قربانی کرنے والوں کے لئے انتباہ ہے کہ وہ قربانی کے جانور کو تیز چھری سے ذبح کریں تاکہ اسے حتی المقدور کم سے کم تکلیف ہو۔ اسلام اتنی رحمت والا دین ہے کہ وہ جان نکلتے وقت جانوروں کی اتنی سی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتا۔ اسے یہ کب گوارا ہوگا کہ وہ انسان کے ہاتھوں انسانوں کا ناحق قتل برداشت کر سکے اور زندہ انسانوں کے جان ومال اور عزت نفس کو بے دریغی سے تلف ہوتا دیکھ سکے۔ حضرت عائشہؓ حضورﷺ کا طریقہ قربانی بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ آپ نے قربانی کا جانور خود زمین پر گرایا اور اسے قبلہ رو کر کے چھری سے ذبح کیا تاکہ جب اس کا خون نکلے تو خون کے دھار کا رخ جانب قبلہ ہو۔ حضورﷺ نے اپنا قدم مبارک جانور کے پہلو پر رکھا اور ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور یہ کلمات ادا فرمائے۔

''اے اللہ قبول کر محمد (ﷺ) کی طرف سے، آل محمد (ﷺ) کی طرف سے، امت محمدی (ﷺ) کی طرف سے پھر آپ نے قربانی کی''۔

اس پر محدثین کرام اور فقیہان وین کا کہنا ہے کہ اس طرح حضورﷺ نے اپنی پوری امت کو قربانی کے ثواب میں شامل کرلیا۔ آپﷺ وہ سراپا رحمت نبی ہیں کہ عمل قربانی کے وائرے میں بھی چاہتے ہیں کہ ان کے سارے امتی شریک ہوجائیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں ذبح کرتے وقت آپ سے یہ الفاظ منسوب فرمائے گئے ہیں۔

''یہ میری طرف سے، میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے ہے''۔

آپﷺ نے فرمایا باری تعالیٰ یہ قربانی میری طرف سے ہے اور یہ قربانی میرے ان امتیوں کی طرف سے ہے جو افلاس کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتے۔ ہمیں بھی قربانی کرتے وقت نبی کریمﷺ کو اس میں شریک کرنا چاہئے اور یہ محبت کا تقاضا بھی ہے۔

بال اور ناخن نہ کٹوانے کی حکمت

حضورﷺ نے فرمایا کہ جب ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوجائے تو جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ پہلی ذوالحجہ سے قربانی کے وقت تک نہ اپنے بالوں کو کٹوائے نہ ناخنوں کو ترشوائے۔ یہ آقائے دو جہاںﷺ کی سنت ہے اور یہ عمل ابتداً حاجیوں کے لئے تھا اور انہیں حکم تھا کہ ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں مناسک حج و قربانی ادا کرنے تک بال اور ناخن کٹوانے اور ترشوانے سے پرہیز کریں بعد میں غیر حاجیوں کو بھی اس حکم میں شریک کرلیا گیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب دس دن تک وہ بال اور ناخن نہ کٹوائیں گے تو ان کی شکل انہیں بار بار اس امر کی طرف متوجہ کرتی رہے گی کہ وہ اللہ کی راہ میں قربانی دینے والے ہیں اس طرح انہیں قربانی کی عظمت اور قدرومنزلت کا احساس ہوتا رہے گا۔

☆.....☆.....☆

مجھ سے ملیے میں ہوں آر جے محمد سعید مشتاق

ریما نور رضوان

س: آپ کا اصل اور پورا نام؟

ج: جی میرا نام محمد سعید مشتاق ہے۔ SaeedRj بھی کہتے ہیں۔

س: گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟

ج: سعید ہی کہتے ہیں۔

س: تاریخ پیدائش/سن/رہائش؟

ج: 23 نومبر 1982 کو یہ چاند چمکا تھا۔ رہائش ملتان شہر میں ہے۔

س: تعلیمی قابلیت؟

ج: گریجوایشن

س: اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟ کون کون ہے فیملی میں؟

ج: ہم میاں بیوی اور ایک بیٹا۔ بیگم کا نام شازیہ اور بیٹے کا نام محمد عبداللہ سعید ہے۔

س: کوکنگ کا شوق ہے کیا؟

ج: کسی پروفیشنل کک سے بھی زیادہ۔

س: اپنے ہاتھ کی بنی پسندیدہ ڈش؟

ج: قورمہ اور کڑاہی

س: ویسے اوور آل کھانے میں کیا پسند ہے؟

ج: بیف اور پلاؤ

س: پسندیدہ فروٹ؟

ج: ہمارے ملتان کی سوغات یعنی آم۔

س: پسندیدہ سبزی؟

ج: بھنڈی پہ جان جاتی ہے بس۔

س: کھانا کھانے میں ہوش سے کام لیتے ہیں یا جوش سے؟

ج: پسند کا نہ ہو تو ہوش سے ورنہ پورے جوش اور جذبے سے آخری لقمے کی ہلاکت تک۔

س: زیادہ شوقین ہیں کھانے کے یا بس ضرورت کی حد تک؟

ج: جینے کے لیے کھاتا ہوں۔ کھانے کے لیے نہیں جیتا۔

س: فٹنس کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ فٹ رہنے کے کچھ نسخے ہمیں بھی بتایئے؟

ج: مناسب و متوازن خوراک اور پیدل چلنا بس۔ یقین کریں یہ سب سے کامیاب نسخہ ہے صحت مند زندگی کا۔

س: اپنی ڈیلی روٹین کے بارے میں کچھ بتائیں؟ کب سوتے ہیں؟ کب اٹھتے ہیں؟ اور دن کن مصروفیات میں گزرتا ہے؟

ج: نماز سے دن کا آغاز ہوتا ہے اور پھر بیڈ پہ جانے تک کام، کام اور کام۔

س: فیملی میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟

ج: اپنے بیٹے سے۔

س: آپ کا پسندیدہ رنگ؟

ج: نیلا رنگ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ویسے سبھی رنگ پیارے ہیں۔

س: پہننے میں زیادہ کیا پسند کرتے ہیں؟

ج: شلوار قمیص اور کرتا بھی پسند ہے۔

س: فنکشنز پہ جانا کیسا لگتا ہے؟ شوق سے جاتے ہیں یا مجبوری سے؟

ج: اچھا لگتا ہے۔ پورے ذوق وشوق سے جاتا ہوں۔

س: فیس بک پہ ہم نے آپ کو کافی فرینڈلی پایا۔ حقیقت میں بھی ایسے ہی ہیں کیا؟

ج: میرا کوئی دوسرا رخ نہیں یہی ہے جو نظر آرہا۔

س: دوستی سوچ سمجھ کر کرتے ہیں یا بنا سوچے سمجھے۔

ج: اپنا ایک اصول ہے۔ یا تو دوست بناتا نہیں۔ بنا لیا تو ساتھ چھوڑتا نہیں۔

س: بہترین دوست کا نام؟

ج: ویسے سچ پوچھیں تو میرے بیسٹ فرینڈ کا نام محمد سعید مشتاق ہے۔

س: اسٹوڈنٹ لائف کیسی رہی؟ زیادہ انجوائے اسکول ٹائم میں کیا یا کالج/یونیورسٹی؟

ج: جی کیا یاد دلا دیا؟ وہ وقت بھی کسی کو کبھی بھول سکتا ہے کیا۔ سکول اور کالج دونوں میں انجوائے کیا۔

س: پڑھائی میں کیسے تھے؟ لائق یا بس گزارے لائق؟

ج: ہمیشہ ہی +60% رہا ہوں۔

س: اسٹوڈنٹ لائف کا کوئی یادگار واقعہ جو آج تک بھول نہ پائے ہوں؟

ج: سکول کی طرف سے دی گئی میٹرک کی الوداعی پارٹی جس میں پہلی بار اپنی بیسٹ پرفارمنس دی تھی۔ مزاحیہ خبریں پڑھی تھیں اور خوب داد سمیٹی۔

س: میوزک اور موویز سے کس حد تک دلچسپی ہے؟

ج: اچھا میوزک سچ میں اچھا لگتا ہے۔ موویز تب دیکھتا ہوں جب وقت پاس نہ ہو رہا ہو یا کسی مووی کی بہت تعریف سنی ہو۔

س: پسندیدہ گلوکار/گلوکارہ؟

ج: استاد مہدی حسن اور ملکہ ترنم میڈم نور جہاں

س: پسندیدہ ایکٹر؟

ج: محمد علی صاحب

س: پسندیدہ ایکٹرس؟

ج: رانی بہت پسند تھیں

س: پسندیدہ اسکالر؟

ج: مولانا طارق جمیل صاحب

س: پسندیدہ کتاب؟

ج: قرآن مجید

س: پسندیدہ مصنف؟

ج: طارق اسمٰعیل ساگر اور مظہر کلیم ایم اے

س: پسندیدہ گانا؟

ج: وقت کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

س: پسندیدہ فلم؟

ج: خدا گواہ

س: پسندیدہ ڈرامہ؟

ج: الفا براوو چارلی اور گیسٹ ہاؤس اب تک نہیں بھلا پایا۔

س: فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟

ج: مطالعہ۔ میرا پسندیدہ کام

س: غصہ کم آتا ہے یا زیادہ؟

ج: اب کم آتا ہے۔ کبھی آتش فشاں ہوا کرتا تھا۔

س: عام طور پہ کس بات پہ زیادہ غصہ آجاتا ہے؟

ج: جب کوئی مجھ پہ الزام لگائے۔ یعنی وہ کام جو میں نے کیا ہی نہیں اور کوئی زبردستی میرے اوپر تھوپ دے۔

س: غصے کو کنٹرول کیسے کرتے ہیں؟

ج: گہرے سانس لے کر۔

س: آپ کے خیال میں آپ کی سب سے اچھی عادت کون سی ہے۔

ج: وفاداری

س: اور بری عادت؟

ج: میں کیوں بتاؤں۔

س: کسی شخص سے پہلی ملاقات میں کس چیز کا اندازہ لگاتے ہیں؟

ج: کہ اس اخلاقیات کے مجسمے کا اصل چہرہ کیسا ہو گا۔

س: گھر سے جاتے ہوئے کیا چیز ساتھ لازی رکھتے ہیں؟

ج: سیل فون، گاڑی کے کاغذات اور پرس۔

س: شاعری آپ ہر موڈ میں کرتے ہیں یا یہ آمد ہونے پہ منحصر ہے؟

ج: زندگی میں ایک ہی شعر لکھا ہے اب تک۔

س: کون سے شاعر سے متاثر ہیں؟

ج: فیض احمد فیض اور پروین شاکر

س: کوئی ایسا شعر جو دل سے پسند ہو؟

ج: یہ میرا اپنا شعر ہے۔

میں جب بھی دیکھوں بہار رت میں مہکتے پھولوں کی مسکراہٹ
میرے تخیل کی وادیوں میں چمکنے لگتا ہے نام تیرا

س: اپنی سائیڈ ٹیبل پہ کیا چیزیں رکھتے ہیں؟

ج: کاغذ قلم۔ لیپ ٹاپ۔ اور پھول

س: آپ کا وہ رشتہ جو آپ کو سب سے عزیز ہے؟

ج: امی جان

س: سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئے یا محنت سے آگے بڑھے؟

ج: کام، کام اور کام سے ہی کام کا انسان بن پایا۔

س: آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

ج: ارے واہ میں ابھی تک لڑکا ہی دکھتا ہوں۔ (ہاہا)

س: صبح اٹھتے ہی پہلا کام جو آپ ہمیشہ کرتے ہیں۔؟

ج: سیل فون چیک کرتا ہوں۔

س: اگر آپ کے بچے ہیں تو کون سب سے زیادہ آپ سے قریب ہے؟

ج: ایک ہی ہے جی اسی میں جان ہے میری۔

س: کیا آپ کے بیٹے میں آپ کی خصوصیات منتقل ہوئیں؟

ج: میرے بیٹے میں میری سبھی خصوصیات ہیں۔

س: آپ کو اگر ایک دن کی حکومت ملے تو کون سا کام کرنا چاہیں گے؟

ج: امیروں سے دولت چھین کر غریبوں میں تقسیم کر دوں گا۔

س: آپ کے خاندان میں کوئی اور بھی ریڈیو میں ہے؟

ج: نہیں جی اپنے خاندان کا پہلا فرد ہوں جو ریڈیو میں آیا۔

س: کیا آپ کو اس سفر میں مشکل یا رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا؟

ج: سچ پوچھیں تو نہیں۔ الحمدللہ قدم قدم پر مخلص لوگ ملے۔ سوائے چند ایک کے۔

س: جب آپ کے مداح آپ کی تعریف کرتے ہیں تو کیسا محسوس ہوتا ہے؟

ج: ہاہاہا ..... خوشی ہی ہوتی ہے۔ ویسے وہی لمحات محنت وصولی کے ہوا کرتے ہیں۔

س: کوئی کمی جو آپ کو اپنی ذات میں محسوس ہوتی ہو؟

ج: نہیں۔ میں شاکر انسان ہوں۔

س: ایف ایم کی فیلڈ میں کس طرح آنا ہوا؟

ج: شوق کافی عرصے سے تھا۔ پہلے آڈیشن میں ناکام ہو گیا تھا۔ دوسرے میں سلیکشن ہو گئی۔ میرا آڈیشن ہماری سینئر پروڈیوسر میڈم آصفہ منیر صاحبہ نے لیا تھا۔

س: ریڈیو پر کس نے متعارف کروایا؟

ج: ریڈیو پاکستان ملتان کے پروگرام مینیجر اختر

بخاری صاحب نے۔

س: پہلے شو میں آپ کے تاثرات، کیفیت؟

ج: ہاہا۔ نہ پوچھیں۔ پسینے چھوٹ رہے تھے۔ مگر نبھا دیا ٹھیک سے۔ آج بھی بہت احتیاط سے بولتا ہوں۔ ریڈیو مائیک سنبھالنا ایک نہایت ذمہ داری کا کام ہے۔ لوگوں کو شاید مذاق لگتا ہو۔ لیکن ممبر پر بیٹھ کر بولنا ایک مشکل ترین کام اور عظیم ترین ذمہ داری ہے۔

س: کون سا پروگرام وجہ شہرت بنا؟

ج: سبھی وجہ شہرت ہیں۔

س: کس طرح کے موضوعات پر شوز کرتے ہیں؟

ج: ویسے میرا شو اولڈ فلمی گانوں کا ہے۔ مگر میں ضرورت کے مطابق ہر موضوع ڈسکس کر لیا کرتا ہوں۔ ہاں زور ایک بات پر ہی ہوتا ہے کہ ہمت نہیں ہارنی کبھی۔

س: موضوع خود چنتے ہیں؟ یا پروگرام پروڈیوسرز؟

ج: خود

س: آپ کا اب تک کا کامیاب شو؟

ج: جس دن تیاری نہ کر کے جاؤں۔ سچ میں۔

س: لسنرز کی طرف سے شو پر فیڈ بیک توقع کے مطابق ملتا ہے کیا؟

ج: جی۔ بہت محبت دیتے ہیں لوگ۔

س: شادی شدہ ہیں۔ پسند کی شادی یا ارینج ؟ کامیاب کون سی شادی رہتی ہے؟

ج: ارینج تھی۔ مگر محسوس ہوتا ہے پسند کی تھی۔

س: تقدیر یا قسمت کس چیز پر بھروسہ کرتے ہیں؟

ج: دونوں پر۔ ویسے یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

س: آپ آواز کے ذریعے خوشی و غم کے موقع پر پروگرام کرتے ہیں تو کیسا محسوس کرتے ہیں؟

ج: وہ لمحہ ایک Rj کی زندگی کا سب سے خاص لمحہ ہوتا ہے جس وقت وہ صرف اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ سے لوگوں کو ہنسنے یا رونے پر مجبور کر دے۔ اپنی صلاحیتوں کے بہترین اظہار کا وہی موقع ہوا کرتا ہے۔ مجھے بھی اکثر ایسے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ اور فیڈ بیک سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ کامیاب رہے یا نہیں۔

الحمدللہ کامیاب ہی رہتا ہوں۔اور تب واقعی خوشی ہوتی ہے۔

س:عام بولنے اور مائیک پر بولنے میں فرق ہے کیا؟

ج: یہ فرق اتنا ہی ہے جتنا درخت کے نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے اور اعلیٰ درجے کے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ڈنر کرنے میں ہے۔دونوں صورتوں میں آپ کھانا کھا ہی رہے ہوتے ہیں مگر انداز بدل جاتا ہے۔ بولنے کا یہ انداز ہی فرق ہے ایک عام طور پر بولنے اور مائیک پر بولنے میں۔

س:ایف ایم کے علاوہ آپ کی مصروفیات؟

ج:اپنا ایک بزنس ہے چھوٹا سا۔

س:کیا اک آر جے دوسرے آر جے کا انداز کاپی کرتا ہے؟

ج:آغاز میں سبھی کرتے ہیں کیونکہ لاشعوری طور پر ہی سہی مگر آپ کسی نہ کسی سے متاثر ضرور ہوتے ہیں۔سو وہ رنگ جھلکتا ہے آپکے انداز میں۔مگر سمجھدار لوگ خود کو ایڈجسٹ کرتے ہی اپنا انداز منفرد بنا لیتے ہیں۔

س:جو لوگ اس فیلڈ میں آنا چاہتے ہیں ان کے لیے کچھ ٹپس؟

ج:گوگل کے پاس معلومات کا جتنا ذخیرہ ہے۔اس سے بھی زیادہ معلومات اگر آپ حاصل کر سکیں تو کر لیجئے۔آپ کو اس فیلڈ میں آنا ہے۔کیونکہ مائیک پر بیٹھ کر آپ آئیں بائیں شائیں نہیں کر سکتے۔

س:نظموں وغزلوں پر مشتمل شوز تو کرتے ہی ہوں گے تو آپ کی پسندیدہ نظم۔غزل۔اشعار؟

ج:محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا

پروین شاکر کی ایک غزل ہے یہ بھی اکثر شامل کرتا ہوں شو میں۔

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی کچھ تھا تیرا خیال بھی
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی
بات وہ آدھی رات کی رات وہ پورے چاند کی
چاند بھی عین چیت کا اس پہ تیرا جمال بھی

س:دن رات کے کون سے پہر کے لمحات پسندیدہ ہیں؟

ج:رات کا وہ وقت جب سوائے اپنی سانسوں کے کچھ اور سنائی نہ دے رہا ہو۔۔

س:متاثر کن ڈائجسٹ،میگزین،ٹی وی چینلز، ریڈیو چینلز،مصنف،مصنفہ،فلم،جملہ؟

ج:ریشم ڈائجسٹ اچھا ہے۔ایکسپریس نیوز اور ڈسکوری چینل۔ریڈیو پاکستان۔طارق اسمٰعیل ساگر۔ عمیرہ احمد۔خدا گواہ۔حوصلہ بھی کوئی ہارنے والی چیز ہے۔

س:پاکستان کے لیے آپ کے خیالات و جذبات؟

ج:پاکستان میرا سب کچھ ہے۔اس ملک نے ہمیں جو دیا ہے اس کا احسان زندگی بھر نہیں اتارا جاسکتا۔اس ملک میں رہ کر ترقی کیجئے۔تو کامیاب ہوں گے۔ساتھ ہی اس ترقی کے ثمرات اس ملک کو بھی پہنچیں گے۔

س:ریشم ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

ج:ایک جملہ ہے جو مجھے اتنا اچھا لگا کہ اس کو اپنے شو کا مستقل حصہ ہی بنا لیا ہے۔اور اس سے اچھا پیغام شاید ہی کچھ ہو سکتا ہو کہ "انسان کو کوئی چیز اس وقت تک نہیں ہرا سکتی کہ جب تک وہ خود ہار نہ مان لے سو لڑتے رہیے اس وقت تک کہ جب تک منزل خود آ کر آپ کے قدموں میں نہ گر جائے"۔

☆☆☆

نوک جھونک

محمد طلحہ مسرور

غازیہ شاہین، لاہور

سوال: آپ اپنی سالگرہ کیسے مناتے ہیں؟

جواب: سب کے ساتھ خوشیاں شیئر کر کے، خدا کا شکر ادا کر کے۔

افشاں حسین، لاڑکانہ

سوال: عید قربان ایثار کا نام ہے۔ آپ اس عید پر کسے قربان کر رہے ہیں؟

جواب: ہیں بہت ساری اللہ میاں کی گائیں۔ آپ کو کیوں بتاؤں۔

شمیم عدنان، کوٹ ادو

سوال: وہ جو بات بے بات بہت ہنستے ہیں..... مکمل کیجیے۔

جواب: مجھے تو کچھ پاگل پاگل سے لگتے ہیں۔

افشاں ناز، ملتان

سوال: اس یوم دفاع پر آپ ہماری ہونے والی بھابی سے اپنا ''دفاع'' کیسے کریں گے۔ سنا ہے بھابی بہت غصے والی ہیں؟

جواب: انہیں بھی اکیس توپوں کی سلامی پیش کر دوں گا تو خوش ہو جائیں گی۔ ویسے آپ سنی سنائی باتوں پر اعتبار نہ کیا کریں۔

فرزانہ لودھی، بہاولپور

سوال: قربانی سے ایک رات پہلے بکرے اتنا کیوں چیختے چلاتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے کہ انہیں خواب میں چھریاں نظر آتی ہیں؟

جواب: پتہ نہیں..... میں نے آج تک قربانی سے پہلے کسی بکرے کا انٹرویو نہیں کیا۔

صالحہ عزیز، کراچی

سوال: اگر آپ کو ریشم میں چار صفحے مل جائیں تو آپ سب سے پہلے کیا کام کرو گے؟

جواب: ریشم سے استعفیٰ دے دوں گا۔ مجھ سے یہ دو صفحے نہیں سنبھالے جاتے۔ آپ چار کی بات کر رہی ہیں۔

عذرا ریاض، سرگودھا

سوال: آپ کبھی چشمہ اتار کر بھی آیئے ناں سامنے؟

جواب: نہ بھئی ناں..... چشمہ اتار دیا تو تمہاری فرمائشیں اور بڑھ جائیں گی۔

ثمینہ کنول، ڈسکہ

سوال: اگر آپ کو ریشم ڈائجسٹ کا ایڈیٹر لگا دیا جائے تو سب سے پہلے کس کی تحریر لگاؤ گے؟

جواب: آپ کی ہی لگا دوں گا۔ کیوں کہ یہ سوال بھی تو سب سے پہلے آپ نے پوچھا ہے۔

نازش نایاب سکندر، کراچی

سوال: کیا اس عید پر بھی آپ آپی سے ''چپل کباب'' ہی کی فرمائش کریں گے؟

جواب: نہیں۔تم بے فکر رہو۔تمہارے لیے ''چلو کباب'' اور چلو بھر پانی کا انتظام بھی کرا رکھوں گا۔

سارا رحیم، لاہور

سوال: آپ آخر میرے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دیتے؟

جواب: خود ہی بتاؤ کہ یہ بھلا کیا کر رہا ہوں میں؟ اور کوئی ڈھنگ کا سوال تو بھیجو لڑکی۔

ڈینٹل ڈاکٹر عندلیب رانی، گوجرانوالہ

سوال: مجھے پتہ چلا ہے کہ عید پر آپ پرانے سے کپڑے پہن کر، اور چھریاں ٹوکے ہاتھ میں لے کر ''موسمی قصائی'' کا روپ دھارے بکرے ذبح کرتے پھرتے ہیں۔کیا یہ سچ ہے؟

جواب: پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم وہی ڈینٹسٹ ہو جو بکروں کو نقلی دانت لگا کر منڈی بھجواتی ہو۔

ممیر اوحید، واہ کینٹ

سوال: اپنی محبت کو کیسے حاصل کرنا چاہیے؟

جواب: صبر اور امانت داری سے

مقصود احمد بلوچ، میاں چنوں

سوال: انسان اپنی اصلیت کب دکھاتا ہے؟

جواب: جب وہ انسانیت کے زمرے سے خارج ہو جائے۔

بسمل افضل شاہین، بہاولنگر

سوال: عید کے چاند اور دل کے چاند میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب: عید کا چاند سال میں ایک بار نکلتا ہے جبکہ دل کے چاند کو جب دیکھ لو عید ہو جاتی ہے۔

نمرا حبیب، کراچی

سوال: وہ بار بار مجھ سے میری سالگرہ کی تاریخ کیوں پوچھتے ہیں؟

جواب: تاکہ اس تاریخ پر وہ بہانہ کر سکیں کہ انہیں چونکہ شہر سے باہر ضروری کام کے سلسلے میں جانا ہے اس لیے وہ آپ کی سالگرہ پر نہیں آ سکتے۔

مسز نگہت غفار، کراچی

سوال: معاشرے کو برائیوں سے پاک کس طرح کریں گے؟

جواب: سب سے پہلے اپنی سوچ اور رویے کو مثبت اور پاک کریں گے تو رفتہ رفتہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ

سوال: کوشش کے باوجود ہمیں وہ چہرے خواب میں نظر کیوں نہیں آتے جنہیں ہم دیکھنا چاہتے ہیں؟

جواب: شاید وہ ان کے خوابوں میں گھومتے پھرتے ہیں جو انہیں دیکھنا نہیں چاہتے۔

حمید احمد، لاہور

سوال: اپنی سولہویں سالگرہ پر مجھے کیا چیز سب سے پوشیدہ رکھنی چاہیے؟

جواب: اپنی ایم۔اے ایم ایڈ کی ڈگری۔

مرینہ خان، پشاور

سوال: ان کی آنکھیں مجھ سے کہہ رہی تھیں؟

جواب: ارے بابا جاؤ..... جان چھوڑو میری۔

ریشمی دنیا کے ریشمی ساتھیو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے! سب سے پہلے تو آپ سب کو عیدالاضحیٰ، یوم دفاع پاکستان اور آپ کے پیارے ریشم ڈائجسٹ کی سالگرہ مبارک ہو۔ ہماری دعا ہے کہ ہمارا اور آپ کا ریشمی ساتھ کبھی نہ ٹوٹے اور ریشم ڈائجسٹ کے تمام قارئین ولکھاری خلوص ومحبت کی اس ریشمی ڈوری سے سدا بندھے رہیں۔ (آمین)

اس بار خطوط کی تعداد دیکھ کر خوشی ہوئی مگر ابھی بھی بہت سارے ساتھی غائب ہیں۔ خدا کرے ان سب کی طرف خیریت ہو، جو لوگ عرصہ دراز سے ریشم کی محفل سے غائب ہیں ذرا ایک بار اپنی خیریت سے مطلع ضرور کریں۔

میں ان سب بہن بھائیوں کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے شدید علالت کے دوران میرے لیے دعائیں کیں اور بذریعہ کالز اور میسجز میری عیادت کی۔ اللہ پاک آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

اور آیئے بڑھتے ہیں آج کی پہلی دستک کی جانب!

☆☆☆

طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی

دستک کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن بھئی برقی دور ہے گھنٹی بجا لیتے ہیں لیکن یہ کیا بجلی تو ہمیشہ کی بے وفا، چلیں جی اب نازک سے ہاتھ سے ریشمی سی دستک دی تو یہ لیجیے پیاری سی بشریٰ جی تو دروازہ وا کیے کھڑی ہیں حیران مت ہوں وہ ایسے ہی محبت سے سب کا استقبال کرتی ہیں۔

اسلام وعلیکم! دوستو اور پیاری بشریٰ جی، سب سے پہلے تو بہت شکریہ سب کا جن کو میری تحریر، سروے، انٹرویو پسند آئے اور ان سب نے باقاعدہ میرا نام لکھ کر مبارکباد دی جزاک اللہ۔

اب پیارے ریشم کی طرف آتی ہوں پہلی بات تو یہ کہ ریشم ایک ایسا ڈائجسٹ ہے کہ اس میں اتنے سارے اور اتنے مزیدار سلسلے ہیں کہ سب کا مجموعی طور پر ہی تبصرہ یہ کہ کچھ بھی مایوس کن نہیں ہے اگر ایک ایک چیز پہ لکھوں گی تو سارے صفحات پہ صرف میری دستک ہی رہ جائے گی لیکن چند لوگوں کے لیے اس بار کے پرچے میں جو مجھے زیادہ متاثر کر گئے ان کے نام نہ لینا زیادتی ہوگی اب آئے ہیں تو کچھ نہ کچھ تو کہہ ہی جائیں گے، تو مجھے نزہت جبیں، فریدہ جاوید فری، ریما نور رضوان، عابدہ سمین، امتیاز صاحب، بشریٰ رحمٰن، کی تحاریر زیادہ متاثر کن لگیں، باقی سارا پرچہ اداریہ ہو یا کلام، نوک جھونک ہو یا شاعری حتی کہ کارنرز بھی بہت دلچسپ تھے، انعمتہ گل، کرن خان نے بھی اچھا لکھا تسنیم بھی کامیاب رہی ہیں، پھر سجنے بننے کا شوق بھی پورا ہوگیا، کچھ کھانے پکانے سے تواضع بھی بھرپور رہی تو ادھر

ادھر کے ستاروں کی خبریں پڑھنے کا بھی چسکا لگ گیا، واہ جی ماشاء اللہ ہم تو بہت خوش ہیں کہ ہم بشریٰ اور ریما کی بدولت ریشم کا حصہ بن گئے، تحسین انجم انصاری کو بہت ساری دعائیں، کب نیا ناول لائیں گی انتظار رہے گا پیاری دوست، اچھا اب اجازت چاہوں گی بہت لمبا ہو جائے گا تبصرہ دل تو چاہ رہا تھا کہ تفصیلی تبصرہ کرتے ہر تحریر پر، لیکن ان شاء اللہ اگلی بار مکمل تبصرہ کریں گے صرف تحریروں پہ، اجازت بہت شکریہ سب کا، اللہ حافظ

☆☆☆

امان اللہ نیر شوکت، لاہور

قابل صد افتخار، ذی شان، ذی وقار محترمہ بشریٰ مسرور صاحبہ!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

''ریشم'' سے وابستہ حسین یادیں، قارئین سے نہ بھولنے والی پیاری باتیں ریشم کے دروازے پر ایک بار پھر ''ریشمی دستک'' دینے کے لیے میں آ گیا ہوں۔ چاہے ہوں بشریٰ مسرور یا ہوں مسرور احمد صاحب، میرے لیے ایک طویل عرصہ سے قابل احترام ہیں اور رہیں گے۔ ریشم ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور گلاب کے پھول کی طرح کھلا کھلا سا ہے۔ حمد باری تعالیٰ میں رب ذوالجلال سے غضنفر علی شاہد ہمیں صرف اسی سے مانگنے کی تلقین کر رہے ہیں جو سب کو دینے والا اور پالنے والا ہے۔ لیکن ایک دوسرا رخ بھی دیکھئے کہ ہم اپنے رب کائنات کا در چھوڑ کر کسی اور طرف کیوں چل نکلے ہیں۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ہم زبردست خسارے میں جا رہے ہیں۔ غضنفر علی شاہد سے میرا پرانا یارانہ ہے۔ منگلا کے شاہد، ادب کی تاریخ شاہد ہے ہم نہ بھولے ہیں آپ کو بھلا آپ کیسے بھول سکتے ہیں نیئر کو۔ ریاض ندیم نیازی یہ ہوئی ناں بات۔ تعلق ہو سبی سے اور مقام بھول جائیں پیارے حضور پاک ﷺ کا جنہوں نے ہم گناہ گاروں کو بخشوا کر جنت الفردوس میں اپنے ساتھ لے جانا ہے۔ واقعی آپ ﷺ کی شفقت اور محبت سے کوئی بھی دل خالی نہیں ہے۔ اب بھی وقت ہے ''دین اور دنیا'' سے اپنی عاقبت سنوار لیں۔

ریما نور رضوان اپنے انٹرویو میں کبریٰ نوید سے ملوا رہی ہیں اور کبریٰ نوید پاکستان سے شدید محبت کا ثبوت دے رہی ہیں۔ بہت خوب محمد طلحہ مسرور بھی ادب کے میدان میں وارد ہو گئے ہیں اور نوک جھونک میں سب کی خوب خیر خبر لے رہے ہیں۔ میں ان سے بڑے محتاط انداز میں کوئی سوال کروں گا۔ کیوں کہ یہ فرزند ارجمند ہیں بشریٰ مسرور صاحبہ کے۔ یہ اینٹ سے پتھر کا جواب دینے کا فن جان گئے ہیں۔ پرنس افضل شاہین آپ کی ساس کی اللہ تبارک و تعالیٰ مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو ٹھنڈا کرے۔ (آمین)

عذرا فردوس مہنگی آزادی میں آزادی کی قدر کروا رہی ہیں۔ بڑی قربانیوں سے یہ ملک حاصل ہوا ہے۔ ریشم کے معیار اور نکھار میں کبھی کمی نہیں آئی۔ لکھاری ریشم سے ٹوٹ کر سدا بہار، بہار کی طرح محبت کرتے ہیں۔ شاہ رخ نذیر ہمیں تحفہ دے رہی ہیں۔ بلکہ انمول تحفہ جو واقعی قربانی کا تحفہ ہے۔ ساحل ابڑو بتا رہے ہیں ''لہو کا رنگ ایک ہے'' لیکن آج کے نفسا نفسی کے دور میں ہمارا لہو ایک سا نہیں رہا۔ یہ دودھ کی طرح سفید ہو گیا ہے۔ ماورا طلحہ ''سجدہ وطن'' کو زیادہ اہمیت دے رہی ہیں۔ اہمیت اس عہد کو دے رہی ہیں جو شہید ہے۔ سپاہی قاسم اسلام کا شیدائی تھا۔ ایسے لافانی کردار بھولے سے بھی کبھی نہیں بھولتے۔ ماورا طلحہ کے قلم میں ان کا جادوئی فن بولتا ہے۔ محمد سلیم اختر کی بازگشت عام ہے کہ وطن کی مٹی کا جو قرض ہے اس کی ادائیگی اولین فرائض میں شامل ہے۔ یہ قلم کی گرہیں بڑے سلیقے سے کھولتے ہیں۔ حمیرا وحید ان سے ''دوستی'' کرتی ہیں جو ہمیشہ یاد آتے رہتے ہیں۔ قربانیاں دینے والوں سے دوستی

بہت اہمیت کی حامل ہے۔ زریں قمر ''ہوا کا جھونکا'' لے رہی ہیں اور جھونکا بھی ایسا جیسے کسی نے گال پر پیار کیا ہو۔ مجید احمد جائی ادب کے درخشاں ستارے ہیں۔ خونی رشتے کروا رہے ہیں کیوں کہ محبت قربانی مانگتی ہے۔ حنا اصغر ''حصارِ محبت'' میں آ گئی ہیں۔ کیوں کہ نئی زندگی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

رنگ جہاں بھی خوب ہے۔ اس میں ہر چیز سما گئی ہے۔ جو مرضی پوچھ لو۔ خود کلامی کر لو، قسمت کا حال جان لو، ریشمی مصالحہ بھی چٹپٹا ہے۔ دلچسپ و عجیب و غریب معلومات سے ہماری معلومات میں بھرپور اضافہ ہو رہا ہے۔ رنگ میں بھنگ ڈالنی ہو تو انجم انصار حاضر ہیں۔ شاہ روم خان ولی نے ''رنگ خیال'' کو شاعری سے خوب سجایا ہوا ہے۔ ہم بھی خم ٹھونک کر شاعری کے میدان میں اتر آئے ہیں۔ اللہ خیر کرے۔ ''ریشمی سندیسے'' بھی ہم جلد دینا شروع کر دیں گے۔ ذرا صبر سے کام لیں۔ ہم ''ریشم'' میں اچھی طرح وارد ہو جائیں۔ عبداللہ مسرور ''آپ کے اوراق'' سمیٹ رہے ہیں۔ خوبصورت اور روح پرور سلسلہ ہے۔ ہم سب سے اپنی یادیں شیئر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ العزیز۔

☆☆☆

ایس امتیاز احمد، کراچی

پرخلوص بشریٰ مسرور صاحبہ!

السلام علیکم:

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا!

ماہ رواں کا ریشم سامنے ہے۔ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ ریشم میں بہت اچھے اور خوب صورت لکھنے والے آ رہے ہیں اور بہت خوبصورت اور دلچسپی سے بھرپور لکھ رہے ہیں۔

سٹوری اور غزلوں کا انتخاب لاجواب ہے۔ انچارج غزل کو شاید ہماری غزلیں اچھی نہیں لگتیں.....؟ ان کی مہربانی ایک بار تو غزلوں کو دیکھ لیا کریں..... ویسے وہ بادشاہ ہیں جیسے بہتر سمجھیں.....؟ ہمارے آرٹیکلز لگانے کا شکریہ..... میٹر آپ کے پاس ہے پلیز دیکھئے گا.....

آپ کو اور دیگر سٹاف اور ریشم کے تمام ریشمی رائٹرز اور تمام خوب صورت ریشمی وویورز کو دعا و سلام..... اپنا خیال رکھیے گا.....

☆☆☆

ڈاکٹر طارق محمود آکاش، ڈسکہ

آپی بشریٰ مسرور!

تمام ریشمی ٹیم اور ریشم سے جڑے تمام پروانوں کو ڈاکٹر طارق کی جانب سے محبتوں بھرا آداب!

رب کائنات کے حضور دعا اور امید کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ آپی فریدہ جاوید فری، آپی نگہت غفار، آپی فصیحہ آصف کے لیے بے شمار دعائیں۔ خداوند کریم آپ کو اپنے حبیب کے صدقے صحت کاملہ عطا کرے۔ (آمین)

ہمارے سینئر لکھاری جناب غضنفر علی شاہد کی حمد اور بھائی ریاض ندیم کی خوبصورت نعتؐ شریف سے آغاز کیا۔ جزاک اللہ

بشریٰ آپی کا ساون رت پہ اداریہ خوبصورت تھا۔ میں نے اس ماہ سب سے پہلے اپنے پیارے بھائی، دوست پرنس افضل شاہین سے شروع کیا۔ جناب آپ کا انٹرویو پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ آپ کی دلچسپ باتیں بہت اچھی لگیں۔ خدا آپ کے آنگن میں خوشیاں بھر دے۔ (آمین) آپ کا خط پڑھ کر بھی مزہ آجاتا ہے۔ مسٹر وکی اور شاہ روم کو ویلکم ٹو ریشم فیملی.....

مجید احمد جائی بھائی آپ کی محبت کا شکریہ۔ جناب انشاء اللہ ہم ضرور آئیں گے آپ کے پاس۔ ذرا گرمی کا زور ٹوٹ جائے۔ خوش رہیے بھائی جیتے رہیے۔ ممتاز احمد آپ کا خط کہاں ہے اس مرتبہ.....؟

بدلتا ساون عذرا فردوس ہمیشہ کی طرح خوبصورت تحریر لے کر آئیں۔ آپی نزہت جبیں ضیاء کی تحریر لب پہ اک حرف دعا بہت اچھی کہانی لگی۔ ساون رت صوفیہ اصغر، ساون رت کی بدولت رتوں کا خوبصورت قصہ لگا۔

میری پیاری آپی نگہت غفار کی عید اور تم بہت اچھی کہانی تھی۔ ماشاء اللہ سے فری آپی ایک عرصہ دراز کے بعد 'چاند عید کا' کے ساتھ جلوہ افروز ہوئیں۔ ونڈر فل آپی جی.....

جویریہ ضیاء 'دعائیں رد نہیں ہوتیں' اچھی کہانی تھی۔ صغریٰ بخاری کی 'پاگل سی لڑکی' پسند آئی۔ دلچسپ و عجیب غریب سلسلہ اچھا ہے۔ رنگ خیال زبردست ہو گیا ہے۔ آپ کے اوراق، خود کلامی بہت مزے کے تھے۔ خوش رہیے۔ خوش رکھیے اپنا اور اپنوں کا خیال رکھیے۔ نماز اور قرآن میں باقاعدگی ہر مسئلے کا حل ہے۔ خدا ریشم کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ (آمین)

زندگی نے وفا کی تو آئندہ ماہ پھر ملیں گے۔ (اللہ نگہبان)

☆☆☆

مسز نگہت غفار، کراچی

بہت پیاری بشریٰ جی!

السلام علیکم:

اللہ تعالیٰ زندگی کی ہر خوشی اور کامیابی آپ اور آپ کی فیملی کا مقدر بنے (آمین)

اداریہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔ حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول کی مہکتی تحریروں سے روح مہکنے لگی۔ دین و دنیا کی روحانی تحریر سے مستفیض ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔

مجھ سے ملیے میں پیاری ریما نور بیٹی تم نے کرن عباسی سے ملاقات کروائی بہت اچھا لگا۔ نوک جھونک حسب معمول مسکراتی محفل اچھی لگی اور اب آتے ہیں اپنی بہت ہی خوبصورت محفل کی طرف ریشمی دستک بہت پیاری معصوم سی بھولی بھالی چھوٹی بہن ہم خط لکھنے میں بالکل سستی نہیں کرتے بلکہ سارا مہینہ بڑی بے چینی اور بے قراری سے رسالے کے آنے کا انتظار کرتے ہیں اور تاخیر ہونے پر ہاتھ پاؤں سر سب کو زور زور سے مارنے لگتے ہیں۔ ایک ایک کی بہت عاجزی سے خوشامد کرتے ہیں کہ ہمیں کہیں سے ریشم لا دو..... مگر زیادہ تر ناکامی ملتی ہے۔ آج رسالہ ملا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی ابھی آپ کے پاس سے رسالہ موصول نہیں ہوا..... میں تو تبصرہ کرنے بیٹھ جاتی ہوں ورنہ بہت بے چینی ہوتی ہے میں ہر ماہ یہ چاہتی ہوں کہ ریشم میں ضرور تبصرہ آئے۔ سب سے پہلے اچھے بھائی پرنس افضل شاہین آپ نے ریشمی دستک اور آپ کے اوراق میں پسند کیا بہت نوازش اللہ آپ کو معہ فیملی شاد و آباد رکھے۔ (آمین)

بہت پیاری ریما سدا سلامت رہو چندا آپ ایسی کہانیاں نہیں پڑھتیں مگر میری کہانی نا صرف پڑھی بلکہ پسندیدگی کی سند سے نوازا بھی اللہ تمہیں زندگی کی ہر خوشی اور کامیابی نصیب کرے۔ (آمین) ڈاکٹر طارق محمود بھائی مجھے لگ رہا آپ بہت دنوں بعد نظر آئے خیریت تو ہے بھابی بچے سب کیسے ہیں؟ میرے اچھے بھائی آپ نے میری صحت کے لیے بہت خلوص سے دعا دی اور آپ کو میری کہانی بھی پسند آئی..... بہت نوازش بھائی بہت شکریہ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرے۔ (آمین)

مجید احمد جائی اچھے بھائی اللہ آپ کو آپ کی فیملی کو اپنی امان میں رکھے۔ (آمین) آپ نے بہت خوبصورت اور پرخلوص انداز میں میری کہانی کو پسندیدگی کی سند سے نوازا۔ رب کائنات آپ کو ہر کامیابی سے نوازے۔ (آمین)

'بدلتا ساون' ماہم کی طرح اللہ تعالیٰ ہر ایک پر مہربان ہو۔ 'پس آئینہ' طیبہ عنصر کا افسانہ بہت پسند آیا مختصر مگر پر اثر تحریر تھی۔ 'چاند عید کا' فریدہ جاوید فری کا افسانہ بھی کسی سے کم نہ تھا۔ اختتامی کلمات نے کہانی کو مزید خوبصورت بنا دیا۔

'وہ ٹھنڈی ہوا' فہمیدہ غوری بہت خوب زبردست اس کہانی سے یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حقیقی دنیا میں بھی ایسا کچھ ہو رہا ہے بنا سوچے سمجھے قدم بڑھانا تکلیف اور نقصان کا باعث بنتا ہے۔ 'سسرال میں عید' کرن خان کی مختصر کہانی بہت اچھی لگی۔ کہانیوں میں یہ ہی کوشش کی چھوٹی چھوٹی کہانیاں پڑھیں کیونکہ ہر صورت میں کل پوسٹ کرنا ہے۔ 'رنگ میں بھنگ' ہمیشہ کی طرح بہت اچھی تحریریں تھیں۔ 'رنگ خیال' میں تقریباً سب ہی کے خیال رنگوں سے بھرے نظر آئے قوس وقزح کے مانند۔ 'خود کلامی' ایم حسن، مقصود احمد، غزالہ، پرنس افضل، مسز پرنس، رخسانہ، ریاض ندیم، ثنا ناز کے اشعار اور قطعات پسند آئے۔

آپ کے اوراق میں فرمان الٰہی، مسلمان کی دعا، آنسو اور مسکراہٹ، بارش (ڈاکٹر طارق)، فضول خرچ، ماں یہ تمام تحریریں بہت پسند آئیں۔ آپ کے روبرو میں ہمارے بہت اچھے بھائی کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی نہ کبھی بھابی سے ملاقات ہوئی نہ کبھی بھائی سے ملے لیکن یہ قلمی دوستی۔ ریشم کے توسط سے ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے ہیں مجھے پرنس افضل شاہین اور مسز افضل شاہین سے یہ ہی کہنا ہے کہ اللہ رب العزت آپ لوگوں کے گلشن حیات میں مہکتے چہکتے رنگ برنگے پھول اور کلیاں بکھیر دیں (آمین ثم آمین)

روبینہ جی نے کہا کہ ''روبرو'' پر تبصرہ کرنا اگر روبینہ جی آپ نہیں بھی کہتی تو مجھے تو ہر حال میں تبصرہ کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ میرے چھوٹے بھائی اور بھابی کی دلی مرادیں، نیک تمنائیں اور جائز خواہشات اپنے دربار میں قبول فرمائے۔ (آمین)

میرا خیال ہے کہ خط طویل ہو گیا ہے۔ اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ مالک دو جہاں پیاری سی مخلص چھوٹی بہن بشریٰ جی، چھوٹے بھائی مسرور کو ان کی فیملی کو اپنی رحمتوں، عنایتوں اور کرم کے حصار میں رکھے۔ ریشم اور ریشم فیملی پر خاص نظر کرم رکھے۔ ہمارے ملک پاکستان کو نظر بد سے بچائے شن کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

(☆ آمین۔ اللہ پاک آپ کو بھی سدا سلامت رکھے تاکہ آپ دعاؤں کی خوشبو بکھیرتی رہیں۔ ریشم آپ کو بروقت نہ ملے تو فوراً مجھے میسج کر دیا کریں۔ خط لکھنے کا بے حد شکریہ)

☆☆☆

فاطمہ عبدالخالق، فیصل آباد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

بشریٰ آپا کیسی ہیں امید ہے ٹھیک ٹھاک ہوں گی اور ریشم کے قارئین بھی فٹ فاٹ ہوں گے .... پرنس افضل شاہین کی ساس صاحبہ کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ..... سب سے پہلے بشریٰ آپا کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ انہوں نے میری تحریر کو ریشم کی زینت بنایا۔ اب تبصرہ ہو جائے ریشم کے اگست کے شمارے کا تو جناب اداریہ کے لفظ لفظ سے متفق ہوں، نظام تو ہمیں خود ہی ٹھیک کرنا ہے لیکن ہماری سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ ہم کہتے ہیں فلاں کرلے گا بھئی فلاں کرلے گا ہم یہ نہیں کہتے ہم ہی پہلا قدم بنیں تاکہ ہم پہلا دہ بیج بن سکیں جو معاشرے کو معاشرتی بیماریوں سے پاک کر سکے۔

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ سے دل کو منور کرتے ہوئے کبریٰ نوید کی انٹرویو کی جانب بڑھے، مل کر اچھا لگا، ریشمی دستک میں بشریٰ آپا خطوط کی کم تعداد کا شکوہ کرتی نظر آئیں۔ لیجئے تبصرہ حاضر خدمت ہے بلکہ آپ اسے طویل تبصرہ کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا، پہلی دستک پہ اپنا نام دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، خوشی خوشی عذرا فردوس کی مہنگی آزادی کی طرف بڑھے حقیقت کی عکاس تحریر واقعی ہانیہ جیسے لوگ آزادی کی قدر چھن جانے کے بعد ہی کرتے ہیں۔ شاہ رخ نذیر کے تحفہ میں مجھے فاطمہ کا کردار بے حد پسند آیا۔

ماورا طلعہ کی تحریر اک سجدہ بہترین تحریر تھی قاسم اسلام کا جذبہ قابل دید اور ناقابل فراموش تھا ہمارے ملک کو قاسم اسلام جیسے نوجوانوں کی اشد ضرورت ہے۔ محمد سلیم کی بازگشت کے فضل کی کہانی آنکھیں نم کرگئی یہ کڑوا سچ ہے کہ ہم بہروپیوں پہ بھروسہ کرتے ہیں اور اپنوں پہ کڑی اور شکی نگاہیں رکھتے ہیں تبھی تو مات کھاتے ہیں اور پچھتاتے ہیں ... ریما نور رضوان کی تحریر اے وطن تیرے لئے اچھی تحریر تھی مگر مجھے اس کے اختتام سے خاصا اختلاف ہے مدیحہ کو کچھ اور حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے دشمنوں کو انجام کے گھاٹ پہنچانا چاہیے تھا۔

ایس امتیاز احمد کی تحریر جہنم ایک سبق آموز کہانی تھی عدیلہ جیسی لڑکیاں جو ماں باپ کو پس پشت ڈال کر خوشیاں حاصل کرتی ہیں ایسی خوشیوں کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے کاش کہ معاشرے کی تمام لڑکیاں اس حقیقت کو سمجھ سکیں آمین۔ حمیرا وحید کی دوستی ایک اچھی تحریر تھی لیکن کھانا اچھا بنانے پہ پانچ سو روپے انعام والی وہ بھی ایک مہاجر خاندان کی جانب سے ہضم نہیں ہوئی کیونکہ اس دور میں پانچ سو روپے کی بہت زیادہ ویلیو ہوتی تھی فرح بھٹو کی تحریر میرا ایمان ہے تو کے خوبصورت الفاظ حرام کا مال راس نہیں آتا وطن کی جڑیں کھوکھلی کر کے ملی عزت بھی عارضی ہوا کرتی ہے۔ نادر جیسے لوگ جیل کی سلاخوں کی ہوا کھا کر ہی اپنی غلطیاں سدھارتے ہیں۔

لہو کا ایک رنگ، ثمر رواں، حصار محبت، مجرم کون؟ اور امید ابھی باقی ہے اچھی کہانیاں تھیں، دلچسپ و عجیب معلومات سے معلومات میں خاصا اضافہ ہوا یہ سب سے اچھا سلسلہ ہے۔ ریشم کے باورچی کھانے میں کھجور کے لڈو اور پوٹیٹو کیک ٹرائے کروں گی۔ رنگ میں بھنگ بڑا دلچسپ اور مزے دار سلسلہ ہے۔ رنگ خیال میں ہمیشہ کی طرح خود کو ڈھونڈتی ہی رہ گئی۔ سروے بھی ہمیشہ کی طرح شاندار تھا ... اگر آپ سیاہ راتوں کے دکھ پہ بھی نظر کرم فرمائیں تو بندی ناچیز آپ کی شکر گزار ہوگی۔ میرا خیال ہے تبصرہ کافی طویل ہو چکا ہے اس لئے فی امان اللہ ان شاء اللہ حاضری لگتی رہے گی۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

(☆ آپ ریشم ڈائجسٹ کا مطالعہ اتنی گہرائی سے کرتی ہیں، یہ جان کر خوشی ہوئی۔ رنگ خیال کے لیے براہ

راست شاہ روم سے رابطہ کیجئے۔ ہمیں وہ جو ڈاک تیار کر کے بھجواتے ہیں ہم وہ لگا دیتے ہیں اور جو ڈاک ہمارے پاس آتی ہے غزلوں کی صورت وہ انہیں بھیج دیتے ہیں۔)

☆☆☆

فریدہ جاوید فری، لاہور

پیاری بشریٰ!

السلام علیکم!

جولائی کا ریشم ملا سادہ سی ماڈل پیاری لگ رہی تھی۔ اس میں اپنا افسانہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ حمد اور نعت پڑھ کر بے حد سرور ملا۔ آپ کے روبرو میں پرنس افضل بھائی نے خوب ہنسایا بہت اچھا انٹرویو تھا انہوں نے بے حد اچھے جوابات لکھے اور ہماری تعریف بھی بے حد کر دی۔ ہمارے بھائی جو ہوئے بہنیں تو ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔ اللہ انہیں پیارا سا بے بی دے۔ (آمین)

طیبہ عنصر کیا چیز ہو تم اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہو۔ نزہت جبیں کے افسانوں کی تو میں دیوانی ہوں۔ نگہت غفار کا افسانہ بھی لاجواب تھا۔ فہیدہ غوری کا افسانہ مختصر ہونے کے باوجود اچھی تحریر لگی۔ ساون رت صوفیہ اصغر نے بہت اچھا لکھا۔ دعائیں رد نہیں ہوتیں جویریہ ضیاء، فرشتہ ایس امتیاز، سسرال میں عید، پاگل سی لڑکی، ہلچل، ہنسی ٹھوڑی سب تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک لگیں۔ ریشم کا معیار پہلے سے بہت بہتر ہو گیا ہے۔ اپنی غزل پڑھ کر اچھا لگا۔ نوک جھونک میں محمد طلحہ مسرور نے بے حد اچھے جوابات دیئے۔

نزہت جی اور معصومہ ارشاد کی غزلیں پسند آئیں۔ باجی انجم انصار صاحبہ رنگ میں بھنگ پڑھ کر بے حد ہنسی آئی۔ ریشم کے باورچی خانہ میں سب کھانے بے حد مزیدار تھے۔ ریشم رسالہ بے حد پرفیکٹ ہے۔ بس ایک چیز کی کمی ہے جو کہ بشریٰ جی خوب جانتیں ہیں تمام ریشم کی ٹیم کو سلام اور دعا۔ قارئین اور رائٹرز کو بھی سلام و دعا۔

مسرور صاحب، بشریٰ جی کو سلام اور حمزہ، طلحہ، عبداللہ، کشائش ڈول کو بے حد پیار۔ شاہ روم ولی بھائی کو بے حد سلام۔ (اللہ حافظ)

(☆ وعلیکم السلام پیاری فریدہ جاوید فری: اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟)

☆☆☆

مجید احمد جائی، ملتان شریف

مزاج گرامی!

تمام اہل وطن کو جشن آزادی اور یوم دفاع مبارک ہو۔

اُمید کرتا ہوں کہ سب خیر خیریت سے خوشیاں بانٹتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں، نعمتوں سے ہمہ تن نوازتا رہے۔ صحت کی بادشاہی کے ساتھ ایمان کی سلامتی ہو اور ایسے کام کروانے کی توفیق عطا فرمائے جن کاموں سے وہ راضی ہوتا ہے اور انعام واکرام سے نوازتا ہے۔

ماہ اگست 2017 کا ریشم بہت جلد مل گیا اور تمام تاخیری ریکارڈ توڑتے ہوئے نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اُدھر اگست شروع ہوا اِدھر ریشم ہمارے دسترس میں پہنچا۔ یہ ادارتی ٹیم کی محنتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سرورق نے بہت متاثر

ہا۔ جشن آزادی مناتا اور اظہار یک جہتی فکر اقبال کے مقصد کو نبھاتے ہوئے پریموں کا جوڑا بھلے لگ رہے تھے نی ڈیل مسکراہٹ کے پھول نچھاور کر رہی ہے تو میل بھی کچھ کم نہیں ہے آنکھوں میں چاہت کے پھول لیے جذبہ محبت سے سرشار ہے اور خوبصورت لگ رہا ہے۔اللہ کرے تمام اہل اسلام، پاکستان میں ہر بسنے والا شہری امن و وطن کے ساتھ فکر اقبال کے مقصد کو پہنچانتے ہوئے اپنا کردار ادا کرے آمین! میں پاک آرمی کے سپوتوں کو سلام پیش کرتا ہوں کہ جن کی لازوال محنتوں سے ہم پُرسکون اور آزاد زندگی بسر کر رہے ہیں اور مقام اُفسوس ہے ان لوگوں کے لئے جو آزاد زندگی گزارتے ہوئے پاک آرمی کو نشانہ تنقید بناتے ہیں۔

اداریہ میں بشریٰ مسرور صاحبہ نے بجا فرمایا ہمیں اپنے شہیدوں کو نہیں بھولنا چاہیے۔ہم آزادی کا مطلب اپنے تناظر میں کچھ اور لے چکے ہیں۔ناچ گانے میں، نچانے میں آزاد، فحاشی، عیاشی، شراب خانے میں آزاد۔عزتوں سے کھلواڑ کرنے میں آزاد، کردارکشی میں آزاد، دل آزاری میں آزاد۔رشوت خوری، بے ایمانی ضمیر فروشی، جسم فروشی میں مکمل آزاد ہو چکے ہیں۔اپنے جرم دوسروں پر تھوپتے پھرتے ہیں اور خود کو فرشتہ سمجھ کر سرخرو ہو جاتے ہیں۔ہمیں اپنے اندر ایک بار پھر سے جھانکنا ہوگا اور سب سے پہلے خود کا احتساب کرنا ہوگا۔خود کے ساتھ انصاف کرنا سیکھ لیا تو سدھار آ جائے گا۔اس ملک میں، اس قوم میں، ہم سب میں۔

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ میرے پیارے ادبی دوستوں نے لکھ کر اپنے آپ کو، خدا اور محبوب کی محبت کا ثبوت دیا ہے۔دین اور دُنیا میں حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بارے پڑھ کر دل منور کیا۔آپ کامل ولی اللہ تھے۔ہمیں چاہیے ولی اللہ کی طرز زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔مجھ سے ملیے میں ہوں ''کبریٰ نوید'' ریما نور رضوان نے بہترین سوالات کیے اور جوابات بھی خوب دیئے گئے ہیں۔ایک سوال کے جواب پر میں متفق نہیں ہوں گویا کہ اُنہوں نے سچ کہا لیکن اپنی اس عادت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔(صبح 6 یا 7 بجے اُٹھتی ہوں) عورتیں جلدی اُٹھنے کی عادی ہوتی ہیں۔تہجد پڑھتی ہیں صوم وصلوۃ کے بعد دن کا آغاز کرتی ہیں۔اور آل انٹرویو اچھا رہا۔

نوک جھونک کی محفل نے مسکراہٹوں کے قہقہے بکھیر دیئے۔گڈ محمد طلحہ صاحب۔ریشمی دستک میں آپی بشریٰ صاحبہ سے ملاقات کرتے ریشمی احوالیوں سے ملنے لگے۔فاطمہ عبدالخالق، شاہد سلیم کچہ موڑ، ذیشان ریاض، نجمہ شاہین، ساحل ابڑو (بہت بہت مبارک، بلوچستان میں آپ اور اسلم آزاد کمال محنت سے ادبی سرگرمیاں کر رہے ہیں ویلڈن) اشفاق شاہین، پرنس افضل شاہین، (آپ کی ساس صاحبہ کی وفات کا سن کا دلی افسوس ہوا) اللہ تعالیٰ مرحومہ

لاہور میں ماہنامہ ''ریشم'' آپ تک پہنچانے میں ہمارے معاون اور مددگار

نیئر نیوز ایجنسی اینڈ بکسیلرز

N-155 ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور کینٹ

پروپرائٹر: امان اللہ نیئر شوکت: موبائل نمبر: 0336-4173392

کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر و جمیل عطا فرمائے آمین! محسن علی طاب (آج کل کہاں گم ہو کم کم رابطے میں آتے ہو) ممتاز احمد سرگودھا (اتنی بھی مصروفیات کیا جلدی سے کہانی لکھیں) ایس امتیاز احمد، کے ساتھ ساتھ باقی ریشمی دستک میں شریک ممبران خوبصورت تبصرہ فرما رہے تھے۔

افسانوں کی دُنیا میں غوطہ زن ہوئے تو مہنگی آزادی، تحفہ، لہو کا رنگ ایک ہے، سجدہ وطن، مجرم کون، اُمید ابھی باقی ہے، ثمر رواں، حصار محبت، ہم آہ بھی کرتے ہیں تو۔۔ ہوا کا جھونکا، بازگشت، میرا ایمان ہے تو، جہنم، بہترین کہانیاں تھیں۔ اے وطن تیرے لیے مدیحہ نے عظیم قربانی دی کیونکہ سب سے پہلے پاکستان پھر بیٹی، بیٹا، شوہر، رشتے دار۔ پاکستان ہے تو ہم ہیں۔ مدیحہ نے اچھا فیصلہ کیا اور خود کو وطن پر قربان کیا۔ تھوڑی ہوشیاری اور دکھاتی تو فوج یا پولیس کو اطلاع کر دیتیں تاکہ دُشمن ثبوتوں کے ساتھ گرفتار ہو جاتا اور اپنی جان بھی بچ سکتی تھی۔ اچھی سٹوری تھی۔ ادبی انتخاب میں ''اپنے دُکھ مجھے دے دو'' راجندر سنگھ بیدی، خوب افسانہ لکھا گیا ہے، ہمارے لیے ادبی انتخاب مشعل راہ ہے۔ یہ سلسلہ بند نہیں ہونا چاہیے اور اگر ہمیں اجازت ہو تو ہم بھی افسانے انتخاب کے طور پر بھیج سکتے ہیں۔ پرانے ادیبوں کے افسانے جو ہمارے دِل کے نہاں خانوں کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔

''خونی رشتے'' شائع کرنے کا شکریہ، اور ڈاکٹر طارق محمود آکاش، آپ کو کہانی پسند آئی، بہت شکریہ، راہنمائی بھی کیا کریں۔ ممتاز احمد صاحب تنقیدی اور تعریفی رہنمائی پر ممنون ہوں۔ اس کے علاوہ جن لوگوں نے ایس ایم ایس کر کے کہانی کو پسندیدگی کی سند سے نوازا ان کا بہت شکر گزار ہوں۔ اُمید ہے یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ مستقل سلسلے زبردست جا رہے ہیں۔ اجازت لینے سے پہلے اپنے پیاروں کا حال ضرور پوچھوں گا، سب سے پہلے فریدہ جاوید فری، کیسے ہیں، اُمید ہے صحت و تندرستی کے ساتھ خوش ہوں گی، ریاض ندیم نیازی، محسن علی طاب، غضنفر علی شاہد صاحب، شاہد سلیم شاہد، اللہ دتہ مخلص، راشد لطیف، ثنا ناز، ایم ارشد وفا، کرن، عنبرین اختر، روبینہ رضا، اور بہت سے ساتھی جو غیر حاضر ہیں، ان کو مس کر رہا ہوں، جلدی سے اپنی حاضری لگوائیں اور خیریت سے آگاہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی اجازت، ملتے ہیں ایک ماہ بعد بشرط زندگی۔

(☆ مجید احمد جائی! آپ بھی ادبی انتخاب کے لیے منتخب شدہ کہانی بھیج سکتے ہیں)

☆☆☆

محسن علی طاب، ساہیوال

پیاری آپی بشریٰ مسرور صاحبہ!

السلام علیکم:

اللہ پاک آپ کو صحت و ایمان والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ نظر بد سے بچائے۔ (آمین)

ریشم جولائی ساون نمبر ملا۔ تبصرہ حاضر ہے۔ ٹائٹل عید نمبر سے مماثلت رکھتا تھا۔ آپ کا اداریہ خوب تھا۔ ایک شعر یاد آیا۔

بارش میں وہ آج نا جانے کیوں تنہا بھیگتا رہا
جس کو بارشوں سے عداوت تھی

دین اور دنیا خوب صورت انداز میں بیان کیا گیا۔ نوک جھونک کے صفحہ پر ہمیں تو ایک ہی چیز اچھی لگی وہ تھی طلحہ مسرور کی نئی فوٹو (نظر نہ لگے میرے سوہنے ویرنوں.....)

ریشمی دستک پر پہنچے آپ کا شکوہ برحق ہے میں تو وقت ملتے ہی خط لکھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ مجھے جن بہن و بھائیوں کے خطوط اچھے لگے ان میں ڈاکٹر طارق محمود، ریما نور بہنا، شاہ روم خان شامل تھے۔ غزالہ جلیل راؤ اور نازش بہنا کی والدہ محترمہ کے انتقال کا پڑھ کر دلی دکھ ہوا۔ اللہ پاک ان کی والدہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

ریما نور بہنا کے ساتھ جو واقعہ ہوا۔ ڈاکو کسی کے سگے نہیں۔ جان بچنے پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ کراچی شہر تو ڈاکوؤں کی ''کمین گاہ'' بن چکا ہے۔ اللہ پاک ریما بہنا کو اور ان کے گھر والوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین) آیندہ کے لیے محتاط رہیے۔

مجھے جن کی کہانیاں پسند آئی ان کے نام۔ لب پہ ایک حروف دعا نزہت جبیں ضیاء، وہ ٹھنڈی ہوا فہمیدہ غوری، مہلتی عید تیرے سنگ ریما نور رضوان، عید اور تم نگہت غفار، تیری دید میری عید انعمتہ گل، ہلچل ثمینہ طاہر، گیان بشریٰ زمن اور باقی کہانیاں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔

دلچسپ عجیب وغریب معلومات بہت اچھی لگی۔ پرنس افضل شاہین کا انٹرویو..... کوئی راز کھلا نہیں اتنا تو میں پہلے ہی جانتا تھا۔ اگر کچھ سوالات بھابی سے بھی ہوتے تو بات تھی۔ خود کلامی میں مجھے جن کے اشعار پسند آئے ان کے نام۔ محمد حسن نظامی، سونیا، مریم شاہد، ساجدہ نور اور نگہت غفار۔

عید سروے میں سب سے بہتر تحریر آپی جان نزہت جبین ضیاء کی تھی۔ ویل ڈن..... اک سوال ہے ایسے لگ رہا ہے جیسے یہ جسٹ خواتین سروے ہے؟ مرد حضرات لکھاریوں کو بھی شامل کیا جائے۔ جب کہ یہ ڈائجسٹ خاندان بھر کے لیے ہے۔

باقی شمارہ بھی پسند آیا۔ آپی بشریٰ مسرور، آپی نزہت جبین ضیاء آپ دونوں ہی میری بہنوں کی طرح ہیں۔ اللہ پاک آپ دونوں کو صحت و ایمان والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ رب کریم اپنے حفظ و ایمان میں رکھے۔ (آمین) آپ سے ہی بہاریں ہیں..... سدا خوش رہیے۔ اجازت خدا حافظ۔

(☆ آپ نے بجا فرمایا محسن علی طاب سروے میں مرد حضرات کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ ریما نور رضوان اس طرف توجہ دیں)

☆☆☆

ایم حسن نظامی، قبولہ شریف

قابل قدر بشریٰ جی:

خلوص بیکراں!

سلام عقیدت! امید ہے آپ اور سبھی ریشمی پروانے خیریت سے ہوں گے۔ ''ساون نمبر'' گرجتے بادلوں، چمکتی لڑکتی بجلی اور بارش کی رم جھم میں جلوہ گر ہوا اور ساون کا بے پناہ تاثر نمایاں ہوا۔ ضروری اشتہار پھلانگے اور آپ کے اداریے پر جا پہنچے آپ نے ساون رت کو انمول اور دلی جذبات سے ظاہر کیا۔ آپ کی انداز تحریر بے حد متاثر کن لگی۔

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ سے مستفید ہونے کے بعد دین و دنیا میں رحمت دو عالم نبی اکرم ﷺ کی شان مبارکہ پہ ایمان افروز مضمون پڑھنے کو ملا اور سبھی جذبے معطر ہو گئے۔

خوبرو ماڈل کرن عباسی سے ریما نور رضوان ملا رہی تھیں ان کے بارے میں جانکاری ہوئی۔ نوک جھونک میں طلحہ مسرور صاحب کی شگفتگی اور حاضر دماغی پر داد دیئے بنا نہ رہ سکے۔ پرنس افضل شاہین کرسی صدارت پر براجمان پائے جی ویلکم..... ان کے انٹرویو میں بھی بے پناہ شگفتگی اور سادگی پائی۔ ایسے ہنستے چہرے اور ہنرمند انسان کی معاشرے میں بہت ضرورت ہے جو اندر کے بے پناہ دکھ چھپا کر معاشرے میں مسکراہٹیں بکھیرے۔

ڈاکٹر طارق محمود آکاش سبھی احباب کے لیے ڈھیروں دعائیں فرما رہے تھے تو بلال فیاض اپنا تعارف کروا رہے تھے۔ عمران مظہر اپنی تحریروں کی یاد دلا رہے تھے۔ سبھی احباب ایڈیٹر کی یاد میں رہتے ہیں۔ اک ہم ہی انہیں یاد نہیں رہتے اور ہماری تحریریں بھی شاید.....

شاہد رفیق سہو مختصر سے خط سے حاضری لگوا رہے تھے۔ شاہ روم خان وٹی اور ریما نور رضوان خوبصورت، معیاری اور منفرد تبصرے کے ساتھ حاضر پائے۔

ویسے بائی داوے..... ریما نور رضوان آج کل ریشم کے لیے بہت کام کر رہی ہیں۔ ویلڈن جی..... عید کے حوالے سے عید اور تم، چاند عید کا، عید اسلام اور تم، مہکتی عید، تیری دید میری عید پیا، سسرال میں عید، تیرے سنگ، اچھی، معیاری اور اصلاحی تحریریں پائیں۔

ساون کے حوالے سے بدلتا ساون، ساون رت، وہ ٹھنڈی ہوا بہترین اور بہار سے مزین تحریریں تھیں۔ اس قدر عمدہ اور معیاری انداز تحریر اپنانے پر مبارکباد قبول فرمائیں۔

بشریٰ رحمٰن کے ساتھ ساتھ طیبہ عنصر مغل کی تحریر بھی داد کی مستحق ٹھہری۔ ہلچل میں ثمینہ ظاہر بٹ نے بھی اپنے جذبات کا اظہار خوبصورت انداز تحریر سے کیا۔ عابدہ سین کی تیسری قسط لاجواب پائی۔ انہوں نے نجی رویوں کو عمدگی اور باریک بینی سے پیش کیا۔ انجم انصار صاحبہ اچھی اور معیاری تحریریں لا رہی ہیں اور ریشم کے لیے بہت محنت کر رہی ہیں۔ رنگ خیال شاہ روم خان کی زیر نگرانی نکھرا نکھرا پایا اور شاعری کے ردیف قافیے فٹ پائے۔ ہما نواب ریشم کا باورچی خانہ لذیذ کھانوں سے سجائے ہوئے تھیں۔ روحانی معالج، قرآن و سنت کے مطابق علاج معیاری سلسلہ ہے۔ خود کلامی اور آپ کے اوراق ساتھیوں کی منفرد اور خوبصورت تحریروں سے مزین پایا۔ باتیں صحت کی، اسپرین پر ریما نور رضوان کی ریسرچ اچھی لگی۔ کشائش مسرور بھی بیوٹی ٹپس میں آنکھوں کے بارے میں قلم کی روشنی سے مفید باتیں بتا رہی تھیں۔ کھجور کے خواص، رنگ سخن اور عید سروے رپورٹ دلچسپی سے بھرپور پائے۔ سبھی سلسلے پرچے کو چار چاند لگا گئے۔ اس قدر معیاری مواد فراہم کرنے پر ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے۔

ساتھیو!

ریشمی سندیسے اور اپنی محفل ریشمی دستک کو ویران نہ کرو! اس سے سبھی احباب کی خیر خیریت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ریشم پرچے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے ہمیں مل بیٹھنے کا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ سو اپنی آمد کو یقینی بنائیں اور سبھی سے اپنے دکھ سکھ ہر ماہ شیئر کریں۔ میں غیر حاضر احباب کے نام لکھوں تو آپ شاید برا مان جائیں۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔

(☆ جی بالکل میں آپ کی بات سے متفق ہوں یہ محفل آپ کی اپنی ہے۔ سب سے گزارش ہے کہ اس میں حاضری کے لیے وقت ضرور نکالا کریں)

☆☆☆

فریدہ جاوید فری، لاہور

سویٹ بشریٰ جی!

السلام علیکم:

آج یعنی 31 تاریخ کو ریشم جلدی مل گیا جو کہ آزادی نمبر تھا۔ مگر اس مرتبہ میرا تبصرہ نہیں تھا کمال ہے۔ اپنے پیارے بھائی پرنس افضل شاہین کا انٹرویو بے حد لاجواب لگا اور ہنسی بھی آئی اللہ تعالیٰ ان کو اولاد سے نوازے۔ (آمین)

ممتاز بھائی نے میرے افسانے کی تعریف کی شکریہ بھائی اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور جن بھائیوں اور بہنوں نے میرے لیے دعا کی ان کا بے حد شکریہ۔ ایم حسن نظامی آپ کو بیٹی کی رخصتی مبارک ہو۔ پرنس بھائی آپ کی ساس کے انتقال کا سن کر بے حد افسوس ہوا۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پروین بھابی اور اہل خانہ کو صبر عطا کرے۔ (آمین) غزالہ جلیل راؤ کی امی کی وفات کا بے حد دکھ ہے۔ ان کی امی کو بھی اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے اور غزالہ اور اہل خانہ کو صبر دے۔ (آمین) میں تو ان سے ملی ہوں بے حد محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ ذیشان صاحب نے سب ریشمی ستاروں کی تعریف کی کہ یہ ریشم کے جگمگاتے ستارے ہیں شکریہ بھائی۔ ہمیں اس قابل سمجھا واقعی ہم ریشم سے بہت پیار کرتے ہیں سنا ہے بشریٰ صاحبہ کی طبیعت ناساز ہے میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو صحت یابی عطا کرے۔ (آمین)

فاطمہ عبدالخالق کی دستک سب سے پہلی تھی فاطمہ جی مبارک ہو۔ کبریٰ نوید کا انٹرویو لاجواب لگا۔ جن کے افسانے اچھے لگے۔ عذرا فردوس، تحفہ شاہ رخ نذیر، لہو کا رنگ ایک ہے واہ کیا اچھا افسانہ لکھا ساحل جی.....

جہنم ایس امتیاز احمد کی لاجواب تحریر لگی۔ محمد سلیم صاحب کا نام ہی کافی ہے۔ مجید بھائی کیا بہن کو بھول گئے۔ خونی رشتے اچھا لکھا۔ دوستی بھی لاجواب تھا۔ حمیرا وحید جی دعا اور سلام۔ انہی انسانے پڑھنا باقی ہیں۔ لاہور میں کڑاکے دار گرمی پڑ رہی ہے۔

طبیعت گرمی میں زیادہ خراب ہو جاتی ہے میں ہر سال کوہ مری جاتی ہوں مگر اس مرتبہ نہ جا سکوں گی میرا چھوٹا بھائی بے حد بیمار ہے۔ اسے گلے کا کینسر ہو گیا ہے۔ تمام ریشمی بھائی بہن ان کی صحت کے لیے دعا کریں۔ شکریہ۔ رنگ میں بھنگ انجم باجی نے بہت ہنسایا۔ اچھا جی اب سب بہن بھائیوں کو سلام و دعا۔ خاص کر نگہت جی کو دعا و سلام.....

(☆ دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کے بھائی کو صحت و تندرستی سے نوازے۔ آمین)

☆☆☆

پرنس افضل شاہین، بہاولنگر

پیاری باجی بشریٰ مسرور صاحبہ!

السلام علیکم:

اس بار ساون نمبر، عید نمبر دو خوبصورت سرورق سے سجا ریشم میرے ہاتھوں میں ہے۔ سرورق دیکھ کر یوں لگا جیسے ماڈل ہمیں کہہ رہی ہے۔

اگر تم آجاؤ اس عید پر ملنے ہم سے
تو ہم تحفے میں اپنی خوشیاں تمہارے نام کر دیں

مصروفیات کے باعث مستقل سلسلوں کے ساتھ اپنا انٹرویو اور آپی فریدہ جاوید فری کی کہانی چاند عید کا پڑھ سکا ہوں۔ چاند عید کا واقعی خوبصورت کہانی ہے۔ میری اکلوتی بیگم پروین افضل شاہین کی پڑھنے کی سپیڈ بہت کم ہے۔ اس لیے انہوں نے مجھے کہا کہ آپ میری نند فریدہ جاوید فری کی لکھی کہانی سنائیں۔ میں ساتھ ساتھ ہی کھانا پکانے کے لیے مصالحہ بھونتی ہوں، میں نے کہانی سنانا شروع کی ابھی ایک صفحہ ہی سنایا تھا کہ میں نے کہا بیگم پہلے کھانا بنا لو یہ کہانی پھر سن لینا لیکن انہوں نے کہا کہ کہانی بہت دلچسپ ہے ایک ہی نشست میں سنا دو۔

میں نے پھر کہانی شروع کی تو تھوڑی دیر بعد ہانڈی جلنے کی بو آنے لگی۔ میں نے کہا بیگم ہانڈی سنبھالو جلنے کی بو آ رہی ہے۔ انہوں نے کہا تم کہانی جاری رکھو۔ آج کا کھانا بازار سے منگوالیں گے۔ اس سے آپ اندازہ لگالیں کہ کہانی کتنی شاندار تھی۔ پھر میں نے کہانی مکمل کی واقعی چند سالوں کی جدائی کے بعد ندا کو عمران مل گیا اور اس کی عید سپر ہٹ ہوگئی۔

ویلڈن آپی فریدہ جاوید فری ویلڈن..... ہماری دونوں کی جانب سے بہترین کہانی پر مبارکباد قبول فرمائیں۔

میں نے اپنا انٹرویو پڑھا آپ کو اور روبینہ رضا کو مبارکباد دوں گا کہ میرا انٹرویو من وعن مکمل شائع کیا گیا۔ میرا انٹرویو پڑھ کر ریشم کے ساتھیوں نے مجھے فون کرنا شروع کر دیئے۔ جن میں میری آپی فریدہ جاوید فری، مقصود احمد بلوچ، ڈاکٹر طارق محمود آکاش اور باقی ساتھیوں کے نام ذہن میں نہیں آ رہے سب نے مجھے اتنے اچھے انٹرویو کی مبارک باد دی اور کہا کہ ریشم میں اب تک جتنے بھی انٹرویو شائع ہوئے ہیں آپ کا انٹرویو سب سے دلچسپ اور شاندار تھا۔ اس پر میں اپنے تمام ریشمی ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میری ماں جیسی ہستی میری ساس کی وفات پر جن ریشمی بہن بھائیوں نے مجھ سے اظہار تعزیت کیا ان کا بہت بہت شکریہ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ میری ساس کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین) (☆آمین)

☆☆☆

عابدہ سین، ملتان

پیاری بشریٰ آپا!

اسلام علیکم امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ اگست کا آزادی نمبر زبردست سرورق کے ساتھ نگاہوں کے سامنے ہے۔ کچھ دیر آنکھیں سیراب کر کے اداریہ میں آپ کی آئینہ دکھاتی حقیقت پڑھی ہم عادی ہوگئے ہیں ہر بات کا بلیم حکومت پر ڈال کر ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ خود کو بدلنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔

حمد ونعت سے مستفید ہوتے اور اپنی دین ودنیا سنوارتے آگے آئے تو کبریٰ بصد نظر آئیں کہ مجھ سے ملئے ان کا دل توڑنا مناسب نہ لگا۔ ہاں مگر ان سے مل کر بہت اچھا لگا۔ سونائس آف کبریٰ نوید... کبریٰ سے مل کر ہم سیدھے افسانوں کی طرف دوڑے اور پہلا افسانہ ریما کا اے وطن تیرے لیے پڑھا۔ اعلیٰ تحریر بات جب وطن سے محبت کی ہو تو ایک نرم ونازک دل رکھنے والی عورت بھی اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ہے۔ فاطمہ کا افسانہ تیرے در پر معتبر ٹھہرے ہمارے معاشرے کی بدصورتی کی منہ بولتی تصویر۔ رشتے ناطے شیطان اور نفس کے بہکاوے میں آ کر ایک انسان کیسے ان کا تقدس پامال کرتا ہے فاطمہ نے عمدگی سے بیان کیا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو! ماریہ یاسر نے ہر اس لڑکی کے درد کو زبان دی جو بیاہ کر بہت سے خواب اور ارمان لے کر سسرال جاتی ہے مگر سسرالی دوغلے نظام کے باعث شدید ذہنی پریشانیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ حنا اصغر کا حصار محبت بھی اچھی کاوش رہی۔ عذرا فردوس کی مہنگی آزادی بہت سی ان لڑکیوں کے لیے سبق ہے جو بیاہ کر ملک سے باہر جانے کی خواہش مند ہیں۔ آپا ابھی اتنا ہی پڑھ پائی ہوں۔ باقی سب سے معذرت.. آخر میں ان سب بہن بھائیوں سے درخواست ہے جو ریشم کے پرانے ساتھی ہیں کہ جو لوگ نئے آرہے ہیں ان کی تحریروں پر اپنی قیمتی رائے ضرور دیا کریں بے شک تنقیدی ہو مگر آپ کی رائے ہماری اصلاح کرے گی۔ فریدہ جاوید فری، مقصود احمد بلوچ، حسن نظامی، پرنس افضل شاہین، محسن علی طاب اور ایس امتیاز آپ سب ریشمی دستک میں ریگولر ہوتے ہیں۔ آپ سب سے گذارش ہے کہ ریشم میں شامل اپنے نئے ساتھیوں کو ان کی کاوشوں پر اپنی آراء کا اظہار ضرور کریں۔ ضرور پڑھیں..... آپ سب کے لئے بہت ساری دعائیں اور سلام۔

(☆ پیاری عابدہ سبین! خط لکھنے کا بے حد شکریہ آئندہ بھی آتی رہنا)

☆☆☆

ریما نور رضوان، کراچی

اسلام علیکم!

بشریٰ آپی، تمام امت مسلمہ اور ریشم سے جڑے ہر فرد واحد کو عید الاضحیٰ کی ڈھیر ساری مبارکباد..... ڈھیر ساری دعاؤں کے ہمراہ دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ ریشم ڈائجسٹ کی مدیر اعلیٰ، اسٹاف، رائیٹرز، ریڈرز سبھی کی صحت و سلامتی کی ذہنی و قلبی سکون و راحت کے لیے دعا گو ہوں۔ نہایت ادب و محبت کے ساتھ ریشم کی اس بزم میں حاضر ہو رہی ہوں۔

ریشم ڈائجسٹ جولائی کے شمارے کا سرورق نہایت جاذب نظر و خوبصورت تھا۔ چند لمحے دلہن کو ہی تکتی رہی پھر جلدی سے اداریہ پڑھا واقعی عید ان لوگوں کی یاد دلاتی ہے جو ہم سے دور ہوتے ہیں سو فیصد درست کہا۔ عید کے حوالے سے تمام تحاریر خوبصورت تھیں۔ جولائی عید نمبر ٹو اسپیشل میں میری من پسند تحریر جس نے مجھے زار و قطار رولا دیا۔ 'لب پہ اک حرف دعا' از قلم نزہت جبین ضیاء۔ آپا جی بلاشبہ یہ تحریر حقیقت سے بے انتہا قریب تھی۔ کہانی نے ہمارے معاشرے کی خوب عکاسی کی۔ ویری ویلڈن۔ 'بدلتا ساون' از قلم عذرا فردوس واہ بہت خوب بہترین تحریر تھی۔ 'ہنسی نگوڑی' از قلم تسنیم کوثر نے واقعی کیا دل سوز سبق پوشیدہ افسانہ قلمبند کیا۔ سچی ہمارے چہرے پر بکھرے تبسم سے بعض اوقات لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ 'جب پیار کی رت بدل جائے' از قلم عابدہ سبین سلسلے وار ناول معاشرتی ناہمواریوں کی ترجمان اک پر اثر تحریر کی تیسری قسط کافی جاندار رہی۔

اب آتی ہوں ماہ اگست کے شمارے آزادی نمبر اسپیشل

میری اور ادارہ ریشم کی جانب سے ہمارے لکھنے پڑھنے والوں کو جشن آزادی کی ڈھیر ساری مبارکباد۔

سرورق پر چاند ستارے منہ پر بنائے سلیبر ٹیز بیک گراونڈ پر لہراتے سبز ہلالی پرچم سلیبر ٹیز کے ہاتھوں میں موجود پرچم آنکھوں کو بہت بھائے۔ رب العالمین پاکستان کو نظر بد سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

بشریٰ آپی اداریہ ہر بار کی طرح اس بار بھی احتسابی عمل سے گزارنے میں کامیاب رہا۔ واقعی اگر ہم یونہی کرتے رہیں گے تو نظام کو کون ٹھیک کرے گا۔

اس ماہ کی ٹاپ تحریر بازگشت قلمکار محمد سلیم اختر.....واہ واہ واہ ماشاء اللہ زبردست بہت خوبصورت تحریر قلمبند کی۔آزادی سے قبل کی داستاں دوستی اور ان کے ساتھ رونما ہونے والے واقعات وحید اور آنند کی دوستی مثالی رہی۔

'میرا ایمان ہے تو' از قلم فرح بھٹو۔آپ یہ احساس دلانے میں کامیاب رہی کہ واقعی بلاشبہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ تقدیر والے لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

'تحفہ' از قلم شاہ رخ نذیر ماضی اور حال کے گرد گھومتی پراسرار اور پراثر سی تحریر نے حصار سا باندھ دیا۔بابر کی جرأت مندی اور آزاد ملک میں منتقل ہونے کی وجہ سے پورے گھرانے کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔یہ کہانی تخیل نہیں حقیقی ہے تقسیم ہندوستان اور پاکستان یونہی نہیں ہوگئی۔اس بار کے ریشم ڈائجسٹ میں ہر کہانی ہی وطن عزیز سے جڑی تھی۔'تیرے در پر معتبر ٹھہرے' از قلم۔فاطمہ عبدالخالق

میرو اور میرب نے کچھ الجھایا۔معاشرے میں پھیلی برائیوں کا متناسب لفظوں میں سمو دیا۔

'جب پیار کی رت بدل جائے' از قلم عابدہ سین چوتھی قسط میں تو سبھی کی زندگی بدلی بدلی لگی۔

'مجرم کون' از قلم عدیلہ تعلیم ہونے کے باوجود نوکری کے لیے سرگرداں نوجوانوں کی داستان واقعی کوئی بھی ماں اپنے بچوں کو چور یا حرم کھانے والا جنم نہیں دیتی۔مختصر مگر سچائی بھری تحریر بہت اچھی لگی۔

'امید ابھی باقی ہے' از قلم صباحت رفیق، واہ واہ واہ.....کیا خوب تحریر تھی۔سب سے زیادہ ہنسی آئی۔

دھن تانا نانا

دھن تانا نانا

دھن تانا نانا

اچھا جی اس ماہ بس اتنا ہی پڑھ سکی۔اپنا بہت خیال رکھئے گا۔ان شاء اللہ پاک۔مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

میری کہانی پر اپنی رائے ضرور دیا کریں۔کہیں پڑھا تھا۔خوش ہونا ہے تو تعریف سنا کریں۔بہتر ہونا ہے تو تنقید سنا کریں۔میں اپنا طرز تحریر بہترین کرنا چاہتی ہوں۔جس کے لیے آپ کی رائے کی منتظر رہتی ہوں۔قارئین کی رائے لکھاری کی تحریر کو نکھار اور سنوار دیتی ہے۔ہر رائٹرز کی طرح مجھے بھی فیڈ بیک کا انتظار رہتا ہے۔ریشم ڈائجسٹ سے جڑے رہیے۔اگر آپ فیس بک پر ہیں تو ہمارا آفیشل گروپ ضرور جوائن کریں۔Reysham monthly group.officialdigest

☆☆☆☆

عنبرین اختر، لاہور

پیاری آپی بشریٰ مسرور صاحبہ

آداب!امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گی۔اگست کا آزادی نمبر لڑکے اور لڑکی کے ہاتھ میں پرچم لیے ملا۔سرورق خوب ہے۔معمول کے مطابق حمد نعتؐ سے اپنے ایمان کو تازہ کرتے ہوئے آپی جی کا اداریہ پڑھا۔جو وطن کے رکھوالوں کے نام تھا۔اداریہ بہت عمدہ پایا۔آگے جانے لگی تو کبریٰ نوید نے روک لیا کہ مجھ سے ملے بنا آپ آگے نہیں جاسکتیں سو کبریٰ نوید کا انٹرویو پڑھ کر اچھا لگا۔نوک جھونک پڑھ کر لبوں پر مسکان آئی۔

ریشمی دستک میں سب کے خطوط اچھے تھے۔جو لکھاری مجھے خطوط میں یاد رکھتے ہیں ان سب کا بہت شکریہ۔

پرنس افضل صاحب کی ساس کا سن کر بہت افسوس ہوا۔اللہ آپ کی ساس کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور آپ

سب کو اللہ صبر جمیل سے نوازے آمین۔اس بار افسانوں میں سبھی افسانے اچھے لگے۔ان میں مہنگی آزادی، تحفہ، لہو کا رنگ ایک ہے، سجدہ وطن، بازگشت، جہنم، دوستی، میرا ایمان ہے تو، خونی رشتے، تیرے در پر معتبر ٹھہرے، ثمر رواں اور امید ابھی باقی ہے معیاری افسانے تھے۔اے وطن تیرے لیے ریما نے اچھا لکھا۔واقعی انسان اپنے حالات سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔

زریں قمر آپی کا ہوا کا جھونکا پڑھ کر ٹھنڈک کا احساس ملا۔ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ماریہ یاسر نے ایک اہم مسئلے کی طرف قدم اٹھایا ہے۔بہت اچھا لکھا آپ نے۔مجرم کون ایک حساس افسانہ تھا۔بلاشبہ کوئی ماں اپنے بیٹے کو مجرم پیدا نہیں کرتی۔حالات انسان کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔سلسلے وار ناول بھی اچھا جا رہا ہے۔

مستقل سلسلوں میں ریشم کا باورچی خانہ، رنگ خیال، خود کلامی، آپ کے اوراق اور کشائش کی بیوٹی ٹپس مفید رہیں۔آزادی سروے اچھا اور معیاری تھا۔نگہت آپی کی نظم بہت اچھی لگی۔اب اجازت چاہوں گی۔اللہ ہمارے وطن کو خوشحالی سے ہمکنار کرے آمین۔

☆☆☆☆

زرش آرائیں، لاہور

اسلام علیکم:

بشریٰ آپی کو سب سے پہلے تو دل کی گہرائی سے ریشم کی سالگرہ مبارک ہو۔

ریشم کا ٹائٹل اس بار مجھے پسند آیا تھا۔اداریہ میں آپ نے ٹھیک کہا ہم سب معاشرے کے بگاڑ کے برابر کے ذمہ دار ہیں۔

رنگ سخن سلسلہ مجھے بے حد پسند آیا ہے کیونکہ مجھے شاعری بے حد پسند ہے اور اس سلسلے سے نئے نئے شعراء سے ملاقات ہوتی ہے۔عابدہ سین کا ناول 'جب پیار کی رت بدل جائے' بہت اچھا جا رہا ہے۔مجھے شانی کی شدید فکر ہے اب فہیم نے نجانے لفافے سے کیا نکال کر اسے دکھایا ہے اب اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

سلیم اختر کی بازگشت بہت اچھی تحریر تھی آنند جو کہ اب فضل تھا مر کر ہمارے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا۔فاطمہ عبدالخالق ریشم میں نیا اور اچھا اضافہ ہیں ان کی تحریر تیرے در پر معتبر ٹھہرے ہمارے معاشرے کے ناپاک سوچ رکھنے والے لوگوں کی کہانی تھی۔بہت اچھے انداز سے قلم کا حق ادا کیا گیا ہے۔

ماریہ یاسر کی 'ہم آہ بھی کرتے ہیں' پڑھ کر مجھے ایسے لگا جیسے ہماری ہمسائی کی کہانی لکھ دی۔ثمامہ کے روپ میں مجھے اپنی ہمسائی نظر آئی تھی۔راجندر سنگھ بیدی کا جو کہ ریشم کا ادبی انتخاب تھا بہت اچھی اور سبق آموز تحریر تھی پڑھ کر لطف آ گیا۔باقی سبھی تحریریں بھی اچھی تھیں ہمارا ریشم ماشاء اللہ دن بدن ترقی کرتا جا رہا ہے۔

مجھے پرنس افضل شاہین سے پوچھنا تھا کہ وہ ہر ڈائجسٹ میں باقاعدگی سے خط لکھتے ہیں وہ اتنے سارے ڈائجسٹ کیسے پڑھ کر فٹ سے خط بھی لکھ دیتے ہیں اس کے لئے مجھے بھی کوئی مشورہ دیں میں ہر رسالے میں ان کے خط شوق سے پڑھتی ہوں کیونکہ ان کا انداز بڑا دلچسپ ہوتا ہے

بشریٰ آپی اور سبھی ریشم پڑھنے اور لکھنے والوں کے لئے دعائیں۔اللہ حافظ

(☆ پہلی دستک دینے پر خوش آمدید)

☆☆☆

جاتے جاتے آپ سب کے لیے بہت سارا پیار اور دعائیں۔

☆☆☆

ریحانہ آفتاب، کراچی

ڈیئر آپی بشریٰ مسرور صاحبہ!

اسلام علیکم!

دعا گو ہوں اللہ رب العزت آپ کو صحت کاملہ عطا کرے۔ (آمین)

بے حد افسوس ہوا آپ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر۔ اپنا بے حد اپنا خیال رکھیں۔

منتظر ہوں کہ جو ناول اور ون لائنز بھیجی ہیں ان کا کب جواب موصول ہوتا ہے۔ بہت مختصر وقت میں ایک اور ناول بھیج رہی ہوں۔ آپ کی محبت ہے کہ مختصر وقت میں آپ نے قبول کرنے کی سند دی۔ امید ہے کہ آپ جلد شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گی۔

پچھلی تحریروں کو بھی جلدی جگہ دیں تا کہ مزید ریشم ڈائجسٹ کے لیے لکھ سکوں۔

آپ کو عید الاضحیٰ کی بہت بہت مبارک ہو اور ہمارے پیارے ریشم ڈائجسٹ کی سالگرہ بھی بہت مبارک ہو۔ دعا ہے کہ ریشم ڈائجسٹ اسی طرح ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔ آپ سب کو ریحانہ آفتاب کی طرف سے بہت بہت سلام۔ اللہ حافظ۔

☆☆☆

بشرط زندگی آئندہ انہی صفحات پر دوبارہ ملاقات ہوگی۔ اپنا بہت سا خیال رکھیے گا۔

فی امان اللہ

بے شمار چاہتوں کے ساتھ آپ سب کی

بشریٰ مسرور

خطوط اور اپنی تحریریں ہمیں اس پتے پر ارسال کریں

Suite#1, 4th Floor,

12-Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore

Facebook ID: Bushrarafiq

E mail: Bushraraysham@gmail.com.

اردو کمپوزنگ میں اپنی کہانیاں اور دیگر تحاریر ہمیں اسی E mail پر بھیجی جائیں۔

عید تم سے ہے

عذرا فردوس

خدا کی طرف سے ماں ایک انمول تحفہ ہے
کیونکہ ماؤں کے دل بھی نا جانے کیسے ہوتے ہیں
اولاد کے غموں میں اداس اور ان کی خوشی میں خوش ہو جاتے ہیں۔

ایک ایسی لڑکی کی کہانی جس نے ہر رشتے کو قربان کر کے سب کا دل جیت لیا

سالار نے علیزے کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں جن سے نگاہیں ہٹانے کو دل نہیں چاہتا۔ علیزے کو خدا نے فرصت میں تخلیق کیا تھا۔ سالار کے دل کی دھڑکنوں نے اسے بے قابو کر دیا تھا۔

بڑی مشکلوں سے سالار نے علیزے کی طرف سے توجہ ہٹائی تھی کہ نوید نے اس کی نگاہوں کو پڑھ لیا تو اس کے متعلق کیا سوچے گا۔ سالار پہلی بار نوید کے گھر آیا تھا۔ نوید سے اس کی کچھ عرصہ پہلے دوستی ہوئی تھی۔ پھر وہ دوستی کاروباری شراکت میں بدل گئی تھی۔

نوید اس کا ہم عمر تھا۔ آج نوید اصرار کر کے سالار کو اپنا گھر دکھانے اور گھر والوں سے ملانے کے لیے لایا تھا۔

نوید کا ایک بڑا بھائی جواد تھا جو امریکہ میں سیٹل تھا۔

بیرون ملک رہنے کی وجہ سے اس کا اپنے گھر والوں سے رابطہ بہت کم ہو گیا تھا۔ نوید کے والد فوت ہو چکے تھے۔ بھائی کے باہر سیٹل ہو جانے اور باپ کی وفات کے بعد نوید اپنے گھر میں بہت اہمیت کا حامل تھا۔ نوید شادی شدہ تھا۔ بیوی صدف سے زیادہ اس کی امی اور بہن علیزے اس کا بہت خیال رکھتی تھیں اور اس کے کام بہت شوق سے کرتی تھیں۔

سالار کو نوید کے گھر میں آئے کچھ دیر ہوئی تھی کہ نوید کی امی ڈرائنگ روم میں اس سے ملنے آ گئیں۔ ان کے پیچھے علیزے چائے اور لوازمات کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی تو سالار اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟'' سالار نے علیزے کے چہرے سے نظریں ہٹا کر کہا۔

''تکلف کی بھی تم نے خوب کہی۔ پہلی بار گھر آئے ہو اس روکھے پھیکے کباب اور رول سے تکلف کا کیا واسطہ؟'' نوید نے جواب دیا۔

نوید کی والدہ سالار سے اس کی فیملی کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ وہ بڑے اطمینان سے ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ نوید کے گھر آتے ہوئے سالار کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ اسے یہاں پری پیکر چہرہ دکھائی دے گا جس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے اب اسے یہاں بار بار آنا پڑے گا۔

سالار نوید کے گھر سے رخصت ہوا۔ دو دن بعد پھر وہ وہاں پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس کی جھجک ختم ہو گئی۔ وہ نوید کی موجودگی اور غیر موجودگی میں اس کے گھر آنے لگا۔ تھوڑے دنوں میں اس کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی طرح ہو گئی تھی۔

سالار کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے نوید کے گھر آنے کا مقصد کیا ہے۔

ایک دن سالار نے محسوس کیا کہ علیزے کی نگاہوں میں اس کے لیے پسندیدگی کی جھلک ہے۔

علیزے ایک بار نوید کی غیر موجودگی میں گیٹ لاک کرنے آئی تو اس نے سالار سے پوچھا۔

''آپ پھر کب آئیں گے؟''

''اب شاید میں پھر کبھی نہ آؤں۔''

''کیوں؟ کیا میں اتنی بری ہوں کہ کوئی مجھے دیکھے اور میرے گھر آنا پسند نہ کرے۔''

''بالکل غلط، میں تو آتا یہاں تمہاری من موہنی صورت دیکھنے کے لیے ہوں نہ آنے کی بات تو میں نے مذاق میں کہی تھی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔

نوید کے گھر سے باہر نکلتے ہوئے سالار کی عجیب کیفیت تھی پہلے اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کے جذبات سے علیزے واقف ہے بھی یا نہیں اب اس کی بات سن کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ علیزے اس کے بارے میں اس قدر سنجیدہ ہو گئی ہے۔ ایسی خوشی سالار کو کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے چیخ کر اپنی خوشی کا اظہار کرے مگر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اپنے دل کو دیوانگی سے باز رکھا۔

اگلے دن سالار کا دل بہت مچل رہا تھا کہ وہ علیزے سے ملنے جائے مگر وہ جا نہ سکا۔ ایک نئی پارٹی سے کاروباری معاملات طے کرنے میں رات کے دس بج گئے۔ البتہ اگلے روز وہ پھر علیزے سے محو گفتگو تھا۔ علیزے کی بھابی میکے گئی ہوئی تھیں اور امی کچن میں مصروف تھیں۔

''یہاں تو ہر وقت کباب میں کوئی نہ کوئی ہڈی موجود رہتی ہے۔ علیزے یہ بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں۔'' سالار نے موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

''سچ بتاؤ بہت اچھے، امی بھی آپ کو بہت پسند کرتی ہیں۔''

''علیزے! مجھے تمہاری طرف سے رضا مندی چاہیے تھی۔ تمہیں میرے متعلق تو پتہ ہی ہے۔ سالہ سال کی عمر میں میری شادی اپنے سے بارہ سال بڑی تایا زاد سے ہوگئی تھی۔ اسے میں نے کبھی قبول نہیں کیا وہ میری صرف نام کی بیوی ہے میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی اماں کو تمہارے گھر رشتے کے لیے بھیجوں گا۔ تم بتاؤ تمہاری امی اور بھائی راضی ہو جائیں گے؟'' علیزے سوچ میں پڑ گئی۔

ابھی اس کی عمر ہی کتنی تھی وہ محض سترہ سال کی تھی۔ اپنے کالج کی دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر اسے کسی لڑکے سے دوستی کا شوق چڑھا تھا۔ اس کی نظر سالار پر پڑی تھی۔ وہ دیکھنے سے شریف اور بردبار نظر آتا تھا۔ اس کی سہیلیوں کی جن لڑکوں سے دوستی تھی سالار ان لڑکوں سے علیزے کو یکسر مختلف نظر آتا تھا۔ علیزے کو اس بات کا اندازہ تھا کہ اس کی سالار سے شادی آسانی سے نہیں ہو سکے گی۔ امی بھائی اور بھابی کی طرف سے ہر ممکن رکاوٹ کی کوشش ہو گی۔ پھر بھی اس نے سالار کے سامنے حامی بھر لی کہ وہ رشتہ بھیجے وہ امی اور بھائی کو منالے گی۔

سالار ایک ہفتے بعد ہی اپنی اماں اور بہن کو لے کر آ گیا۔ علیزے کی امی اور بھابی نے سالار کی ماں اور بہن کی خاص تواضع کی جاتے ہوئے سالار کی بہن، علیزے کا رشتہ مانگ گئیں۔

ان کے جاتے ہی صدف بھابی نے نوید کے سامنے رشتے کا ذکر چھیڑ دیا۔ نوید بالکل خاموش رہا۔ البتہ اس کے چہرے پر مختلف قسم کے تاثرات بیوی کی گفتگو سننے کے دوران آتے رہے۔

''اب مجھے پتہ چلا کہ سالار کا ہمارے گھر آنے کے پیچھے کیا مقصد تھا۔ علیزے کے حسن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ جلد از جلد علیزے کی کسی سے شادی کر کے رخصت کریں آپ کے ابو کے بعد یہ اب آپ کی ذمے داری ہے۔'' صدف نے شوہر کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ علیزے کی شادی ہو جانی چاہیے سالار اچھا لڑکا ہے دوست ہونے کے ناطے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اگر علیزے اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہے تو اس شادی میں کوئی برائی نہیں۔''

''برائی تو ہے سالار شادی شدہ ہے وہ غیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ابھی علیزے کی اتنی عمر نہیں ہوئی کہ ہم سالار سے اس کی شادی کے متعلق سوچیں۔'' نوید رضا، بیوی کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے امی کے پاس پہنچ گئے۔ نرگس جہاں نے سنتے ہی منع کر دیا کہ وہ سالار سے علیزے کی شادی نہیں کریں گی۔ مگر نوید کے کمرے سے جاتے ہی علیزے نے امی سے مخاطب ہوتے ہوئے بھرپور اعتماد سے کہا۔

''امی! میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے میں شادی سالار سے کروں گی۔''

''سالار سے.....'' نرگس جہاں کو زبردست دھچکا لگا۔ ان کے خیال میں کسی لڑکی کو اپنی شادی کے سلسلے میں خود بات نہیں کرنی چاہیے۔ جبکہ علیزے اپنی شادی کا فیصلہ سنا رہی تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں عجیب نظروں سے اسے گھورتی رہیں پھر دھیمی آواز میں بولیں۔

''تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟ اس کی پہلے سے ایک بیوی موجود ہے۔'' انہوں نے اعتراض کیا۔

''سالار کی بیوی صرف اس کی نام کی بیوی ہے۔ سالار کی عمر اٹھائیس سال ہے اپنے بابا کی خوشی کے لیے اس نے رضوانہ سے شادی کی تھی۔ دوسری شادی کرنا اس کا حق ہے۔ اچھا خاصا سلجھا ہوا اور کاروباری لڑکا ہے میں نہیں سمجھتی آپ کو اعتراض کرنا چاہیے۔ اگر سالار اتنا برا ہوتا تو نوید بھائی اس رشتے کو سنتے ہی منع کر دیتے۔ آپ سے پوچھنے نہیں آتے۔ دوست ہونے کے ناطے وہ سالار کی فطرت کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔''

''علیزے! تمہاری عقل پر پردہ پڑ گیا ہے خاندان والے کیا سوچیں گے تمہارے لیے کوئی رشتہ نہیں مل رہا تھا

جو ہم نے ایک شادی شدہ مرد سے تمہاری شادی کر دی۔''

''امی! خاندان والوں کی باتوں کا ذکر تو آپ رہنے ہی دیں۔ ابو کی وفات کے بعد ہمارے حالات برے تھے کسی نے ہمارے گھر جھانکا تھا۔ جواد بھائی کے امریکہ جانے کے بعد ہمارے حالات سدھرے تو ہمارے رشتے داروں نے دوبارہ ہم سے مراسم بڑھانے شروع کر دیئے۔ ایسے مطلبی رشتے داروں کی باتوں کو دل پر کیا لینا۔ میں نے اچھی طرح سے سوچ کر فیصلہ کیا ہے کہ میں شادی سالار سے ہی کروں گی۔ یہ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے۔'' علیزے نے اٹل لہجے میں کہا۔

نرگس جہاں سوچ میں پڑ گئیں۔ دوسرے دن انہوں نے نوید کو اپنے کمرے میں بلا کر علیزے کے فیصلے سے آگاہ کیا۔

''نوید! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس معاملے میں کیا کرنا ہے۔''

''امی! علیزے اگر سالار سے شادی کے لیے تیار ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو اعتراض کرنا چاہیے۔ سالار پڑھا لکھا اور اچھا انسان ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس کی پہلی شادی اس پر ظلم ہے۔ جو اس کے بابا نے دباؤ ڈال کر اور یہ کہہ کر کروائی تھی کہ وہ یہ شادی کر لے بعد میں وہ اپنی پسند سے دوسری شادی کر لے۔ سالار کی پہلی بیوی نام کی بیوی ہے۔'' نوید کی بات سن کر نرگس جہاں کی سوچ میں تبدیلی واقع ہوئی۔

کئی دن شش و پنج میں مبتلا رہنے کے بعد انہوں نے سالار کے رشتے کو قبول کر لیا۔ ایک ماہ کے اندر سالار کی علیزے سے شادی دھوم دھام سے ہو گئی۔ وہ دونوں ہنی مون کے لیے دبئی روانہ ہو گئے۔ علیزے دبئی سے واپس آئی تو کچھ زیادہ حسین ہو گئی۔ اس نے دبئی سے لائے گفٹس امی، بھائی اور بھابی کو دیئے۔ بھابی اس کی قسمت پر رشک کرنے لگیں۔ اتنے قیمتی تحفے انہیں کبھی نہیں ملے تھے۔ امی علیزے کی نظر اتارنے لگیں۔

علیزے کو اپنے انتخاب پر خوشی ہو رہی تھی۔ اس کی خوشیوں کا سفر گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتا گیا۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد ریان نے ان کی محبت کو مکمل کر دیا۔ پھر اچانک وہ حادثہ ہو گیا۔ جس کے متعلق علیزے نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

سالار کی ٹریفک حادثے میں موت نے علیزے کو بکھیر کر رکھ دیا۔ کل تک وہ لوگ جو اس کی خوش قسمتی کے گن گا رہے تھے۔ انہیں علیزے کا وجود منحوس لگنے لگا۔ علیزے بیوگی کے بعد امی کے در پر موجود تھی۔

سسرال والوں کا اس سے تعلق سالار کی موت کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔ شدید غم کی کیفیت میں بیٹھی وہ اکثر سوچتی زمانہ اتنی ترقی کر گیا ہے ہم لوگ ابھی تک جاہلانہ انداز میں سوچتے ہیں۔ کم عمر بیوہ کو منحوس قرار دیتے ہیں۔

''کیا بات ہے علیزے؟ تم پھر رو رہی ہو؟'' نرگس جہاں نے علیزے کو کرسی پر بیٹھے دیکھا تو دور سے اس کی آنکھوں میں چھپے آنسو دیکھ لیے۔

''میں نے منع کیا تھا کہ تم آئندہ مت رونا جانے والا چلا گیا۔ خود کو سنبھالو ریان اور اپنے متعلق سوچو۔ خود کو مصروف رکھو۔'' نرگس جہاں نے اسے سمجھایا۔

''امی! میں گھر میں رہی تو بیمار ہو جاؤں گی۔ بھابی اور ہر آنے، جانے والوں کی باتیں سن کر میں ڈپریسڈ ہو جاتی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا میں کہاں جاؤں۔''

''تمہیں ڈپریشن لینے کی ضرورت نہیں۔ دس دن بعد تمہاری عدت ختم ہو جائے گی۔ تم دوبارہ اپنی پڑھائی کا سلسلہ شروع کرنا میں نوید سے بات کر کے تمہارا کالج میں ایڈمیشن دلوا دوں گی۔ ریان کو میں سنبھال لوں گی۔ تم مصروف رہو گی تو لوگوں کی باتوں کو دل پر کم لو گی۔'' نرگس جہاں نے اس کا ماتھا چوما۔ علیزے سوچنے لگی کہ ماؤں کے دل بھی نہ جانے کیسے ہوتے ہیں۔ اولاد کی خوشی میں خوش اور ان کے غموں میں اداس ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

رات جتنی تاریک، خشک اور طویل تھی صبح اتنی ہی روشن، چمکیلی اور خوشگوار تھی۔ کھڑکی کی جھریوں سے اندر آنے والی سورج کی تیز چمکیلی شعاعیں عائش کی آنکھوں پر پڑیں تو اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

صبح کے وقت خوشنما پرندوں کی خوبصورت چہچہاتی ہوئی آوازیں، عائش کے ذہن کو تر و تازہ کرنے لگیں۔ وہ کتنی دیر تک لیٹا سوچتا رہا پھر کچھ سوچ کر اٹھ بیٹھا۔ آج کے دن اسے بہت سے ضروری کام نمٹانے تھے۔ وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو اس کی ممی شہناز بانو ناشتہ لگا چکی تھیں انہوں نے فوراً پراٹھا اور آملیٹ کی پلیٹ عائش کی طرف بڑھائی۔

عائش نے نظریں سامنے کرسی پر بیٹھے پاپا پر مرکوز کیں وہ اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ شہناز بانو عائش سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں۔

''تمہارے دماغ میں علیزے سے شادی کرنے کی خواہش کیوں سما گئی ہے۔ علیزے کو بہو کے روپ میں قبول کرنے کو میرا دل قطعی تیار نہیں۔ لوگ کیا کہیں گے تمہارے لیے کنواری لڑکی نہیں مل رہی تھی۔ جو میں نے بیوہ اور ایک بچے کی ماں سے تمہاری شادی کر دی۔ مدحت سے میں تمہاری شادی کرنا چاہ رہی ہوں اور تم ہو کہ راضی ہو کر نہیں دے رہے۔ آخر میری بھانجی میں کیا برائی ہے۔ پڑھی لکھی خوبصورت ہے۔ برسوں سے میں نے مدحت کو اپنی بہو بنانے کا خواب دیکھا ہے۔ میرا خواب تمہاری آسٹریلیا میں شادی کرنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ اب خدا کی طرف سے مجھے موقع مل رہا ہے تو میں اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں گی۔ مدحت کو بہو بناؤں گی نہ کہ علیزے جیسی بیوہ کو۔'' شہناز بانو نخوت بھرے لہجے میں بولیں۔

اس سے پہلے عائش ان کو کوئی جواب دیتا۔ عائش کے پاپا معظم حسن بول پڑے۔

''شہناز! جب عائش علیزے کو شادی کر کے اس گھر میں لائے گا تو وہ بیوہ کہاں ہوگی سہاگن بن کر اس گھر میں قدم رکھے گی۔ علیزے بہت سمجھدار اور پیاری لڑکی ہے۔''

''آپ کو تو پیاری لگے گی ظاہر ہے آپ کی بہن کی بیٹی ہے۔'' شہناز بانو نے طنز کیا۔

''ممی! بیوہ سے شادی کرنا نیکی اور ثواب کا کام ہے۔ آپ بلاوجہ اعتراض کر رہی ہیں۔''

''عائش! بہت اچھی بات کی تم نے، ثواب کمانے کے لیے بیوہ سے شادی رہ گئی تھی جو تم اب کر رہے ہو۔ معظم صاحب! سن لیں یہ سب کچھ آپ کی بہن کے شیطانی ذہن کی کارستانی ہے۔ نرگس جہاں چالاک عورت ہے۔ عید پر اس نے دعوت ہماری فیملی کی اس لیے کی تھی کہ علیزے کے پکائے کھانوں کے ذریعے عائش کے دل میں اتر جائے۔'' معظم حسن کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی وہ اپنی بیوی کی اس عادت کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے کہ وہ جب کسی کی برائی پر اتر آئیں تو کسی کی سنے بغیر اپنی ہی کہے جاتی ہیں۔

''ممی! میں نے پہلی شادی بھی اپنی پسند سے کی تھی بے شک وہ ناکام رہی میں آپ کو ایک بات بتا دوں دوسری شادی بھی میں اپنی پسند سے ہی کروں گا۔ میری زندگی پر میرا بھی حق ہے محض میں آپ کی انا کی تسکین کی خاطر خود کو قربان نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ پھوپھو کو پسند نہیں کرتیں اس وجہ سے علیزے آپ کو کھٹک رہی ہے۔ مدحت ایک آزاد خیال لڑکی ہے ایسی لڑکیاں دوستی اور وقت گزاری کے لیے تو ٹھیک رہتی ہیں مگر بیوی بنا کر زندگی بھر اپنے ساتھ رکھنے کے لیے ہرگز نہیں۔ میں ایک ایسی لڑکی سے شادی کر کے بھگت چکا ہوں۔''

''فضول باتیں مت کرو بڑے گھرانوں کی لڑکیاں ماڈرن اور آزاد خیال ہوتی ہیں۔ اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ مدحت پر ابھی کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ اس لیے وہ دوستوں کے ساتھ خوش رہتی ہے۔ شادی کے بعد جب اسے اپنی ذمے داریوں کا احساس ہوگا تو خود ہی تبدیل ہو جائے گی۔'' شہناز بانو نے اپنی بھانجی کا دفاع کیا۔

''آپ کچھ بھی کہہ لیں میں نے اپنا فیصلہ آپ کو سنا دیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ علیزے کے گھر رشتہ لے کر جائیں۔'' عائش یہ کہتے ہوئے ٹیبل سے اٹھ کر چلا گیا۔ شہناز بانو گم صم بیٹھی تھیں۔ عائش کے ڈائننگ روم سے نکلتے ہی وہ بڑبڑانے لگیں۔

''کلموہی علیزے! کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اس گھر میں وہ بہو بن کر نہیں آئے گی لوگ کیا کہیں گے۔''

''لوگوں کی پروا چھوڑ دو فی الحال اپنے بیٹے کے جذبات کی پروا کرو۔ زور زبردستی سے اس کی شادی مدحت سے کروانے پر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی خواہش کو مقدم رکھو۔'' شہناز بانو کو اپنے شوہر کی بات ٹھیک لگ رہی تھی۔ وہ خود بھی اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ عائش جذباتی اور ضدی لڑکا ہے۔ کچھ سوچ کر وہ اپنے شوہر سے مخاطب ہوئیں۔

''ٹھیک ہے میں اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے علیزے کا رشتہ مانگنے جاؤں گی۔''

''مجھے خوشی ہے تم نے درست فیصلہ کیا۔'' معظم حسن چائے کا کپ رکھتے ہوئے بولے اور دوبارہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔ شہناز بانو حامی بھرنے کے بعد دل ہی دل میں علیزے کو کوسنے دینے میں مصروف تھیں۔

☆☆☆

علیزے کی زندگی میں عجیب موڑ آ گیا تھا۔ امی کی بات سن کر اسے حیرانگی ہو رہی تھی۔ مامی، عائش کا رشتہ اس کے لیے لے کر آئی ہیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''امی! مجھے شدید حیرت ہو رہی ہے کہ مامی میرے لیے رشتہ لے کر آئی ہیں۔ یہ بات خواب میں ہو سکتی ہے حقیقت میں نہیں۔'' حقیقتاً ایسی ہی بات ہے مجھے تو لگ رہا ہے میری پیاری بیٹی کو نظر نہ لگ جائے شادی کے بعد تم آسٹریلیا چلی جاؤ گی خاندان کے کئی لوگ عائش پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔'' نرگس جہاں بے حد خوش ہو کر بتا رہی تھیں۔

''امی وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں عائش سے شادی نہیں کر سکتی میں خود تو آسٹریلیا چلی جاؤں گی مگر ریان کا کیا ہو گا۔ باپ کی شفقت سے تو وہ محروم ہے۔ اب ماں سے بھی محروم ہو جائے گا۔''

''علیزے! تم فکر نہیں کرو میں ہوں ناں وہ نانو کے پاس بہت خوش رہے گا۔ ویسے بھی جب تم کالج جاتی تھیں تب ریان میرے پاس ہی ہوتا تھا۔ میں نہیں چاہتی اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے نکلے۔''

''امی! مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔'' علیزے نے بے تاثر لہجے میں کہا اور سونے کے لیے لیٹ گئیں۔ نرگس جہاں کمرے سے جا چکی تھیں۔ علیزے کو نیند نہیں آ رہی تھی وہ سوچ رہی تھی اگر بھابی کے بھائی عفان کا رشتہ اس کے لیے آ جائے تو اس کی جان مامی کے لائے ہوئے رشتے سے چھوٹ جائے گی۔ علیزے کو شادی دوبارہ کرنی تھی یہ امی اور بھائی کا فیصلہ تھا وہ سالار کو ابھی نہیں بھول پائی تھی اور نہ بھول سکتی تھی۔ علیزے کے لیے کئی رشتے آ رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو علیزے نے قبول تھی مگر اس سے جڑا ریان ناقابل قبول تھا۔ لوگوں کے رویے اور ان کی سوچ کو دیکھتے ہوئے نرگس جہاں فیصلہ کر چکی تھیں کہ علیزے کی شادی میں ہوتی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے وہ ریان کو اپنے پاس رکھیں گی۔ علیزے کے ہونے والے شوہر پر ریان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

علیزے بی ایس سی کر چکی تھی اسے بھائی اور بھابی کے رویے کو دیکھ کر دکھ ہوتا۔ وہ اسے بوجھ سمجھتے تھے۔ صدف بھابی کئی بار کہہ چکی تھیں کہ اسے اگر شادی نہیں کرنی تو نہ کرے اپنے بیٹے کو لے کر اپنے سسر کے گھر جائے۔ علیزے ان سے کیا کہتی کہ اس کے سسرال والوں کا رویہ شوہر کی موت کے ساتھ یکسر بدل گیا ہے۔

عفان نے باتوں میں علیزے سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ بہت جلد امی کو راضی کر کے رشتہ بھجوائے گا۔ وہ مطمئن رہے۔ صبح ناشتے سے

فرصت پا کر علیزے اپنے کپڑوں کی الماری کو سیٹ کر رہی تھی۔ نئے سوٹ کو تہہ کر کے رکھتے ہوئے اسے سوٹ کے دوپٹے کا خیال آیا جو اس نے بھابی کو پیکو کرانے کے لیے دیا تھا۔ علیزے اپنے کمرے سے نکل کر بھابی کے کمرے کی جانب بڑھی اپنا نام سن کر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم گویا دروازے کے پاس جم گئے۔

''میں صاف بتا رہی ہوں آپ کو، نوید سمجھا دیجئے گا اپنی بہن کو میرے بھائی کو پھانسنے میں لگی ہے۔ امی بتا رہی تھیں عفان نے ان سے بہت بدتمیزی کی ہے۔ اس کے سر پر علیزے سے عشق کا بھوت سوار ہے۔ امی نے بھی عفان سے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اس کی شادی وہیں کریں گی جہاں ان کا دل چاہے گا۔''

''عفان اگر علیزے سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس میں برائی کیا ہے۔'' نوید رضا بولے۔

''میں پوچھتی ہوں اس میں ایسی کون سی خوبی ہے جو میں اسے بھابی بنا لوں۔ کام، کاج سے بچنے کے لیے پڑھائی کر رہی ہے۔ مہارانیوں کی طرح پکے پکائے کھانے پر ہاتھ صاف کر کے چل دیتی ہے اور تو اور وہ ڈرامائی انداز پیدا کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''راتوں کو جاگ کر جانے کن لڑکوں سے چیٹنگ میں مصروف رہتی ہے۔''

''صدف، بہتان تراشی سے باز آجاؤ تمہاری بھی دو بیٹیاں ہیں۔'' نوید رضا نے غصے میں کہا۔

''میری بیٹیاں ہیں تب ہی تو میں نہیں چاہتی کہ ان پر علیزے کا سایہ پڑے۔ میرا بس چلے تو میں آج ہی اس کی شادی کروادوں۔ حمیرہ خالہ اپنے کسی جاننے والے کا رشتہ علیزے کے لیے لائی تھیں۔ آپ کی امی نے آپ کو بتائے بغیر ہی انکار کر دیا کہ اس شخص کی عمر پچاس سے اوپر ہے۔ پھر تین بچوں کا باپ ہے۔'' صدف آگے کیا بول رہی تھی۔ علیزے کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دبے قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ گئی۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ شام میں اس نے امی کو فیصلہ سنا دیا کہ وہ عائش سے شادی کے لیے تیار ہے۔ نرگس جہاں نے اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اپنی بھابی کو جواب دے دیا کہ ان کی طرف سے رضامندی ہے۔

جمعہ کے دن اس کا نکاح عائش کے ساتھ تھا۔ پارلر سے سج دھج کر جب وہ گھر آئی تو صدف بھابی اسے دیکھتی رہ گئیں۔ بقول ان کے لڑکی پر صرف ایک بار روپ آتا ہے۔ علیزے دوبارہ نکاح کے وقت بھی زوپ سے بھرپور الگ رہی تھی۔ نکاح ہوتے ہی مبارکباد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ علیزے کے احساسات پر ایک برف سی جمی تھی حتیٰ کہ عائش سے ملاقات پر بھی اس کے دل میں کوئی ہلچل نہ ہوئی۔ سپاٹ چہرہ جھکائے ہوئے وہ کوئی موی گڑیا لگ رہی تھی۔ نکاح ہونے کے بعد علیزے کے کاغذات بنوانے کا مراحلہ شروع ہوا۔ جیسے، جیسے علیزے آسٹریلیا جانے کے دن نزدیک آرہے تھے۔ وہ ریان سے دوری کا سوچ کر اداس ہو رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو بھابی اپنی بہن ابیحہ سے باتوں میں مصروف تھیں۔

ابیحہ نے سلام اور خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد علیزے سے پوچھا۔

''علیزے آپی! آپ کو عائش بھائی کیسے لگے؟ آئی مین ہم سے تو وہ بات نہیں کرتے تو ان کی نیچر.....''

''عائش، نیچر کے بہت اچھے ہیں۔ مجھے تو ان سے گفتگو کر کے ایسا ہی لگا ہے۔'' علیزے کا جواب سن کر صدف بھابی نے کہا۔

''مجھے تو عائش پرانے خیالات کا حامل لگتا ہے۔ تب ہی تو اس کی پہلی شادی ناکام ہو گئی۔ میں نے سنا ہے اپنی پہلی بیوی پر اس نے بڑی پابندیاں لگائی تھیں۔ شہناز مامی سے ذرا ہوشیار رہنا تمہیں تو پتہ ہو گا عائش کے اصرار پر وہ مان تو گئی ہیں۔ مگر دل سے تم سے خار کھاتی ہیں۔ ان کا ارادہ اپنی بھانجی سے عائش کی شادی کا تھا مگر جب لڑکا اڑ

جائے تو ماں باپ کو جھکنا پڑتا ہے۔''

''ایجہ! میں تمہارے لیے کچھ بنا کر لاتی ہوں۔'' علیزے بات بناتی ہوئی وہاں سے کھسک گئی۔ رات کو علیزے پانی پینے کے لیے اپنے کمرے سے نکلی تو اپنا نام سن کر ٹھٹک گئی۔ صدف بھابی فون پر بات کر رہی تھیں۔

''نہیں عائش، اسے کیا مصروفیت، امتحانات کے بعد سے تو کالج کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ سارا دن فارغ ہوتی ہے اصل میں اکلوتی ہے کم عمری میں پہلی شادی ہوئی شوہر بھی مالدار مل گیا کام کرنے کی عادت ہے ہی نہیں۔ تمہاری نرگس پھوپھو بلاوجہ علیزے کی بنائی ڈشز کی تعریفوں کے پل باندھ رہی ہوتی ہیں۔ ریان تو شروع سے نانو سے اٹیچڈ ہے۔ اس پر اپنی مما کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔ میں علیزے کو بلاتی ہوں۔'' صدف بھابی جیسے ہی مڑیں۔ علیزے نے ان کے ہاتھوں سے ریسیور لیتے ہوئے کاٹ دینے والی نگاہوں سے انہیں گھورا۔ عائش سے باتیں کرتے ہوئے اس نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی کہ ریان اس کے لیے کتنا اہم ہے اور وہ یہ شادی محض آسٹریلیا جانے کے لیے نہیں کر رہی بلکہ امی اور بھائی کے دیئے گئے پریشر کی وجہ سے کر رہی ہے۔

''علیزے! اگر تم اس بات کی وضاحت نہ بھی کرتیں تو بھی میں صدف بھابی کی کہی بات کو سچ نہیں مانتا زندگی ہم دونوں نے گزارنی ہے دوسروں کی باتوں کی پروا کرنے سے زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔'' علیزے کے بیشتر خدشے عائش سے بات کر کے دور ہو گئے۔ وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگی۔

تین روز بعد اتوار کا دن تھا نرگس جہاں نے نوید کو گھر میں دیکھ کر علیزے کی رخصتی کا موضوع چھیڑ دیا۔

''نوید! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ علیزے کو صرف کپڑے اور زیور دے کر کیسے رخصت کر دوں۔ بھابی کو طنز کرنے کا ایک اور موقع مل جائے گا۔ بغیر جہیز کے بیٹی کو رخصت کر دیا۔''

''امی! آپ مامی کی باتوں کو دل پر لینا چھوڑ دیں۔ ایک ماہ بعد علیزے کی رخصتی ہے دعا کریں کہ وہ اپنے گھر میں خوش اور مطمئن زندگی گزارے میں نے جہیز دینے کے بجائے کیش علیزے کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیا ہے۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔'' نرگس جہاں نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

دلہن بنی علیزے سٹیج پر اداس بیٹھی تھی۔ اتنی کم عمری میں بیوہ ہونے کے بعد اسے اس بات کا تو یقین تھا کہ اسے زندگی کے کسی موڑ پر دوسری شادی کرنا ہو گی مگر ریان سے جدائی کا سوچ کر اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔

شادی کے تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد بالآخر رخصتی کا مرحلہ آ پہنچا۔ صدف بھابی نے اسے گلے لگایا۔ چاہنے کے باوجود وہ ان کی طرف سے اپنے دل کو صاف نہیں کر پائی۔ یہ بات نہیں تھی کہ علیزے کے اندر کوئی انتقامی جذبہ پرورش پا رہا تھا لیکن ایک پھانس تھی جو سینے میں گڑ گئی تھی۔ امی اور ریان سے رخصت ہوتے ہوئے علیزے کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ روتے ہوئے اسے عائش کا بھی احساس نہ ہوا۔ آنے والے دنوں نے جہاں علیزے کی زندگی میں بہت سے روشن در کھولے تھے وہیں کچھ مشکلات بھی درپیش تھیں۔

عائش کا رویہ ریان کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ مگر شہناز مامی کا رویہ پہلے دن سے علیزے کے ساتھ بہت برا اور ناگوار تھا۔ وہ علیزے سے قطعی بات چیت نہیں کرتی تھیں۔ اگر وہ کسی مہمان یا ملازموں کے سامنے کوئی بات کرتی تو وہ جواب دے دیتیں۔

عائش کو بھی یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی لیکن وہ ممی سے اس معاملے میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے بھی اس نے پاکستان میں مستقل نہیں رہنا تھا۔

''سنیے، میرا ریان سے ملنے کا بہت دل چاہ رہا ہے تین دن ہو گئے ہیں میں امی کی طرف نہیں گئی۔'' صبح ناشتے

سے فارغ ہو کر علیزے نے عائش سے کہا تو وہ فوراً حامی بھرتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے تم تیار ہو جاؤ ابھی چلتے ہیں۔'' عائش کی بات سن کر علیزے خوش ہو گئی۔ سارا دن وہ امی کے گھر رہی رات میں وہ واپس آنے لگی تو ریان ضد کرنے لگا کہ وہ بھی ماما کے ساتھ جانا ہے۔ عائش بھی اسے لے جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اگلے دن عائش ریان کو شام میں واپس چھوڑ کر آیا تو شہناز بانو نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''تمہیں ریان کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''وہ چلائیں۔

''ممی! بچہ ہے ضد کر رہا تھا میں اسے اپنے ساتھ لے آیا تو کون سی قیامت آ گئی۔'' عائش نے نرم لہجے میں کہا۔

''میرے گھر میں اس عورت کے بچے کی کوئی جگہ نہیں۔ تمہاری ضد کی وجہ سے میں نے تمہاری علیزے سے شادی کی اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہارے دل میں جو آئے وہ کرتے پھرو۔ میں تم سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہتی مجھے پتہ ہے کہ تمہاری روانگی میں کچھ دن رہ گئے ہیں۔ بہتری باتوں سے تم ہرٹ ہو کر جاؤ میں یہ ہرگز نہیں چاہتی۔ بہتر ہو گا کہ تم ایسے حالات پیدا نہ کرو کہ مجھے تم سے الجھنا پڑے۔'' شہناز بانو یہ بولتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ علیزے سر جھکائے کھڑی تھی۔ جذبات میں آ کر اس نے عائش سے شادی کا جو فیصلہ کیا تھا اس کا خمیازہ ریان سے دوری کی صورت میں بھگتنا تھا۔

چند دن بعد اسے ریان کو یہاں چھوڑ کر آسٹریلیا چلے جانا تھا۔ اس لیے علیزے نے شہناز بانو کی بات کو دل پر نہیں لیا۔ جس روز علیزے کی روانگی تھی وہ بے حد اداس اور غمگین تھی۔ جہاز نے کب ٹیک آف کیا اسے پتہ ہی نہ چلا۔ عائش نے تسلی دے کر اس کا غم دور کرنے کی کوشش کی۔ شروع میں آسٹریلیا پہنچنے کے بعد وہ بے حد مضطرب اور بے چین تھی۔

ریان اور امی کی اسے بہت یاد آتی تھیں۔ دو ماہ بعد جب علیزے کو ماں بننے کی خوشخبری ملی تو اس نے خود کو سوچوں کے حصار، سے نکالنے کی کوشش کی۔ عائش اس کا خاص خیال رکھ رہا تھا۔ اس کا طویل شاپنگ پلان سن کر وہ ہنستی۔ شام میں اکثر عائش اسے آؤٹنگ کے لیے باہر لے جاتا۔

ایک پیارے سے بیٹے کے دنیا میں آنے کے ایک سال بعد علیزے پاکستان میں واپس آئی۔ وجہ امی کی وفات تھی۔ رومیل کے دنیا میں آنے کے بعد وہ اس کی پرورش میں اتنی مصروف تھی کہ امی اور ریان سے باتیں کیے بغیر کئی دن گزر جاتے تھے۔ پاکستان میں آنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ امی کے دنیا سے جانے کے بعد ریان بالکل تنہا ہو گیا تھا۔

عائش کی ریان میں جو تھوڑی بہت دلچسپی تھی وہ رومیل کے آنے کے بعد بالکل ختم ہو گئی تھی۔ اس نے علیزے سے صاف کہہ دیا تھا۔ کہ اسے ریان سے ملنا ہو تو وہ امی کے گھر جا کر مل لے یہاں ریان کو لے کر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بدھ کا دن تھا علیزے شام میں بھابی کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''دیکھو علیزے! مجھے لگی لپٹی بات کرنے کی عادت نہیں ہے تم ریان کے رہنے کا کہیں اور بندوبست کرو۔ جب تک امی تھیں بات اور تھی انہوں نے ریان کی ذمے داری خود اٹھا رکھی تھی۔ مجھ پر تو خود تین بچوں کی ذمہ داری ہے۔ میں مزید ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی بہتر ہو گا تم ریان کو جلد از جلد یہاں سے لے جاؤ۔''

صدف بھابی کی بات سننے کے بعد علیزے نے نوید بھائی کی طرف دیکھا۔ شاید وہ اس معاملے میں دخل اندازی کریں مگر وہ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھے تھے۔

''بھابی! آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ میں ریان کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتی میں یہاں مستقل

رہنے نہیں آئی ہوں جو کسی طرح عائش کو منالوں۔''

''یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے ہم نے تو تم سے پہلے کہا تھا کہ ریان کو اس کے دادا کے حوالے کر دو مگر تم نے ہماری ایک نہ سنی اب اس کے دادا بھی دنیا میں نہیں رہے۔ وہ زندہ ہوتے تو مسئلہ نہیں ہوتا۔ میں ریان کو فوراً ان کے پاس بھیج دیتی۔'' صدف بھابی نے اس کی مجبوری کی پروا کیے بغیر کہا۔

''ٹھیک ہے بھابی میں ریان کا کوئی بندوبست کرتی ہوں۔'' وہ بھابی کی تکرار سن کر اٹھتے ہوئے بولی اور سیدھی ریان کے کمرے میں پہنچی۔ وہ علیزے کے موبائل پر گیم کھیلنے میں مصروف تھا۔ جب سے علیزے آسٹریلیا سے لوٹی تھی وہ محسوس کر رہی تھی اس کے اور ریان کے بیچ فاصلے بڑھ گئے تھے۔ ریان ضدی اور چڑچڑا ہو گیا تھا۔

''مما! آپ اس دفعہ بڑی عید پر میرے لیے بکرا لائیں گی۔'' ریان نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہر سال آپ کے ماموں بکرے لاتے تو ہیں پھر آپ کو بکرے کا شوق کیوں ہو رہا ہے۔''

''ماموں، عزیر حبہ اور حوریہ کے لیے بکرے لاتے ہیں میرے لیے نہیں پچھلے سال وہ تین بکرے لائے تھے وہ تینوں بکرے عزیر حبہ، حوریہ نے لے لیے نانو نے کہا تھا کہ وہ مجھے اس سال بڑی عید پر بکرا دلائیں گی اب آپ کو مجھے بکرا دلانا پڑے گا۔ ماموں بتا رہے تھے آٹھ دن بعد بڑی عید ہے۔ آپ میرا بکرا لینے کس دن جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے میں تمہارے لیے بکرا لاؤں گی۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی آپ کو دن بتانا ہوگا۔ آپ مجھ سے جھوٹ بولتی ہیں پہلے بھی آپ نے کہا تھا کہ مجھے آسٹریلیا اپنے ساتھ لے کر جائیں گی مگر آپ مجھے لے کر نہیں گئیں۔ میں مامی کے ساتھ یہاں نہیں رہوں گا۔ آپ ابھی مجھے اپنے ساتھ لے کر چلیں۔''

''تم، ابھی یہاں رہو میں کل دوپہر کو آؤں گی تو تمہیں لے چلوں گی۔'' علیزے نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہرگز نہیں، میں ابھی جاؤں گا۔''

ریان نے ضد کرتے ہوئے موبائل اٹھا کر پھینکا۔ علیزے نے ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔ ریان حلق پھاڑ کر رونے لگا۔

'کیا بات ہے؟ یہ کیوں رو رہا ہے؟'' عائش نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ صدف بھابی بھی اس کے ساتھ تھیں۔

''میرے ساتھ جانے کی ضد کر رہا ہے۔'' اس سے پہلے کہ عائش کچھ بولتا صدف بھابی بولیں۔

''ہاں تو تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ عائش میں نے علیزے سے آج صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ریان کا کہیں بندوبست کرے میں اور تمہارے بھائی جان پرائی اولاد کی ذمے داری اٹھانے کے اہل نہیں ہیں۔ میں جانتی ہوں ریان تمہاری ذمے داری نہیں پھر بھی اگر تم پاکستان میں رہتے تو میں تم سے کہتی کہ ریان کو یتیم سمجھ کر تم ہی اس پر نظر کرم کرو اپنے گھر میں اسے ایک کمرہ دے دو۔ مگر اب اس بات کو کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔'' اتنا کہہ کر صدف بھابی ریان کی طرف متوجہ ہوئیں جو بدستور رونے میں مصروف تھا۔

عائش اسے چپ کرانے کے لیے چاکلیٹس کا لالچ دے رہا تھا۔

''میں ریان کے کپڑے اور سامان بیگ میں رکھ رہی ہوں تم لوگ ڈرائنگ روم میں اپنے بھائی جان کے پاس جا کر بیٹھو۔'' صدف بھابی یہ کہتے ہوئے الماری کھولنے لگیں۔ علیزے نے بے چارگی سے عائش کی طرف دیکھا اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔

☆☆☆

ریان کو علیزے کے ساتھ آئے ہوئے تیسرا دن تھا رات میں عائش نے علیزے سے کہا۔

''ممی ! کا موڈ آج بہت خراب ہو گیا تھا وہ کھانا کھائے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ تمہیں ان کے خراب موڈ کی وجہ تو معلوم ہے ریان نے سوپ کا باؤل گرا دیا تھا۔ ممی بے حد نفاست پسند ہیں۔ آئندہ خیال رکھنا اور.....'' اتنا کہہ کر عائش رک گیا جیسے آگے کچھ کہنے کی ہمت خود میں نہیں کر پا رہا ہو۔

علیزے نے اس کے چہرے پر لکھی پریشانی پڑھ لی۔

''آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔''

''ہاں علیزے! میں نے تم سے کہا تھا کہ ممی یہاں ریان کی موجودگی سے ڈسٹرب ہو جاتی ہیں۔ بلاوجہ وہ غصہ دکھاتی ہیں۔ ان کا موڈ اچھا خاصا خوشگوار تھا مگر ریان کے آنے کی وجہ سے پھر آف رہنے لگا۔ میں تمہاری خاطر امی کے موڈ کی ناخوشگواری کو برداشت کر لیتا مگر اس سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ ہمیں یہاں کون سا مستقل رہنا ہے۔ ریان ہمارے ساتھ آسٹریلیا نہیں جا سکتا بہتر ہوگا کہ تم جلد از جلد اس کی رہائش کا بندوبست کر دو۔ جتنا جلد یہ کام ہو گا۔ ریان کو سیٹ ہونے میں آسانی ہو گی۔'' علیزے حیرت سے عائش کی طرف دیکھ رہی تھی کتنے آرام سے اس نے ریان کو کہیں اور بھیجنے کا کہہ دیا تھا۔

''میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اسے کس کے پاس چھوڑوں میری کوئی بہن ہوتی تو میں اسے کسی طرح راضی کر لیتی۔ صدف بھابی سے کچھ کہنا بے کار ہے وہ صرف سنانا جانتی ہیں ان کے آگے نوید بھائی کی زبان بند رہتی ہے۔ مجھے کئی دنوں سے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے جذبات میں آ کر غلط فیصلہ کیا مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ آپ باہر سیٹل ہیں بلکہ بہتر ہوتا کہ میں دوسری شادی کرتی ہی نہیں۔''

''علیزے! تم ایک بار پھر جذباتی ہو رہی ہو تمہیں اپنی زندگی بھرپور طریقے سے گزارنے کا حق ہے۔ کم عمری میں تم بیوہ ہو گئی تھیں۔ بیوگی کا لبادہ اوڑھے تم ساری زندگی نہیں گزار سکتی تھیں۔ تم کل ریان کو لے کر اس کے چچا کے پاس جاؤ اور ان کے حوالے کر دو۔ آخر وہ ان لوگوں کی بھی ذمے داری ہے۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر وہ قابض ہو کر بیٹھے ہیں کم از کم اپنے بھتیجے کی پرورش کا ذمہ تو اٹھائیں۔ اب تم کچھ اور سوچنے مت لگ جانا جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کرنا۔'' عائش اپنی بات مکمل کر کے لیٹ گیا۔

علیزے رومیل کو سلانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ عائش کا فیصلہ وہ سن چکی تھی۔ اس نے خود کو عائش کی جگہ رکھ کر سوچا تو اسے عائش کی بات ٹھیک لگ رہی تھی۔ اگر عائش کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد ہوتی اور وہ اس کی ذمے داری علیزے کے سر پر ڈال دیتا تو یقیناً علیزے بھی اسے سر کا بوجھ سمجھتی۔

ریان تین دن سے یہاں پر تھا عائش کی ممی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتی تو اسے عجیب نظروں سے گھورتیں ان کی ناگواری کو محسوس کرنے کے باوجود علیزے انجان بنی ہوئی تھی۔ جو کچھ اسے کرنا تھا عائش نے بتا دیا تھا۔ علیزے کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ ریان کی ذمے داری زبردستی اس کے چچا پر ڈالے۔ وہ جتنا بھی اس معاملے پر سوچ رہی تھی۔ اسے بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ رومیل سو گیا تھا اسے جھولے میں لٹانے کے بعد وہ خود لیٹ گئی۔ جن سوچوں میں وہ گم تھی نیند اسے کیسے آتی۔

صبح پانچ بجے کے قریب اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح علیزے کی آنکھ کھلی تو پتہ چلا کہ عائش پاپا کے ساتھ ان کے آفس گیا ہے۔ ریان کو ناشتہ کروانے کے بعد وہ اسے ساتھ لے کر گھر سے نکل گئی۔ ممی کو اس نے نکلتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ ریان کو اس کے چچا کے پاس لے کر جا رہی ہے۔ گھر سے نکلتے ہی وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ ریان پر نظر ڈالتے ہوئے اس کے دل کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔

ریان اپنی عادت کے مطابق اس سے سوالات پر سوالات کیے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد علیزے حسام جوکھیو کے گھر پر موجود تھی۔ انہیں وہ اپنے آنے کی اطلاع کچھ دیر

پہلے دے چکی تھی۔ حسام جوکھیو کی بیوی سیدھی، سادی خاتون تھیں وہ علیزے سے باتوں میں مصروف تھیں۔ تب ہی حسام جوکھیو آ گئے۔

''بھرجائی! خیریت آج اس طرف کیسے آنا ہوا۔ ادا سالار کی موت کے بعد تم ہم لوگوں سے کٹ گئی تھیں۔ سنا ہے تمہاری دوسری شادی بہت اچھی جگہ ہوئی ہے۔ عیش کر رہی ہو تم دوسرا شوہر تمہارے حسن پر مرمٹا ہوگا۔'' حسام جوکھیو کی گفتگو علیزے کو انتہائی غیر مہذب لگی پھر بھی وہ ناگواری ظاہر کیے بغیر بولی۔

''جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آج آپ کے پاس ایک اہم ذمہ داری سونپنے آئی ہوں۔ اس امید پر کہ آپ میری مجبوری سمجھتے ہوئے میرے مسئلے کو حل کرنے میں مدد کریں گے۔''

''ہاں کہو۔''

''میں ریان کی ذمے داری آپ کو سونپنے آئی ہوں۔ چچا ہونے کے ناطے آپ ریان کو اپنے پاس رکھ لیں۔ میں اسے آسٹریلیا اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتی۔ میں آپ سے درخواست کر رہی ہوں ریان آپ کے مرحوم بھائی کی اولاد ہے آپ.....''

''بس رہنے دو، تمہارے بچے کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا تو تم اسے میرے پاس لے آئیں ہمارا تم سے رشتہ بھائی کی موت کے ساتھ ختم ہوگیا تھا۔ جب تک بابا سائیں زندہ تھے ریان کو دیکھ کر خوش ہو لیتے تھے۔ انہوں نے بھی مرتے وقت ریان کو یاد نہیں رکھا۔ ورنہ وہ جائیداد میں سے اسے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے۔ سکینہ نے مجھ سے کہا تھا کہ بھرجائی یہاں کسی مقصد سے آ رہی ہے میں نے کہا تھا کہ وہ ہم سے ملنے آ رہی ہے۔ اب تمہاری ملاقات کا مطلب میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ میں اپنے بھائی کی اولاد کی ذمے داری نہیں لے سکتا اگر تم کو اپنی اولاد اتنی بھاری لگ رہی ہے تو اسے کسی فلاحی ادارے کے حوالے کردو یا کسی یتیم خانے میں ڈال دو۔'' حسام جوکھیو نے اطمینان بھرے لہجے میں اپنی بات مکمل کی علیزے نے ایک نظر ریان پر ڈالی وہ چچا کے بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔

''میں نے آپ سے مشورہ نہیں مانگا اپنے مرحوم بھائی کی جائیداد پر آپ دونوں بھائی قابض ہوکر بیٹھے ہیں اور کہہ رہے ہیں بھائی کی اولاد سے رشتہ اس کی موت کے ساتھ ختم ہوگیا۔ ریان اٹھو گھر چلو۔'' علیزے نے صوفے پر سے اٹھ کر کارپٹ پر بیٹھے ریان کو اٹھایا اور کچھ کہے بغیر حسام جوکھیو کے گھر سے نکل گئی۔ وہ غصے میں چلتی جا رہی تھی۔

''مما! ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ریان کے سوال پر وہ چونک گئی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''آپ سامنے مارکیٹ میں جا رہی ہیں؟'' ریان نے پھر کہا۔

''ہاں'' علیزے بولی اور بے مقصد چلتی ہوئی صدر کی مارکیٹ میں گھس گئی۔ مارکیٹ میں رش بہت تھا۔ علیزے سوچ رہی تھی کہ وہ اب کیا کرے گھر جانے کو اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ہوش میں ہوتے ہوئے بھی وہ اردگرد سے بے خبر تھی۔ وہ سوچ میں مزید گم رہتی ایک دم اسے احساس ہوا کہ ریان اس کے پاس نہیں ہے۔ بے خبری اور رش میں وہ ریان کا ہاتھ چھوڑ چکی ہے۔ علیزے نے گھبرا کر ہجوم میں ریان کو ڈھونڈنا چاہا۔ مگر وہ اسے دکھائی نہ دیا۔ اس خیال سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ ریان کہیں گم تو نہیں ہوگیا وہ تیز رفتاری سے چلتی ہوئی آس پاس نظر دوڑانے اور لوگوں سے پوچھنے لگی مگر ریان تو یوں غائب ہوا تھا کہ اس کا اتا پتا مل کر نہیں دے رہا تھا۔ علیزے خود حیران تھی کہ ریان اس کی نظروں سے کیسے اوجھل ہوگیا۔ وہ خود کو کوس رہی تھی اپنی پریشانیوں میں الجھ کر وہ ساتھ چلتے بچے سے غافل ہوگئی تھی۔ مایوسی کے عالم میں وہ عائش کا نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆

''حد ہوگئی بچہ تمہارے ساتھ تھا اور تمہیں پتہ ہی نہیں

چلا کہ وہ بھیڑ میں کہاں گم ہو گیا ہے اب بیٹھے بٹھائے تم نے ہم سب کے لیے پریشانی کھڑی کر دی ہے۔'' صدف بھابی جب سے آئی تھیں بولے ہی جا رہی تھیں۔

''مجھے علیزے سے اس لاپروائی کی امید نہیں تھی عائش بہت پریشان تھا بیٹھے، بٹھائے مصیبت کھڑی ہو گئی۔'' شہناز بانو بولیں۔علیزے خاموشی سے بیٹھی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔اس سے چپ نہ رہا گیا۔

''آپ لوگ میری جگہ ہوتیں تو میری مجبوری کو سمجھتیں میرے بیٹے کے لیے کوئی ٹھکانہ بچا تھا جہاں میں اسے چھوڑتی۔آپ اور ریان کے چچا تو اپنی جان چھڑانا جانتے ہیں بھلے سے میں اسے کسی یتیم خانے میں ڈال دوں اب وہ کھو گیا تو ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔سب کی اس سے جان چھٹ گئی۔ میں ہی بے وقوف تھی جو مرحوم شوہر کی اولاد کے پیچھے خود کو ہلکان کر رہی تھی۔'' علیزے زور، زور سے رونے لگی۔ بھابی اور امی نے تسلی کا ایک لفظ نہیں بولا۔دن اور رات کیسے گزری علیزے کو کچھ ہوش نہ تھا۔

اگلے دن ریان کی خبر مل گئی رات میں وہ کسی راہ گیر کو ملا تھا۔اس نے ریان کو تھانے میں پہنچا دیا تھا۔اب عائش علیزے کو ساتھ لے کر ریان کو لینے گیا تھا۔ریان نے بتایا تھا کہ وہ خود سے بھاگ گیا تھا۔اسے ڈر تھا کہ مما اسے چچا یا کسی اور کے حوالے نہ کر دیں۔وہ صرف مما کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اور یہ بات وہ مما سے کئی بار کہہ چکا تھا۔مگر اس کے منع کرنے کے باوجود مما اسے چچا کے پاس لے کر گئی تھیں۔

ایس ایچ او کی زبانی ریان کا بیان سن کر عائش خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ایس ایچ او نے عائش سے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ سوالات کیے اپنی تسلی کرنے اور کاغذی کارروائی کے بعد ریان کو اس کے سپرد کرتے ہوئے بولا۔

''عائش صاحب اور علیزے بی بی گھر بچوں سے مکمل ہوتا ہے۔ زیادہ تر وہی بچے گھر سے فرار ہوتے ہیں جو گھریلو ماحول اور ماں، باپ کے رویے سے ڈسٹرب ہوتے ہیں۔شکر کریں کہ آپ کا بچہ کسی گروہ کے ہاتھ لگنے سے بچ گیا ورنہ اس کی زندگی تباہ ہو جاتی اور آپ لوگ تمام زندگی اس کی صورت کو ترستے رہ جاتے۔بہتر ہو گا کہ آپ ریان کو کچھ کہنے کے بجائے۔اس کیفیت کو دور کریں جس سے گھبرا کر اس نے بھاگ جانا چاہا تھا۔وہ آئندہ بھی یہ کوشش کر سکتا ہے۔عائش صاحب! آپ نے ایک بیوہ کو سہاگن بنا کر جو مثال قائم کی وہاں اپنے ذہن کو وسیع کرتے ہوئے کوئی ایسی پلاننگ کر لیتے کہ ریان کی شخصیت مستقبل میں ایک ادھورے انسان کے بجائے ایک کامیاب فرد کی ہوتی۔ ماں باپ سے محرومی بچے کی شخصیت پر ہمیشہ برے اثرات ڈالتی ہے۔آگے جو فیصلہ کرنا ہے وہ آپ کو کرنا ہے۔خاکسار صرف مشورہ دے سکتا ہے۔'' ایس ایچ او سے ہاتھ ملا کر عائش علیزے اور ریان کو ساتھ لیے تھانے سے نکلا تو وہ اور علیزے اپنی اپنی جگہ خود کو مجرم سمجھ رہے تھے۔ریان کو ساتھ لے کر عائش علیزے کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو اس نے ممی کی گھورتی نظروں کی پروا نہیں کی رات موقع ملتے ہی اس نے ممی، پاپا کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔

معظم حسن بیٹے کا فیصلہ سنتے ہی خوش ہو گئے۔البتہ شہناز بانو بدستور چپ تھیں۔آخر انہوں نے خود ہی سکوت توڑا۔''اب تم نے ریان کی خاطر یہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے پہلے جب میں نے تم سے کہا تھا کہ تم پاکستان میں اپنے ماں باپ کو تنہا چھوڑ کر جا رہے ہو تو تم نے یہی کہا تھا کہ تم ہمیں اپنے پاس بعد میں بلوا لو گے اب کسی دوسرے کے بچے کی ذمے داری کو پورا کرنے کے لیے تم اپنے فیوچر سے دستبردار ہو رہے ہو۔''

''ممی! میں اپنے فیوچر سے دستبردار نہیں ہو رہا میں آسٹریلیا جاتا رہوں گا میرے پاس وہاں کی نیشنلٹی ہے آپ اور پاپا نے خود فیصلہ کیا تھا کہ آپ دونوں پاکستان میں رہیں گے۔میں نے تو آپ کو اپنے پاس بلایا تھا ابھی تو

میرا پلان پاپا کے ساتھ بزنس کرنے کا ہے۔ فیوچر میں ہو سکتا ہے کہ میں دوبارہ آسٹریلیا میں سیٹل ہو جاؤں ایسا اس وقت ہوگا جب ریان کو وہاں کا ویزہ مل جائے گا۔''

''بہت خوب، تم میرے جذبات کی پروا کیے بغیر جو فیصلہ دل میں آتا ہے کر لیتے ہو۔ یہ گھر میرا ہے ریان کا وجود مجھے یہاں گوارہ نہیں۔'' شہناز بانو، بیٹے کے جذبات کی پروا کیے بغیر بولیں۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ کی خوشی، میں اور میری فیملی اس چھوڑے سے فلیٹ میں شفٹ ہو جاتے ہیں جو پاپا نے کرایہ داروں سے خالی کروا کر مہینوں سے بند چھوڑا ہوا ہے۔''

''کیا ضرورت پڑی ہے تمہیں وہاں جانے کی اتنے بڑے گھر میں ہم دونوں اکیلے رہ کر کیا کریں گے شہناز تمہاری بلاوجہ کی ضد نے تمہیں ہمیشہ نقصان ہی پہنچایا ہے۔'' معظم حسن، بیوی کو سمجھانے لگے۔ عائش حیرت سے اپنی ممی کو دیکھ رہا تھا جنہیں ہمیشہ اپنی انا کی پڑی رہتی تھی۔ کسی دوسرے کے جذبات، احساسات اور دلی کیفیات کی انہیں کبھی پروا نہیں رہی تھی۔

ان کے فیصلوں کو سراہنے والی ان کی اکلوتی بہن تھی جو ہمیشہ انہیں غلط مشورے دیتی تھی۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی عائش، ریان کی خواہش پر ان کے لیے سفید رنگ کا بکرا لایا تھا۔ ریان کو بکرے سے کھیلتے دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے بچپن میں کھو گیا۔ جب وہ پاپا سے اپنی پسند کے رنگ کے بکرے کی فرمائش کرتا تھا اور وہ اس کے منہ سے نکلی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ ریان کو مصروف دیکھ کر وہ اندر لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں صوفے پر شہناز بانو، علیزے کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھیں۔

''بیٹا! میں نے تمہاری دل آزاری کی ہو سکے تو میری اس غلطی کو معاف کر دینا۔''

''ماما! آپ میری امی جیسی ہیں معافی مانگ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔'' عائش حیرت کے عالم میں ساس بہو کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔

''امی! خیریت تو ہے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' عائش نے مسکراتے ہوئے کہا تو شہناز بانو اس کی معنی خیز مسکراہٹ کا مطلب سمجھ گئیں۔

''تم کیوں جیلس ہو رہے ہو علیزے کے دل میں تمہاری جگہ کو میں نہیں لے سکتی بس میں یہ چاہتی ہوں کہ تم دونوں یہاں سے کہیں نہیں جاؤ میرے ساتھ اس گھر میں رہو، ریان اور رومیل کے ساتھ۔''

شہناز بانو کے منہ سے نکلا آخری جملہ سن کر عائش حیرت میں پڑ گیا۔ ممی کے فیصلے میں تبدیلی کہاں سے آ گئی؟ اسے حیرت زدہ چھوڑ کر شہناز بانو کچن میں چلی گئیں۔ بیٹے کی حیرانگی کو وہ محسوس کر چکی تھیں وہ اپنا انا کا بت ہرگز نہیں توڑتیں اگر آج دوپہر میں ان کی ملاقات اپنی بہن ثریا سے نہ ہوتی۔ ثریا نے پہلی بار ان کے سامنے اعتراف کرتے ہوئے ان سے معافی مانگی تھی کہ اس نے مدحت کی محبت میں آ کر ہمیشہ ان کے دل میں بیٹے اور بہو کے خلاف نفرت بھرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر چند روز پہلے مدحت گھر آ کر نہ بیٹھی ہوتی تو اسے اپنی غلطی کا احساس کبھی نہ ہوتا اور وہ اسی طرح شہناز بانو کے غصے کو بھڑکا کر ان کے گھر میں آگ لگاتی رہتی۔

ثریا بانو نے بہن کے سامنے غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لی تھی۔ شہناز بانو کو اپنے رویے کی تلخی کا احساس ہو گیا تھا۔ بہو کے سامنے غلطی کا اعتراف کر کے وہ سرخرو ہو گئی تھی۔ ان کا گھر بکھرنے سے بچ گیا تھا۔ لاؤنج میں بیٹھا عائش، علیزے کے ساتھ شاپنگ کا پلان بنا رہا تھا۔ علیزے چوڑیوں اور مہندی کی فرمائش کر رہی تھی۔ علیزے کا امتحان ختم ہو گیا تھا۔ سہانے مستقبل کا خواب دیکھتی وہ عائش کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اپنی خوشیوں کو نظر نہ لگنے کی دعا کر رہی تھی۔

☆☆☆

بڑی عید کی بڑی خوشیاں

فریدہ جاوید فری

وہ آدھے سے زیادہ کپڑے دھو چکی تھی جب بجلی آئی اور بجلی کے آتے ہی بیل چیخنے لگی۔ جیسے بجلی آنے کا ہی منتظر تھی۔ بیل کسی قربانی کی گائے کی طرح چنگھاڑ رہی تھی۔ بیل بجانے والا انگلی اٹھانا ہی بھول گیا تھا۔ وہ چبوترے پر ہاتھ سے کپڑے دھو رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ بڑبڑا رہی تھی۔ بیڑا غرق جائے ان واپڈا والوں کا جیسے ہی مشین نے چکر لگایا کم بختوں کو معلوم ہو گیا اور جھٹ سے لائٹ بند کر لی۔ صبح سے یہ وقت ہو گیا۔ مگر بجلی نہ آنی تھی اور نہ آئی۔ اب کب تک بجلی کے انتظار میں بیٹھی رہتی۔ آخر کام تو کرنا ہی ہے ناں.....

''ارے باؤلی ہو گئی ہے کیا جو بیٹھی بولے جا رہی ہیں۔ دروازے پر بجنے والی بیل کان کے پردے پھاڑے دے رہی ہے وہ نہیں سنتا تجھے؟ جا اٹھ کر دیکھ کون ہے دروازے پر.....'' اماں ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ چار سنتوں کے بعد انہوں نے سلام پھیر کر کہا۔

''اگر انسان ہو تو ایک دو بار کے بعد بیل نہیں دیتا..... کوئی پاگل ہی لگتا ہے، جو بیل پر انگلی رکھ کر اٹھانا بھول گیا ہے۔'' وہ سرف سے بھرے ہاتھوں کو دوپٹے سے پونچھتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور اس کے ساتھ ہی بیل کی آواز حلق میں گھٹ گئی۔

''اللہ بھلا کرے ان واپڈا والوں کا جن کی وجہ سے کانوں کو سکون ملا۔ نہ بجلی جاتی اور نہ ہی بیل بجنا رکتی۔ اس نے بنا پوچھے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک خوبرو نوجوان ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ لیے کھڑا تھا۔

''یہ مرزا صاحب کا گھر ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''جب یہ پتہ ہی نہیں کہ کس کا گھر ہے تو بلاوجہ بیل بجا کر کانوں کے پردے پھاڑ کر رکھ دیئے۔ اخلاقیات تو چھو کر نہیں گزریں آپ کے نزدیک سے۔''

''سوری'' اس نے ایک بار پھر مسکرا کر اسے دیکھا

اور پھر بولا۔

''یہ مرزا اسد بیگ صاحب کا گھر ہی ہے ناں.....؟'' اس نے بڑے یقین اور تصدیق کے ساتھ کہا۔

''یہ دانتوں کی نمائش کہیں اور جا کر کرنا، یہاں کوئی ڈنٹونک کی کمرشل نہیں چل رہی۔ جو دانت اندر نہیں ہو رہے۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ یہ مرزا اسد بیگ صاحب کا گھر ہے تو اشتہار لکھ دوں کہ یہ مرزا صاحب کا گھر ہے۔ آخر آپ ہیں کون جو بن بلائے مہمان کی طرح آسمان سے بارش کی بوند کی طرح ٹپک پڑے ہیں۔''

''بہت شکریہ آپ کا۔'' وہ کہتا ہوا اس کے پہلو سے نکلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

''ارے ارے..... ہیں کون آپ.....؟ جو یوں اندر چلے آئے۔ جان نہ پہچان بڑی خالہ کو سلام۔ چلتے بنیے یہاں سے باہر کا راستہ وہ ہی ہے جدھر سے آپ آئے ہیں۔ وہ اس کا بازو پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلنے لگی۔

اتنے میں اماں نے سلام پھیرا اور بولیں۔

''یہ دھنگا مستی کس خوشی میں ہو رہی ہے؟ کسی غیر مرد کے ساتھ بنا جان پہچان کے اندر لے کر کیوں آئی تو.....'' اماں نے نوجوان کو گھورتے ہوئے اسے ڈانٹا۔

''میں کیا جانو چور اچکا کون ہے بنا اجازت کے اندر گھسا آیا۔ نجانے دہشت گرد ہے یا کوئی جاسوس ہے۔''

''توبہ اللہ ہدایت دے آپ کو۔ چور، اچکا، دہشت گرد، جاسوس، نجانے کیا کیا بنا ڈالا۔'' اس نے کنول کو مسکرا کر گہری نظروں سے دیکھا اور نماز کی چوکی پر بیٹھی اماں کی طرف بڑھا۔

''السلام علیکم خالہ جان، کیسی ہیں آپ؟'' وہ ان کے آگے سر جھکا کر کھڑا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

پریشان نہ ہوں۔ جیسا کہ ابھی آپ کی بیٹی محترمہ نے میرے بارے میں انکشاف کیا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی ذریعہ معاش نہیں میرا۔ میں تو سیدھا سادا شریف سا انسان اور آپ کی بیٹی ریحانہ کی پھوپھو ساس کا بیٹا حیدر ہوں۔ حیدر آباد سے آیا ہوں۔ آپ کے شہر میں آیا تھا، آپ لوگوں سے ملنے چلا آیا۔ کیا ریحانہ بھابی نے نہیں بتایا آپ کو.....''

''نہیں ریحانہ نے تو نہیں بتایا..... آؤ، آؤ بیٹھو.....'' انہوں نے اٹھتے ہوئے برآمدے میں رکھے چھوٹے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''سنیں کیا کہوں میں..... کنول کی طرف سے میں معذرت کرتی ہوں۔ مجھے غصہ آ گیا نجانے کیا کیا بول گئی تمہیں.....''

''میں کیوں بول گئی ان صاحب کی اپنی حرکتیں اچھی نہیں۔'' کیوں الجھے مجھ سے آپ کو تو بس آئے گئے کے سامنے مجھے برا بھلا کہنے کا موقع ملنا چاہیے۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی پھر سے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف بڑھ گئی۔

اماں نے حیدر کو ڈرائنگ روم میں جانے کا کہا لیکن اس نے برآمدے میں بیٹھنے پر ہی اکتفا کیا۔ وہ باتیں اماں سے کر رہا تھا مگر نظریں کنول پر جمائی ہوئی تھیں۔ اماں کچھ دیر بعد اٹھیں اور اس کے پاس آ کر بولیں۔

''مہمان کے لیے کچھ ٹھنڈا لے آؤ اتنی گرمی میں آیا ہے۔ کولڈ ڈرنک کے ساتھ فالسے کا شربت بھی لے آنا۔ اس کے لیے کھانا بنا لو پھر باقی کپڑے دھو لینا۔''

''مہمان نہ ہوا بلا کے جان ہو گیا۔ ڈھیر کپڑوں کا پڑا ہے اوپر سے کھانے کی مصیبت کھا کر نہیں آ سکتا تھا۔'' کنول پتلی سی ناک کو سکوڑتے ہوئے بولی۔ کام ادھورا چھوڑ کے اٹھنا اسے بہت ناگوار گزر رہا تھا۔ سوچ

سمجھ کر بولا کرو بس جو منہ میں آتا ہے بات کر دیتی ہو کبھی تو کسی کا لحاظ کر لیا کرو۔

''میرے لیے ہی رہ گئی ہیں سب مصیبتیں..... ریحانہ کا دیور ہے میرا نہیں..... جو پتہ ہاتھ میں تھما کر روانہ کر دیا جیسے اماں بابا نے اس کی خدمت کے لیے ملازم رکھے ہوئے ہیں۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی آئی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ حیدر کو ان کی باتوں کی سمجھ تو نہیں آئی تھی۔ لیکن وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے ناگواری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے ٹرے میں دو گلاس رکھے ایک میں سیون اپ اور دوسرے میں فالسے کا شربت اور اس کے سامنے ٹرے رکھ کر پلٹ گئی۔ اماں نے حیدر کو دیکھا اور نادم سی ہو گئیں۔

''پی لو بیٹا اتنی گرمی میں آئے ہو۔''

وہ کنول کی اس عادت سے بہت تنگ اور پریشان رہتی تھیں۔ وہ سمجھا سمجھا کر اسے تھک گئی تھیں مگر ان کی ایک بات پر کان نہ دھرتی الٹا انہیں بولتی تھی۔

نام تو اس کا کنول تھا مگر اپنے نام سے بے حد مختلف .....اس کا نام سن کر شخصیت کا جو خاکہ بنتا تھا اسے دیکھنے کے بعد خاک میں مل جاتا۔ اس لیے کہ وہ اپنے نام کے بالکل برعکس تھی۔ سلائی سا بدن، بانس جیسا قد، سانولی رنگت چھوٹی آنکھیں، لمبی ناک اس کی شخصیت میں ذرا بھی تو چارم نہیں تھا۔ وہ اکثر اس بات پر چڑ جاتی کہ اماں ابا نے کیا سوچ کر اس کا نام کنول رکھا ہے اور یہ مزاج اس کا اپنا نہیں بلکہ بہن بھائیوں اور لوگوں کے رویوں کی مرہون منت تھا۔ وہ بے حد تلخ مزاج لڑکی تھی۔ اسے اچھی طرح احساس تھا کہ اس سے کوئی سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔

وہ کچن میں اٹھ پٹخ رہی تھی تب اماں کی آواز پر ایک دم پلٹی۔

''اگر اللہ نے صورت اچھی نہیں دی تو اخلاق ہی اچھا کر لو۔ ہر وقت کڑوے بادام کی طرح کڑوا بولتی ہو۔ کم از کم کسی آئے گئے کا خیال کر لیا کرو۔''

''کسی غیر کے لیے برا بھلا بول کر آپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا میں اتنی ہی زہر لگتی ہوں تو پیدا ہوتے ہی گلا دبا دیتیں میرا۔ ہر وقت کی نصیحتوں سے مر جانا اچھا تھا۔''

''موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ جلدی سے چاول بگھار لو اور دال اور رائتہ بنا لو اور ساتھ ہرے پودینے کی چٹنی ضرور بنانا، جلدی میں تو یہ ہی کافی ہے باقی شام کو دیکھیں گے۔''

''مطلب سب کام چھوڑ کے کچن میں گھسی رہوں۔ روکنے کی ضرورت نہیں ہے چلتا کریں اس کو۔'' ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کروں؟

شرم کرو۔ اپنی مرضی سے آیا ہے اور اپنی مرضی سے ہی جائے گا اور مہمان تو خدا کی رحمت ہوتا ہے۔ اب کوئی بات نہ سنو تمہاری زبان سے۔'' وہ کہتی ہوئی پھر سے برآمدے میں چلی آئیں۔

''خالہ کھانے کے لیے تکلف نہ کریں میں کھا کر آیا ہوں۔''

''تکلف کی کیا بات۔ کھانا تو بنتا ہی ہے گھر میں بس ساتھ میں چاول بگھارے ہیں۔ کچھ دیر میں کھانا تیار ہو جائے گا۔ کنول جھٹ پٹ کام کر لیتی ہے۔''

اماں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا'' اس نے آہستہ سے کہا۔ جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس کے برعکس ہی پایا تھا اس نے کنول کو۔

اس نے کھانا لگایا اور پھر سے کپڑوں سے پانی نکالنے لگی وہ ابھی نل پر بیٹھی اپنے کام میں مصروف تھی کہ وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھونے بیسن پر چلا آیا۔

''بہت محنت کرتی ہیں آپ! باقی شام میں دھو لینا۔ کیوں جان ناتواں پر ظلم کرتی ہیں۔''

''اس ہمدردی کی خاص وجہ؟''

''میرا مطلب ہے شام تک تو آپ آدھی رہ

جائیں گی۔''

''کیا.....؟'' وہ چیخی اور وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

''ذلیل کمینہ، اس نے گالیوں سے نوازا.....اور پھر قمیص کو اتنی زور سے جھٹکا کہ بازو میں درد کی لہریں ابھرنے لگیں۔ اس نے لائٹ آتے ہی باقی کپڑے مشین میں ڈالے اور چکر چلا دیا۔ شام سے پہلے وہ سارے کام اور صحن کو دھو کر فارغ ہوگئی۔ کیونکہ مہمان کے لیے شام کا کھانا بھی بنانا تھا۔ اس کے بازو میں درد ہو رہا تھا۔ وہ بیٹھی ہوئی دبا رہی تھی کہ وہ آ گیا۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ جان ناتواں پر کیوں ظلم کرتی ہیں۔ لیکن آپ نے سنا ہی نہیں۔ بہت زیادہ درد ہو رہا ہے۔'' وہ ادھر سے گزرا تو اسے دیکھ کر وہیں رک گیا۔ اس وقت ایک تو بازو میں درد تھا دوسرا دن بھر کی تھکی ہاری تھی۔ اس سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''آپ کو دیکھ کر ہی لگتا ہے ذرا سی ٹھیس لگی تو چیخ جاؤ گی مگر آپ نے سنا ہی نہیں۔ اب میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ لائیے بازو میں دبا دوں۔ کیونکہ آپ اپنا بازو چھوڑ کر میرا گلا دبا دیں گی۔ اس نے پاس پڑا مٹی کا گلاس اٹھا کر اسے مارا جو اس نے آسانی سے کیچ کر لیا۔''

''ویسے آپ آئے کس ارادے سے ہیں یہاں؟'' اس نے تیکھے لہجے میں ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایک طلب یہاں کھینچ لائی ہے۔''

''کیسی طلب؟'' اس کی بات کے جواب میں سٹپٹائی۔

''فقط ایک مسکراہٹ کا، بدلیوں میں چمکتا چاند کیسا لگتا ہے۔'' اس نے اس کی کالی رنگ اور موتیوں جیسے سفید دانتوں کو نشانہ بنایا۔

''تم.....تم.....'' وہ دانت کچکچاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

''ایک تمہاری ہی کمی رہ گئی تھی، ذلیل، کمینے انسان۔'' وہ سارے ادب و آداب بالائے طاق رکھ کر اس پر جھپٹ پڑی۔ اس نے بہت آہنگی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''کہا تھا ناں کہ تم اتنی نازک ہو ذرا سی ٹھیس لگی تو ہڈیاں چیخ جائیں گی۔'' اس نے کنول کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈالا اور بہت آرام سے چھوڑ دیئے۔ اماں کمرے سے باہر نکلیں تو اسے حیدر کی طرف لپکتے ہوئے دیکھ کر غصے سے دیکھا۔ جب کہ حیدر اندر جا چکا تھا۔

''کنول یہ بچوں جیسی عادتیں کب جائیں گی۔ یہ حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ تمہیں اپنا تو خیال نہیں، کچھ ہمارا ہی خیال کرلو، مہمان ہے وہ کیا سوچے گا۔''

بس بس اماں رہنے دیں۔ مہمان کو بولیں اپنی اوقات میں رہے..... وہ پھنکاری۔

''تو کب تک میرے سینے پر بیٹھی مونگ دلتی رہے گی۔ کبھی بہن بھائیوں سے بنی نہ اب کسی آئے گئے کو برداشت کرتی ہے۔ ایسے کیسے گزارا ہوگا تیرا۔

''جیسے ہو رہا ہے اور میں صاف لفظوں میں کہہ رہی ہوں بتا دینا ریحانہ کے دیور کو کہ اگر اپنی عزت عزیز ہے تو میرے منہ نہ لگے۔ پھر ریحانہ سسرال میں بے عزت ہو یا اس گھر میں آ کر چیخے چلائے میری صحت پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہوئی کچن میں چلی آئی اور اماں ماتھا پیٹ کر رہ گئیں۔

ابھی وہ مٹر چھیلنے ہی لگی تھی کہ وہ دروازے میں کھڑا بولا۔ ''ایک گلاس ٹھنڈا پانی مل جائے گا۔''

''ایک گلاس سے کیا بنے گا تمہارا، موٹر چلا کر نل سے منہ لگا کر پیٹ بھر کے پانی پی لو۔''

''لیکن کلیجے میں اس سے ٹھنڈ نہیں پڑے گی۔ ٹھنڈے پانی کے ساتھ تمہاری کڑوی کسیلی باتیں سننے کا اپنا ہی مزا ہے۔''

''سامنے دیکھیں فریج نظر آ رہا ہے ناں..... یہ

گلاس اٹھائیں بوتل نکال کر ٹھنڈا پانی گلاس میں انڈیلو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' اس نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''اپنے ہاتھ کا کھانا کھلا دیں پھر دفع ہو جاؤں گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا اور کچن سے نکل آیا۔

اگلے دو دن تک وہ اس کے سر پر یوں ہی سوار رہا۔ اور پھر گھر میں نظر نہیں آیا۔ اس نے شکر کا کلمہ ادا کیا۔ وہ اس مہمان بلکہ بلا کے جان سے تنگ آ گئی تھی۔ ابھی اس نے سکون کا سانس بھی ٹھیک سے نہ لیا تھا کہ وہ دو دن بعد پھر سے آن دھمکا۔ وہ چھت پر کھڑی اسے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے دیکھ چکی تھی۔ وہ دیوار پر بازو لگائے ان پر چہرہ رکھے سڑک پر بھاگتی دوڑتی ٹریفک کو دیکھنے میں مگن ہو گئی۔ تب اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے ذرا سا رخ موڑ کر دیکھا۔

''کیا ہو رہا ہے حسین لڑکی؟'' اس کے لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

''تم یہاں بھی آ گئے میرا پیچھا کرتے ہوئے؟ اور طنز کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے تمہیں؟''

ہاں بہت کچھ..... ذرا اظہار خیال کا موقع تو دو۔ سارے شکوے دور ہو جائیں گے تمہارے۔

''آئے کس مقصد کے لیے ہو یہاں؟'' اس بار اس کا لہجہ نرم تھا۔

''کہاں ناں کسی کی طلب کھینچ لائی۔''

''کیا مطلب؟''

''ویسے تمہارا صحیح نام کیا ہے؟ اس نے کنول کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے الٹا سوال کر دیا۔

''کلو، کلوئی، بانس سی، کڑوا بادام، نمکولی ایسے بہت سارے نام ہیں میرے۔''

''واہ بہت خوب، اتنے سارے خوب صورت نام، تمہاری طرح۔''

''میرے اپنوں نے دیئے ہیں یہ سب نام۔''

شیخ چلی کا بکرا

بکرا عید کی چاند رات ہو
اک خوبرو بکرا میرے ساتھ ہو
بھوری آنکھیں اور وہ سفید فام ہو
عادتیں اس کی بے مثال ہوں
گوشت اس میں بے حساب ہو
عمر بس اس کی ایک سال ہو
ماتھے پہ اس کے ایک چاند ہو
پورے شہر میں وہ نایاب ہو
دیکھ کر لوگ اسے حیران ہوں
بس قیمت اس کی دو تین ہزار ہو

(مرسلہ: بینش رمضان ساہیوال)

''ہوں..... لیکن گلاب کو کسی بھی نام سے پکارو وہ گلاب ہی رہتا ہے۔''

''گلاب اور میں؟ کسی اور کو بنانا..... میں بے وقوف نہیں۔''

''چلو تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔ جانتی ہو میں یہاں کیوں اور کس لیے آیا ہوں۔''

''نہیں.....''

''اچھا تو سنو، تمہاری بہن ریحانہ تمہارے مزاج کی وجہ سے پریشان رہتی ہے میں نے بھابی کو کہا ایسی بدمزاج لڑکیاں اندر سے بہت نرم حساس اور ٹوٹ کر چاہنے والی ہوتی ہیں۔ تب بھابی نے کہا یہ سب میری بہن کے برعکس ہے۔ اس سے بات کرو تو کرنٹ دوڑ جاتا ہے۔ وہ ایک کانٹوں والا پودا ہے جو ہاتھ لگاتے ہی دوسرے کو لہولہان کر دیتا ہے لیکن میں ریحانہ بھابی کی بات سے متفق نہیں تھا اور اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ تمہاری بہن نے چیلنج کیا کہ ایک بار تم سے مل لوں پھر بتانا اور میں اس چیلنج کو قبول کر کے تمہارے گھر چلا آیا۔ بقول

ان کے تم جیسی اوپر سے کھردری ہو اندر سے اس سے بھی زیادہ..... خیر اپنے وعدے کے مطابق آ گیا.....''

''یہ ریحانہ نے کہا.....'' اس نے دکھ سے کہا۔

''ہاں..... اور بہت کچھ جو اس وقت مجھے یاد نہیں۔''

''اچھا.....'' دکھ مسکراہٹ کی صورت میں اس کے لبوں پر آ گیا۔

''لیکن یہ مجھے ازبر ہو چکا ہے کہ واپسی پر جا کر میں نے ان سے کیا کہنا ہے۔''

''کیا کہنا ہے۔'' اس نے گم صم سے لہجے میں پوچھا۔

''یہ ہی کہ اس کانٹوں والے پودے پر کانٹے نہیں گلاب، چنبیلی کے پھول کھلے ہیں جن کی دھیمی دھیمی مہک نے مجھے اپنا اسیر کر لیا ہے۔ میں ایک ایسی لڑکی کو ڈھونڈ نکالا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔

''کیا..... کیا.....'' وہ جیسے ایک دم خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آئی۔

''تم شرط لگا کے آئے ہو اور میرا مذاق اڑا رہے ہو میں تمہاری لچھے دار چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنے والی۔'' اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

''پاگل ہو میں کیا شرط لگاؤں گا بھلا، کوئی اپنی زندگی سے بھی مذاق کرتا ہے۔''

''جب میرے بہن بھائی میرا مذاق کر سکتے ہیں تو پھر تم تو.....''

''میں لچھے دار باتیں کرتا، میں تو سیدھی صاف ستھری بات کرنے کا عادی ہوں، تم اجازت دو یا نہ دو، میں اس بڑی عید پر تمہارا ساتھ چاہتا ہوں۔ میں امی کو لینے جا رہا ہوں اور کچھ دنوں میں تمہارے جملہ حقوق اپنے نام لکھوالوں گا پھر یقین آئے گا تمہیں۔''

''ہاں'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا اور احساس ہونے پر نادم سی ہو گئی۔ بس ان کو بتا چکا ہوں کہ مجھے کٹ کھنی بلی پسند آ گئی ہے جوان.....''

وہ اس پر جھپٹی۔

''جوان کی بہو بننے کے قابل ہے اور بلی کی طرح پنجے مارتی ہے۔''

اس نے کنول کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور اپنی گرفت ان پر مضبوط کر دی۔ اس پل اسے اپنا نازک سا وجود اچھا اور ایک نعمت لگا ورنہ وہ اس کا وہ حشر کرتی کہ وہ ساری زندگی یاد رکھتا۔

''محبت تو اچھے اچھے بندوں کو جھکا دیتی ہے تم کیا چیز ہو کٹ کھنی بلی.....''

اس نے ایک پل کو اسے دیکھا اور پھر اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر سر جھکا گئی۔

یہ مزاج یہ رویہ اس کے اپنوں نے دیا تھا لیکن اللہ نے اپنی رحمت کے دروازے اس پر کھول دیئے تھے۔ انسانی سب شکایتیں دور ہو گئی تھیں۔ وہ اپنی قسمت پر ناداں تھی بن مانگے اللہ نے بہت کچھ دیا تھا۔

''کنول'' اس نے پیار سے سرگوشی کی۔

''ضروری نہیں کہ توڑے جانے والا ہر بادام ہی کڑوا ہو۔ کچھ بادام اتنے میٹھے ہوتے ہیں کہ فوراً اس کی مٹھاس من میں گھل جاتی ہے۔''

''بادام، یہاں، کیا مطلب..... اور جب اسے سمجھ آئی تو اس نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر ایک دم کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

''پتہ ہے اس بار میری قسمت خالی نہیں نکلی اور نہ ہی بادام کڑوا نکلا۔ ضروری نہیں بڑی عید پر جانوروں کی قربانی ہو۔ بعض اوقات انسانوں کو بھی قربانی دینی پڑتی ہے۔ آئی لو یو کنول.....

بڑی عید بڑی خوشیاں لے کر آئی ہے۔ میرے لیے سچی خوشیاں اور تب وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر شانت ہو گئی۔

☆☆☆

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو

ممتاز احمد

آج میں شرارت کے موڈ میں تھی۔ حسن کے آفس جانے کے دو گھنٹے بعد میں نے ان کے موبائل پر میسج بھیجنے شروع کر دیئے تو حسن کا جواب آیا کہ عاتکہ میں بہت مصروف ہوں۔ پلیز اب میسج نہ بھیجنا۔

مگر میں کب ماننے والی تھی میں نے ان کو اور میسج بھیجنے شروع کر دیئے۔ بار بار مس بیل مارتی اور کبھی رومانٹیک شاعری، کبھی مزاحیہ میسج اور کبھی جنرل میسج وغیرہ بھیجنا شروع کر دیتی۔ تقریباً دو گھنٹے یہ سلسلہ چلتا رہا۔ حسن نے مجھے پیار سے بھی بولا، ڈانٹا بھی مگر میرے سر پر شرارت اور انہیں تنگ کرنے کا بھوت سوار تھا۔ جب حسن کے سمجھانے کے باوجود میں باز نہ آئی تو بالآخر حسن نے مجھے بلاک کر دیا۔

☆☆☆

میں اور حسن ایک ہی کلاس اور یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ حسن شروع سے ہی بہت لائق فائق اور ذہین تھے۔ ہر امتحان میں اے پلس گریڈ لیتے جبکہ میں پڑھائی میں بہت کمزور تھی۔ بمشکل پچاس فیصد نمبر حاصل کر پاتی۔ چنانچہ حسن سے مدد لینی پڑتی۔

میں اپنی کلاس کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ لمبا قد، گورا رنگ، لمبے سیاہ بال، ستواں ناک، موٹی موٹی غزالی آنکھیں، بہت سے لڑکوں نے مجھ سے لفٹ مانگی مگر میں کسی کو لفٹ نہیں کرواتی تھی اور تو اور کسی لڑکی سے بھی کوئی دوستی نہ تھی۔ ہمیشہ اپنے موڈ میں رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ میں یونیورسٹی میں مغرور حسینہ کے لقب سے مشہور تھی۔

ایک دن کلاس ختم ہوگئی سب سٹوڈنٹس کلاس روم سے باہر چلے گئے حسن ابھی تک اپنی نشست پر بیٹھے آج کے ہونے والے لیکچر کے اہم پوائنٹس لکھ رہے تھے جبکہ میں ان سے ملنے کے لیے رک گئی۔

چند منٹ کے بعد جب حسن فری ہو گئے تو میں نے ان سے مدد مانگی پہلے تو چند لمحے وہ میرے چہرے کی طرف بڑے غور سے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے میری مدد کرنے کا وعدہ کر لیا۔

دراصل فائنل سمسٹر کا سٹارٹ تھا اور یہ سمسٹر بہت مشکل تھا بہت سارے سوالات اور باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ حسن اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا تھا کبھی کسی سے کوئی فالتو بات نہیں کرتا تھا اور اس کی بھی کسی کے ساتھ کوئی دوستی نہیں تھی۔

اب یہ ہونے لگا جب بھی ہمارا کوئی پیریڈ خالی ہوتا تو ہم دونوں لائبریری چلے جاتے اور حسن مجھے مشکل سوالات سمجھاتے آہستہ آہستہ مجھے سمجھ آنے لگی اور میری تعلیمی پوزیشن بہتر ہونے لگی۔ آنے والے چھ مہینوں میں پہلے تو حسن کے ساتھ میری دوستی ہوئی اور پھر یہ دوستی محبت میں بدل گئی۔

اب ہم دونوں ہر جگہ اکٹھے دیکھے جاتے کلاس روم میں ہماری نشستیں ساتھ ساتھ ہوتی تھیں الغرض فائنل ایگزام تک ہم یک جان دو قالب بن چکے تھے۔ رات کو روزانہ ایک گھنٹہ ہماری موبائل پر بات ہوتی تھی۔ جب فائنل ایگزام شروع ہونے میں چند دن رہ گئے تو یونیورسٹی والوں نے ہمیں فری کر دیا۔ اب یونیورسٹی تو جانا نہیں ہوتا تھا تو آجا کے ایک موبائل ہی واحد ذریعہ تھا جس سے ہم آپس میں بات کرتے تھے۔

جب ایگزام شروع ہوئے تو ساری توجہ پڑھائی کی طرف مرکوز ہوگئی۔ پورا ایک مہینہ ایگزام ہوتے رہے میرے تمام کے تمام پیپرز بہت اچھے ہوئے اور یہ سارا کریڈٹ حسن کو جاتا ہے جس کی وجہ سے پیپرز بہت اچھے ہوئے۔ جس دن میں آخری پیپر دے کر گھر آئی تو لمبی تان کے سوئی۔

میرا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ نہ ہم بہت امیر تھے اور نہ ہی غریب بس اللہ کا شکر تھا۔ وقت بہت اچھا گزر رہا تھا۔ کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی۔ ہم دو بہنیں اور ایک بھائی

ہیں۔سب سے بڑی میں، مجھ سے دو سال چھوٹا بھائی اور اس سے دو سال چھوٹی ایک بہن ہے۔ ابو کا شہر میں ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور تھا جس میں وہ صبح صبح چلے جاتے اور رات کو گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے واپس گھر آتے۔انہوں نے اپنے سٹور میں دو تین سیل مین رکھے ہوئے تھے سارا نظام بہت خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔

ایگزام کا رزلٹ آنے تک میری حسن سے خوب باتیں ہوتی کبھی کالز پر اور کبھی میسجنگ پر۔دن کے ٹائم میسج ہوتے اور رات کو گھنٹہ دو گھنٹے ہماری کال پہ لازمی بات ہوتی۔

امی اکثر مجھ سے پوچھتیں کہ یہ تم کس سے باتیں کرتی رہتی ہو تو میں بہانہ بناتی کہ ایک سہیلی سے بات ہوتی ہے۔ حسن شروع سے ہی ایک حساس دل رکھنے والا لڑکا تھا حسن کی تین بہنیں تھیں اور وہ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔دو بہنیں اس سے بڑی تھیں جن کی شادیاں ہو چکی تھیں اور وہ اپنے اپنے گھروں میں خوش باش زندگی گزار رہی تھیں۔

حسن ابھی آٹھویں کلاس میں پڑھ رہا تھا جب اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو اس کے ابو نے دوسری شادی نہ کی وہ ایک سرکاری افسر تھے۔ان کے قریبی دوست احباب نے ان کو مشورہ دیا کہ دوسری شادی کر لیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر دوسری شادی سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے بچوں پر سوتیلی ماں نہیں لے کر آئیں گے۔

انہوں نے حسن کی دونوں بہنوں کی یکے بعد دیگرے شادیاں کر دی تھیں اب حسن نے گریجوایشن کا امتحان دے رکھا تھا۔حسن سے چھوٹی ایک بہن میٹرک کر رہی تھی۔

تین مہینے کے بعد رزلٹ آ گیا حسب معمول حسن کا اے پلس گریڈ آیا جبکہ میرا بی گریڈ آیا۔ہم بہت خوش تھے سچ تو یہ ہے کہ میرا بی گریڈ حسن کی وجہ سے آیا اگر حسن پڑھائی میں میری مدد نہ کرتے تو یا میں فیل ہو جاتی یا چالیس فیصد نمبر لیتی۔ گریجویشن کے بعد حسن نے ماسٹرز کرنے کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا جبکہ میں نے پڑھائی کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا اور امی کے ساتھ گھر داری میں مشغول ہو گئی۔مگر حسن کے ساتھ رابطہ مسلسل رہا۔

کوئی ایک سال گزرا تو ہارٹ اٹیک کے نتیجے میں ابو کی موت واقع ہو گئی۔ابو کی بے وقت موت نے سارا نظام درہم برہم کر دیا۔امی کو بہت صدمہ ہوا جبکہ بھائی جو کہ اس وقت انٹر میں پڑھ رہا تھا کو اپنی پڑھائی چھوڑنی پڑی اور ابو کی جگہ ڈیپارٹمینٹل سٹور سنبھالنا پڑا۔ہم ابو کو یاد کر کے بہت روتے تھے تو اس موقع پر حسن نے مجھے بہت تسلی، حوصلہ اور دلاسا دیا۔

سنبھلتے سنبھلتے پورا سال لگ گیا۔ادھر حسن نے ماسٹرز کا فائنل ایگزام دے دیا تھا اب وہ رزلٹ کے انتظار میں تھا۔اب میرا اصرار دن بدن بڑھنے لگا کہ جلدی سے میرا رشتہ مانگ لو جس پر وہ مجھے تھوڑا صبر کرنے کا کہتا۔بقول حسن کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے اور کچھ کمانے کے قابل ہو جائے تو رشتہ مانگنے ہمارے گھر آئیں گے۔

میرا یہ کہنا تھا کہ میرا رشتہ قبول کر لیں شادی تب کریں جب حسن برسر روزگار ہو جائے گا۔اب تو میں نے اپنی امی کو بھی ان کے پوچھنے پر اپنی پسند بتا دی تھی۔اب امی کا دباؤ بھی مجھ پر بڑھ رہا تھا کہ میں حسن کو رشتہ مانگنے کا کہوں تو اس وجہ سے میرا اصرار بڑھتا گیا۔

ایک دن حسن کی کال آئی تو اس نے بتایا کہ اس نے میرے رشتے کی بات ابو سے کی ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ تمہاری مرحومہ ماں تمہارا رشتہ اپنی سگی بھانجی کے ساتھ طے کر گئی تھیں تو میں تمہاری ماں کا دیا ہوا قول نبھاؤں گا۔تمہاری شادی تمہاری خالہ زاد کے ساتھ ہی ہو گی۔

یار عاتکہ میں خود اپنی خالہ زاد سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میں بہت پریشان ہوں۔اس سے آگے کی حسن کی باتیں میں سن نہ سکی کیونکہ میں نے کال کاٹ کر اپنا موبائل ہی آف کر دیا تھا۔میں ساری رات روتی رہی کیونکہ میں نے دل و جان کے ساتھ حسن کو چاہا تھا۔حسن سے بے پناہ محبت اور پیار کیا تھا۔ہر نماز کے بعد دعا میں حسن کو مانگا تھا۔مگر حسن کی شادی اس کی خالہ زاد سے ہو گی یہ سن کر میرا دل ٹوٹ گیا۔میں بکھر گئی۔مجھے اپنا ہوش نہ رہا اور پورے دس دن بخار میں تپتی رہی۔میں کافی

کمزور ہوگئی تھی کچھ کھانے پینے کو دل نہیں کرتا تھا۔ اسی کیفیت میں پورے دو ماہ گزر گئے۔ امی دن رات میری حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتی تھیں۔

ایک دن شام کا ٹائم تھا میری طبیعت اس روز کچھ بہتر تھی میں نے چائے بنائی اور آج پورے دو ماہ کے بعد اپنا موبائل آن کیا پندرہ منٹ کے بعد حسن کی کالز آنی شروع ہوگئیں۔ مگر میں نے اس کی کال نہیں سنی۔ پھر اس نے میسج بھیجے کہ پلیز میری کال اٹینڈ کرو تمہیں خوشخبری سنانی ہے۔ تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اس کی کال پک کر لی تو حسن نے کہا شکر ہے عاتکہ تم نے اپنا موبائل آن کیا ہے۔ وہ پچھلے پندرہ دن سے مجھے کالز کر رہا تھا مگر ہر بار میرا موبائل پاور آف ملتا تھا۔

حسن نے بتایا کہ ایک نہیں، دو نہیں پوری تین خوشخبریاں سنانی ہیں۔

میں نے کہا جی سنائیں تو حسن نے بتایا کہ پہلی خوشخبری یہ ہے کہ اس کا ماسٹرز کا رزلٹ اے پلس آیا ہے۔ دوسری خوشخبری اسے ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی جاب مل گئی ہے اور تیسری سب سے خاص خوشخبری یہ کہ ابو میری شادی تمہارے ساتھ کرنے پر رضامند ہوگئے ہیں۔

یہ سب کچھ سن کر مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا میں دم بخود رہ گئی۔ میں نے حسن سے پوچھا کیا آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟ تو حسن کہنے لگا کہ وہ سیریس ہے۔ اصل میں اس کی خالہ زاد کسی اور کو پسند کرتی ہے تو اس وجہ سے اس سے شادی نہیں ہو رہی۔

قصہ مختصر دو دن کے بعد حسن کے والد صاحب اور اس کی تینوں بہنیں مجھے دیکھنے آئیں اور آتے ہی مجھے پسند کر لیا تو اس طرح تین ماہ کے اندر اندر میری شادی حسن سے ہوگئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش تھے۔

ہماری شادی کو دو سال ہونے والے تھے زندگی بڑے سکھ چین سے گزر رہی تھی ہر طرف پیار ہی پیار تھا ہماری ایک دفعہ بھی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ ہم ہنسی خوشی رہ رہے تھے مگر جب حسن نے مجھے بلاک کر دیا تو مجھے بہت غصہ آیا۔

آج شادی کے بعد مجھے پہلی دفعہ حسن پر بہت غصہ آیا۔ میں شام تک حسن کے موبائل پر کالز ملاتی رہی اور میسج سینڈ کرتی رہی مگر نہ تو میری کال اس کے موبائل پر جا رہی تھی اور نہ ہی میسج کیونکہ اس نے مجھے بلاک کیا ہوا تھا۔

رات کے دس بج گئے نہ تو حسن نے مجھے ان بلاک کیا اور نہ ہی وہ خود آئے حالانکہ وہ رات آٹھ بجے تک ہر صورت آ جایا کرتے تھے۔ رات گیارہ بج حسن گھر آئے میں بیڈ پر لیٹی سونے کی ایکٹنگ کرتی رہی۔ حسن کا منہ پھولا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے نہ تو جگانے کی کوشش کی اور نہ ہی کھانا کھایا آتے ہی اپنا ڈریس چینج کیا اور سو گئے۔ میں انہیں نیم وا آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

صبح وہ حسب معمول بیدار ہوئے انہوں نے نہ مجھے بلایا اور نہ ہی میں نے انہیں بلایا وہ تیار ہو کر بغیر ناشتہ کیے آفس چلے گئے۔ مجھے ان پر اور زیادہ غصہ آیا تو میں نے بھی اپنا بیگ اٹھایا اور حسن کی بہن کو بتایا کہ اپنی امی کے گھر جا رہی ہوں چنانچہ میں اپنی امی کے گھر آ گئی۔

امی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ تمہیں فون کرنے والی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے آ جاؤ۔

میں نے پوچھا کہ خیریت.....؟ تو کہنے لگیں ہاں ہر طرح سے خیریت ہی ہے..... بس تم سے ملنے کو دل اداس ہو رہا تھا۔ دوسرا تمہارے بھائی کے لیے رشتہ ڈھونڈنا ہے تو تم سے صلاح مشورے کے لیے دل کر رہا تھا۔

میرے ساتھ میرا بیگ دیکھ کر امی پوچھنے لگیں کہ کتنے دن کے لیے آئی ہو.....؟

تو میں نے جھوٹ بولا کہ حسن کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف سٹی گئے ہیں تو ان کے آنے تک میں آپ کے پاس ہی رہوں گی۔

امی میری بات سن کر مطمئن ہوگئیں جبکہ میں مطمئن نہیں تھی کیونکہ میرا موبائل آن تھا مگر نہ تو حسن کی کال آئی اور نہ ہی کوئی میسج۔

دن پر دن گزرتے گئے مگر حسن کی طرف سے کوئی کال یا

میسج نہ آیا۔ آج مجھے امی کے ہاں آئے پورے بارہ دن ہو گئے تھے۔ اس دن جمعہ تھا تو میرا چھوٹا بھائی گھر میں ہی تھا میں نے اس سے اس کی پسند پوچھی پہلے تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا اور پھر جب اس نے اپنی پسند بتائی تو میں حیران رہ گئی۔

جی ہاں اس کی پسند حسن کی چھوٹی بہن یعنی کہ میری نند تھی بلکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے اور ہمیں اب تک ان دونوں کی آپس میں پسند کا پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ اس دن چودہ ستمبر تھا تو اچانک مجھے دن آیا کہ پندرہ ستمبر کو تو حسن کی برتھ ڈے ہے۔ مگر آج بارہ دن ہو گئے ہیں حسن نے پلٹ کر مجھے پوچھا تک نہیں۔ ابھی انہی سوچوں میں گم تھی کہ میری طبیعت خراب ہو گئی۔

مجھے شدید ابکائیاں اور قے آنی شروع ہو گئی۔ امی مجھے فوراً قریبی ہسپتال لے گئیں تو لیڈی ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد خوشخبری سنائی کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ اس نے مجھے دوائی دی جس سے میری طبیعت کچھ بہتر ہو گئی۔ اب اگلے دن حسن کی برتھ ڈے تھی مگر اس نے ابھی تک مجھ سے رابطہ نہ کیا تھا۔ حسن میں بھی بہت انا تھی اور مجھ میں بھی۔ میں ساری رات سوچوں میں غلطاں رہی کہ کیا کروں پھر ایک سوچ پر میں مطمئن ہو کر سو گئی.....

پندرہ ستمبر کی صبح میں بیدار ہوئی ناشتے کے بعد امی سے جھوٹ بولا کہ حسن رات کو آ گئے ہیں تو میں جا رہی ہوں۔ میں نے اپنا بیگ اٹھایا امی نے بہت سی دعاؤں اور پیار کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ میں اپنے گھر آ گئی۔ آتے ہی گھر کی صفائی ستھرائی کی۔ اپنی نند سے مجھے پتہ چلا کہ حسن واقعی ہی دس دن کے لیے آؤٹ آف سٹی گئے تھے۔ رات کو آئے ہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنے آفس گئے ہیں اور کہہ رہے تھے کہ آج جلدی آ جاؤں گا۔

حسن نے یہاں پر میری عزت رکھ لی اور اپنے باپ اور بہن سے کہا کہ وہ دس دن کے لیے آؤٹ آف سٹی جا رہے ہیں تو عاتکہ ان کی اجازت سے اپنی امی کے گھر گئی ہے۔ مجھے حسن پر بہت پیار آیا کہ اتنا اچھا انسان ہے۔ حالانکہ میں ناراض ہو کر اپنی امی کے گھر گئی ہوئی تھی۔ اس کے بعد مجھے اپنی سوچ پر بہت خوشی ہوئی کہ بہت اچھا کیا جو میں آ گئی ہوں۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت پیار کرتے ہیں جب انتہا کا پیار ہو تو وہاں انا کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پیار میں انا نہیں ہوتی۔ میں فوراً بازار گئی برتھ ڈے کیک کا آرڈر دیا۔ حسن کے لیے ایک گفٹ اور دوسرا سامان خرید کر دو گھنٹے میں واپس گھر آ گئی۔ آتے ہی کمرہ سجایا۔ اسی اثناء میں میری نند کے موبائل پر حسن کا فون آیا کہ وہ ایک گھنٹے تک گھر آ رہے ہیں۔

میں نے جلدی جلدی کھانا بنایا اور نہا دھو کر ساڑھی باندھی اور میک اپ کر کے تیار ہو گئی۔ اپنے سسر کو بھی ٹیلی فون کر کے گھر بلا لیا اتنے میں بیکری والا کیک بھی گھر دے گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حسن گھر آ گئے۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے ہم تینوں نے تالیاں بجا کر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو بولنا شروع کر دیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حسن حیران رہ گئے۔

میرے اننگ سے آج خوشی پھوٹ رہی تھی اور خوشی کی وجہ ایک تو میں ماں بننے والی تھی دوسرا میرا بھائی اور نند ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہیں اور تیسری سب سے اہم بات وہ یہ کہ حسن نے میری عزت رکھ لی اور کسی کو اپنی اور میری ناراضگی کا علم نہیں ہونے دیا تھا۔

میں آج بہت پیاری لگ رہی تھی اور پیاری کیوں نہ لگتی آج تو میں خاص طور پر حسن کے لیے تیار ہوئی تھی اور دوسرا میں بہت خوش تھی۔ حسن مجھے بار بار نہال ہو جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

حسن نے اپنی برتھ ڈے کا کیک کاٹا جو ہم سب نے مل کر کھایا پھر میں نے انہیں گفٹ پیش کیا جو انہوں نے قبول کر لیا۔

ہم پورا ایک گھنٹہ کمرے میں بیٹھے رہے۔ ڈھیروں باتیں کیں حسن نے ایک لمحے کے لیے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ ہم ناراض ہیں۔ جیسے ہی میرے سسر اور نند کمرے سے نکل گئے اگلے ہی لمحے حسن نے مجھے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور بولے آئی لو یو عاتکہ..... جواب میں میں نے فوراً کہا آئی لو یو ٹو میری جان.....

☆☆☆

اے وطن ہم تیرے مقروض ہیں

مسز نگہت غفار

بچوں کل ہم نے آپ کو کون سا سبق پڑھایا تھا اور آپ کو یاد کرنے کو بھی دیا تھا یاد ہے آپ کو۔ میں نے بچوں سے سوال کیا تو کئی آوازیں ابھریں۔

مس آپ نے ''یوم آزادی'' پڑھایا تھا.....

شاباش..... چلو بھئی نعمان آپ بتاؤ۔ ہم ''یوم آزادی'' کب مناتے ہیں؟

14 اگست 1947ء کو..... شاباش بیٹھ جائیں..... یہ وطن ہمیں کس طرح حاصل ہوا؟ سائرہ آپ بتائیں۔

مس یہ ہمیں بہت سی قربانیوں اور جدوجہد کے بعد حاصل ہوا..... ٹھیک آپ بیٹھ جائیں۔ اسد آپ بتایئے کہ کن کن کی کوششوں اور قربانیوں سے ہمیں یہ آزاد مملکت ملی؟

قائداعظم محمد علی جناحؒ اور بہت سارے رہنماؤں کی کوششوں اور جدوجہد سے ہمیں یہ آزاد مملکت ملی ہے؟ ماشاء اللہ بھئی سب نے یاد کیا ہے..... اچھا اور کوئی 14 اگست 1947ء کے بارے میں جانتا ہے؟

مس..... میں..... مس میں.....

بھئی اس طرح تو شور ہوتا ہے مس میں..... مس میں

تسکین آپ بتایئے آپ اور کیا جانتی ہیں؟ پاکستان کے بارے میں.....

مس! سب سے پہلے علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا علامہ اقبال بہت بڑے شاعر تھے انہوں نے اپنی شاعری سے لوگوں میں ولولہ اور جذبہ پیدا کیا ان کی شاعری کے ذریعے مسلمانوں میں شعور پیدا ہوا۔ وہ بھی سنجیدگی سے الگ وطن کے بارے میں سوچنے لگے اور پھر قائداعظمؒ اور آپ کے ساتھی رہنماؤں کے تعاون سے اپنی بہن فاطمہ جناح کے مشوروں سے بے شمار قربانیوں کے بعد اسلامی جمہور یہ پاکستان وجود میں آیا۔

شاباش چلیں اب کاپیاں نکال لیں اور یوم آزادی پر مضمون لکھیں۔ فرسٹ سیکنڈ، تھرڈ آنے والے طلباء و طالبات کو انعام دیئے جائیں گے۔ ایک خصوصی انعام بھی ہوگا۔

بچے جوش و ولولے سے کاپیاں نکالنے لگے۔ اور میں..... ماضی کے دھندلکوں میں کھوگئی۔

☆☆☆

کم آن یار..... تم ایک فوجی کی بیوی ہو..... نڈر، بہادر، پرعزم، تمہاری آنکھوں کی یہ نمی مجھے کچھ اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ ارے..... بھئی میں نے سنا تھا کہ تمہیں فوجی بہت پسند ہیں۔ میں تو بہت خوش تھا کہ چلو بیگم تو ہم سے زیادہ محبت کریں گی اور فوجی کو لائیک کرنے والی لڑکی بہادر، نڈر اور حوصلہ مند ہوگی.....

مگر یار تم تو بڑی بزدل نکلیں۔ اتنا چھوٹا سا دل ہے منا سا چڑیا کے دل کے برابر۔ سراج نے مسکراتے ہوئے بیوی کو خود سے قریب کیا تو کنول میاں کے سینے میں منہ چھپا کر بلکنے لگیں۔

ریلیکس یار..... جانو..... کیا کر رہی ہو یہ..... ارے بھئی اپنی حالت کو دیکھو..... یار..... رونے سے بچے پر غلط اثر پڑے گا۔ اسے نقصان ہوسکتا ہے۔ ایسے دنوں میں خوش رہتے ہیں ٹینشن نہیں لیتے۔ میں تو سمجھا تھا کہ میری بیوی..... مسکراتی ہوئی بھرپور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کرے گی مگر یہ کیا.....؟ سراج نے کنول کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے سمجھایا.....

اچھا چلو اب ریلکس ہو جاؤ میرا دل چاہ رہا ہے آج ہم سوئیں گے نہیں ساری رات اپنے بچے کے بارے میں آئندہ زندگی کے بارے میں باتیں کریں گے۔ مستقبل کے پلان بنائیں گے۔ مجھے یقین ہے بیٹا ہوگا۔ تم بتاؤ کیا ہوگا؟

یہ تو نہ آپ بتا سکتے ہیں نہ میں..... کنول نے جواب دیا تو سراج مسکرایا۔

ہاں یہ تو سچ ہے مگر اپنا خیال تو ظاہر کر سکتے ہیں۔ وہ ٹھیک ہے مگر ہمیں اپنے رب سے یہ ہی دعا کرنی چاہیے کہ جیتا جاگتا ہاتھ پاؤں سلامت نارمل بچہ ہو جائے۔ پہلی اولاد تو کچھ بھی ہو ممی..... پاپا بننے کی خوشی تو ہوتی ہے ناں..... کنول مسکرائی۔ جیو جان عزیز یونہی ہنستی مسکراتی رہو۔

اچھا میری ایک بات غور سے سنو اگر بیٹا ہوا ناں تو اس کا نام رکھنا وہاج.....

آپ اس طرح سے مجھے کیوں کہہ رہے ہیں میں نہیں آپ رکھیں گے اس کا نام اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ کنول کے ذہن میں عجیب سے وسوسے آنے لگے۔

ہم اپنے بیٹے کو فوجی بنائیں گے جب وردی پہن کر وہ سلیوٹ کرے گا تو ہمارا سینہ فخر سے پھول جائے گا۔ ہمارا سر خوشی سے بلند ہو جائے گا۔ تالیوں کے شور میں اسے سراہا جائے گا۔ اس کے چوڑے سینے پر تمغے سجائے جائیں گے۔

اس وقت ہمیں کتنی خوشی اور مسرت ہوگی جو لفظوں میں بیان نہ ہو سکے گی۔ تب میں خود کو کتنا خوش قسمت تصور کروں گی کہ میں ایک فوجی کی بیوی اور ایک فوجی کی ماں ہوں۔ کنول کے چہرے پر قوس و قزح کے سارے رنگ اتر آئے۔ وہ آنکھیں موندے مسکرا رہی تھی۔

مس یہ کاپیاں مانیٹر نے کلاس ورک کی کاپیاں میز پر رکھتے ہوئے کہا تو..... میں چونک گئی۔ ماضی سے حال میں لوٹ آئی۔

سکول سے گھر آئی تو اکیلا گھر ماضی کی یادیں اگست کا مہینہ میرا دل بڑا بے چین اور اداس تھا۔ آج وہاج کا فون آنے والا تھا۔ ہر آہٹ پر لگتا جیسے وہاج اچانک آ گیا ہے۔ ہر آواز پر لگتا وہاج کا فون ہے۔ اپنی اس بے چینی اور اداسی کو ختم کرنے کے لیے نماز پڑھ کر تلاوت کلام پاک کرنے لگی۔ خاصہ سکون ملا۔

یہ ہی دن تھے یہ ہی تاریخیں تھیں سراج بارڈر پر تعینات تھے۔ شروع شروع میں پل پل کی خبریں مجھے دیتے تھے مگر پھر آہستہ آہستہ یہ سب کچھ کم ہونے لگا۔ اب اکثر طویل انتظار کے بعد ایک دوسرے کے حالات ایک دوسرے کو بتاتے۔ سراج میری کیفیت میڈیسن، کنڈیشن کا معلوم کرتے۔ تاکید کرتے کہ پابندی سے چیک اپ کرواتی رہوں۔ وقت پر میڈیسن لوں۔ آرام کروں، زیادہ سوچا نہ کروں، ٹینشن سے دور رہوں۔ میں وعدہ تو کر لیتی مگر..... ان کی ساری باتوں پر عمل نہیں کرتی سوچیں اور ٹینشن کو نہیں روک سکتی۔

بی اماں میرا بہت خیال رکھتیں مجھے بالکل بچوں کی

طرح..... میرے اٹھنے بیٹھنے کھانے سونے ہر چیز کا بہت خیال رکھتیں۔ بی اماں اکیلی تھیں وہ میرے پاس ہی رہتی تھیں۔ یہ سوسائٹی گورنمنٹ کی طرف سے ہمیں ملی تھی۔ سب ہمارے جیسے ہی رہائشی تھے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے بالکل ایک فیملی کی طرح تقریباً اکثر خواتین اکیلی تھیں۔

آخر وہ دن آ پہنچا جب بی اماں مجھے ہاسپٹل لے کر پہنچیں۔ سراج نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر گھر آئیں گے مگر نہ آسکے..... حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تھے اس وجہ سے چھٹی منظور نہ ہو سکی اور کینسل ہو گئی۔ وہ بہت ہی پریشان اور ڈسٹرب تھے۔ بار بار بی اماں سے فون پر رابطہ کر رہے تھے۔

بڑا ہی مشکل بے حد تکلیف دہ..... موت و زیست کی کشمکش کے بعد عورت کے پہلو میں ایک ننھا وجود آتا ہے جس سے عورت کا رتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ پیارے رسولؐ کے فرمان کے مطابق..... وہ عورت، ماں بن کر اپنے پاؤں تلے جنت کی حقدار بن جاتی ہے۔ رسول پاکؐ نے فرمایا ہے کہ ''جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

واہ سبحان اللہ..... اس اذیت، اس تکلیف یہ موت و زیست کی کشمکش..... کتنا بڑا انعام کتنے بڑے رتبے سے نوازتے ہیں..... واہ مولا تیرا کرم، تیرا احسان تو نے ''ماں'' کا رتبہ کتنا اعلیٰ کتنا بلند کیا ہے۔

کوریڈور میں رکھے ٹی وی پر خبریں سن رہے تھے کہ اچانک خصوصی بلٹن آ گیا۔ بی اماں کے ہاتھ سے تسبیح چھوٹ کر گر گئی وہ حواس باختہ آپریشن تھیٹر تک پہنچیں پھر وہیں رک گئیں۔ ان کا دماغ چکرا رہا تھا ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بارڈر پر زبردست لڑائی ہو رہی تھی۔ دونوں طرف سے اندھا دھند گولا بارود اور گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور پھر..... اسی لمحہ تھیٹر کا دروازہ کھلا بی اماں مبارک ہو بیٹا ہوا ہے۔

خیر مبارک ..... بی اماں کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ تیرے بھی عجب کھیل ہیں مولا..... ان کی نظر ٹی وی پر لگی تھی شہید ہونے والوں میں ''سراج'' بھی شامل تھے۔ آج جو شہید کی بیوہ کہلائے گی کل وہ انشاء اللہ فوجی کی ماں کہلائے گی۔ میرے رب اس بچے کو لمبی عمر عطا کرنا..... انہوں نے پلو سے اپنے بہتے آنسو صاف کیے.....

اب آپ پیشنٹ سے مل سکتی ہیں۔ نرس نے بی اماں سے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی تھیٹر میں داخل ہوئیں۔ بی اماں سراج کو اطلاع دے دیں کہ آپ کا وہاج آ گیا ہے۔

بس اب آ جائیں وہاج کو پاپا کا انتظار ہے..... مسز سراج پلیز..... ابھی آپ کو احتیاط کی ضرورت ہے زیادہ باتیں نہ کریں۔ نرس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

بی اماں وارڈ سے باہر نکل گئیں اور لپک کر نرس کو پکڑ لیا۔ نیٹا نرس نے رک کر ان کی طرف دیکھا۔

جی اماں! بی اماں بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے بولیں بیٹا سراج..... سراج بیٹا شہید ہو گیا اور وہ زار و قطار رونے لگیں۔ نرس نے ان کو تسلی دی اور ابھی مسز سراج کو یہ خبر نہ دیں ان کی حالت ابھی خطرے میں ہے۔

بی اماں آنسو صاف کرتے ہوئے اقرار میں سر ہلایا..... جب تک کنول کو مکمل ہوش نہیں آیا یہ معاملہ دبا رہا لیکن جیسے ہی وہ بہتر ہوئی اس نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی..... سراج کا فون نہیں آیا..... بی اماں نے کہا آیا تھا۔ جب تم سو رہی تھیں۔ بی اماں نے بہانہ بنایا تو..... آپ نے مجھے جگا لیا ہوتا۔ لائیں سیل مجھے دیں میں کرتی ہوں۔

ارے نہیں بیٹا سراج بیٹے نے کہا تھا کہ کوئی ہمیں ڈسٹرب نہ کرے۔ وہ خود ہم سے رابطہ کریں گے.....

سختی سے منع کیا ہے بیٹا میری بات پر یقین کرو..... بی اماں کی آواز ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کیونکہ وہ یہ ہی چاہ رہی تھیں کہ کل جب چھٹی لے کر گھر جائیں گے جب تک یہ معلوم نہ ہو سکے تو بہتر ہے۔

اور پھر..... وہی ہوا گھر جانے کے بعد کنول کو پتہ چل گیا کہ شہید سراج اپنی آخری آرام گاہ میں آرام کرنے وطن آ رہے ہیں اپنی جگہ دوسرا فوجی وہاج کو کنول کے لیے اپنی

نشانی اپنا نام دے کر..... ہمیشہ کے لیے ان سے بچھڑنے کے لیے آرہے ہیں..... پورے فوجی اعزاز کے ساتھ انہیں ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچادیا گیا۔

اب میرا ایک ہی مقصد تھا۔ وہاج کو ایک نوجوان کڑیل فوجی جوان بنانا تھا۔ اللہ نے میرا ساتھ دیا میرے سراج کی آخری خواہش اور وصیت کو میں نے پورا کیا۔ اب میرا بیٹا اسی روپ میں میرے سامنے تھا۔ ابھی تو میں شہید کی بیوہ ہوں مجھے فخر ہے خود پر کہ میں اپنے مرحوم شوہر کے سامنے سرخرو ہوں.....

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ دن مہینے، سال ایک بعد ایک ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے رہے اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی مجھے لگتا ہے کل ہی کی بات ہے۔ آج پھر ماضی اتنی شدت سے کیوں یاد آرہا ہے؟

یہ اگست کا مہینہ ماضی کی ایک ایک بات یاد دلانے کیوں آجاتا ہے؟ بی اماں کمرے میں آئیں بیٹا کھانا کھالو آج سردی بہت زیادہ ہے۔ رات زیادہ ہورہی ہے۔ جلدی بستر میں چلی جاؤ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔

بی اماں میرا دل گھبرا رہا ہے دو دن سے وہاج کی خیریت معلوم نہ ہوسکی..... میرا بچہ خیریت سے ہو میں نے دعا کی۔ ٹی وی آن کرکے میں کمبل میں چلی آئی۔

وہی..... خبریں..... کہیں بم بلاسٹ ہوا۔ کہیں نامعلوم افراد کی اندھا دھند فائرنگ، کہیں ایکسیڈنٹ۔ یا اللہ یہ میرے ملک کے، یہ میرے شہر کے حالات کب بہتر ہوں گے؟ کب سازگار ہوں گے۔ کب ہم سب سکون کے دن گزاریں گے، کب میٹھی اور پرسکون نیند سوئیں گے۔ یہ خوف کی سر پر لٹکتی تلوار یہ وسوسوں کے رات و دن یا اللہ اس ملک کو اس کے شہر کو اس کے شہریوں کو کب چین نصیب ہوگا؟

یہ کیسے دشمن ہیں؟ یہ کیسے خونی ہیں؟ یہ کیسے ظالم ہیں جو اپنے ہی گھر کو جلا رہے ہیں۔ اس کے چپے چپے کو خون سے رنگ رہے ہیں.....؟ اس کے ہرے بھرے کھیتوں کو اجاڑ رہے ہیں۔ اس کے ہنستے مسکراتے ننھے بچوں کو یتیمی کا داغ دے رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنے باپ بھائی شوہر بیٹے قربان کیے ہیں ان کے دلوں سے پوچھو ان کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔ ان کو کتنا دکھ ہوتا ہے خون کے آنسو روتے ہیں وہ لوگ جن کی جوان بیٹیوں نے اپنی انمول قیمتی عصمتوں کی قربانی دی..... کیا ہم ان سب کا قرض ادا کرسکتے ہیں۔

نہیں ناں..... تو کم از کم..... ایسا بھی تو نہ کریں ناں..... میں نے بھی اپنے سہاگ کو قربان کیا..... اب میرا کڑیل جوان بیٹا اس ملک کی سرحد پر..... جام شہادت کا شوق لیے ایک ایک دن گن رہا ہے..... ارے ظالموں باز آجاؤ اپنی شیطانیت سے اپنے ظلم سے..... اپنی بربریت سے اس انمول، قیمتی، نایاب تحفے کو سنبھالیں۔ اس کی خوبصورتی، تروتازگی ہرے بھرے کھیتوں کی لہلہاہٹ اس کے ذرے ذرے پر بکھری نعمتوں کی قدر کرو۔ اس کی جگمگاہٹ اس کی رنگ برنگی روشنیوں کو اور خوبصورت بناؤ..... اس کی ترقی اور بقاء کے لیے تن، من، دھن سب کچھ قربان کردو۔ اس کی حفاظت کرو۔ اسے سلامت رکھو..... اس کے قیمتی املاک کی حفاظت کرو.....

☆☆☆

جب لاؤڈ سپیکر کی آواز گونجی تو کنول جیسے نیند سے جاگی وہ چونک گئی۔ آنکھیں کھول کر اردگرد کا جائزہ لیا۔ ان کا نام پکارا جارہا تھا۔ اتنے بڑے مجمعے میں وہ کھڑی تھیں ان کو ایک اور اعزاز ملا تھا۔ سراج شہید کی بیوہ کنول سراج کو آج ایک بار پھر اسٹیج پر بلایا جارہا ہے۔ وہاج سراج شہید کی والدہ سٹیج پر تشریف لے آئیں۔ کنول پروقار چال چلتی ہوئیں سٹیج پر پہنچیں۔ آپ اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کریں گی۔

میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ شہیدوں کا لہو آپ سب سے اپنی اپنی قربانیوں کا صلہ مانگتا ہے۔ خدارا ہم اپنے قائد کے، اپنے شہیدوں کے، اپنے وطن کے مقروض ہیں ہمیں ہر حال میں یہ قرض چکانا ہے۔

☆☆☆☆

البیلی

صباء ایشل

محبت بہتے ہوئے پانیوں کی طرح بے ثبات نہیں ہوتی اور نہ ہوا
کی طرح اپنی سمتیں بدلتی ہے وہ تو بہار میں کھلنے والے اس اولین شگوفے
کی مانند ہوتی ہے جو تا قیامت صحن دل میں مہکتا رہتا ہے
اپنی ابدی مہک سے دلوں میں چاہتوں کے پھول کھلاتا رہتا ہے۔

چاہت کی رنگینیوں میں رنگی چاہت بھری خوب صورت کہانی صرف قارئین ریشم کے لیے

نرم بوندوں میں، مسلسل بارشوں کے سامنے
آسماں کے نیل میں، کومل سروں کے سامنے
یہ گزرتے دن ہمارے پنچھیوں کے روپ میں
تنگ شاخوں میں کبھی خوابیدگی کی دھوپ میں
ہیں کبھی اوجھل، کبھی سکھ کی حدوں کے سامنے
چہچہاتے گیت گاتے بادلوں کے شہر میں
اک جمال بے سکوں کی حسرتوں کے سامنے
سبز میدانوں میں، کوہساروں میں کبھی
زرد پتوں میں کبھی، اجلی بہاروں میں کبھی
قید غم میں یا کھلی آزادیوں کے سامنے

دھوپ چھاؤں سا مزاج رکھتے یہ اگست کے اواخر ایام تھے۔ سورج اور بادلوں کی لکا چھپی جاری تھی۔ گھڑی بھر پہلے سورج سوا نیزے پر ہوتا، اگلے ہی پل سیاہ بادل سورج کو اپنی اوٹ میں لے لیتے اور پھر فوراً ہی موسلا دھار بارش صوبے بھر میں جل تھل کر دیتی۔

پنجاب کے اکثر علاقوں میں بارشیں ایسے ہی لمحوں میں برسنا شروع ہو جاتی ہیں۔ برکھا رت میں مٹی کی سوندھی خوشبو ہر طرف پھیل کر دل و دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ ایسے میں فیصل آباد ایئرپورٹ پر جلدی گھر پہنچنے کی کوشش میں ایک الہڑ دوشیزہ کا پاؤں آگے جانے والے مسافر کے پاؤں پر پڑ گیا۔

''واٹ ربش..... نظر نہیں آتا آپ کو.....؟'' انجان مسافر بلبلا اٹھا۔

''عین درمیان میں ٹرالی پکڑ کر سیر و تفریح کریں گے تو یہی ہوگا ناں..... تھوڑا سا دائیں بائیں ہو کر واک کر لیں تاکہ باقی مسافر وقت پر گھر پہنچ جائیں۔'' اپنی غلطی ہونے کے باوجود وہ محترمہ کس قدر دیدہ دلیری کا مظاہرہ کر رہی تھی، نوجوان ششدر رہ گیا۔

''ایئی وے.....! مجھے جلدی ہے غلطی آپ کی ہے لیکن کیونکہ میرا پیر آپ کے پاؤں پر آ گیا ہے اس لیے میں معذرت چاہتی ہوں۔'' جلدی جلدی کہتے ہوئے وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی اور نوجوان اس کی پشت کو تکتا دل ہی دل میں اس بدتمیز لڑکی کو القابات سے نوازتا رہ گیا۔

''انکل سمندری روڈ ڈجکوٹ سے تھوڑا سا آگے گاؤں بھاگووال جانا ہے.....'' یہ کوئی چھٹا ساتواں ٹیکسی ڈرائیور تھا جس سے وہ بات کر رہی تھی۔

''بیٹا اس طرف سے واپسی پر کوئی سواری نہیں ملتی۔ وہ سامنے والی ٹیکسی میرے خیال سے اسی جانب جا رہی ہے اس سے پوچھ لیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ایک مسافر اس ڈرائیور سے اسی علاقے کی جانب جانے کی بات کر رہا تھا۔'' ادھیڑ عمر ڈرائیور کو اس کے چہرے سے شاید اس کی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اسی لیے اس کی رہنمائی بھی انکار کے ساتھ ہی کر دی۔

''اُف..... یہ کیا مصیبت ہے۔ گھر پہنچنے کی جس قدر جلدی تھی اسی قدر تاخیر ہو رہی ہے۔ لگتا ہے اسی..... نے بددعا کی ہے۔'' وہ لفظ ''کمینہ'' خیالوں میں ہی دبا گئی۔

ٹیکسی چلنے کے لیے تیار تھی وہ مطلوبہ ٹیکسی تک جلدی سے پہنچی، ڈرائیور اسی طرف جا رہا تھا وہ شکر کا سانس لیتی ہوئی پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور پھر اندر بیٹھے شخص کو دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی۔

''تم.....'' کھڑکی کا شیشہ نیچے کرتے نوجوان کا ہاتھ ایک دم رک گیا۔

''تم یہاں.....؟ میرا پیچھا کرتے آ گئی ہو کیا.....؟'' وہ ناگواری سے بولا۔ ٹیکسی منزل کی طرف رواں ہو گئی۔

''میں اور تمہارا پیچھا ایسا کیا ہے تم میں.....؟'' وہ جتاتی ہوئی نظروں سے پوسٹ مارٹم کرنے والے انداز میں اسے دیکھ کر بولی، لیکن اندر ہی اندر کچھ خائف بھی ہو رہی تھی۔

''محترمہ! آپ بھول رہی ہیں، کچھ دیر قبل آپ

خاصی عجلت کا مظاہرہ پیش کر رہی تھیں..... پھر یوں اچانک میری ہائیر کی ہوئی ٹیکسی میں آ ٹپکی ہیں تو ظاہر ہے میرا پیچھا کرتے ہی وارد ہوئی ہوں گی۔'' نوجوان استہزائیہ لہجے میں کہہ رہا تھا وہ سلگ کر رہ گئی۔

ٹیکسی صاف ستھری کشادہ سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ دائیں بائیں سڑک کنارے خوبصورت سبزہ بہار بکھیر رہا تھا۔ درخت، پھول، پتے سب ہی بارش میں دھل کر نکھرے نکھرے لگ رہے تھے۔ نوجوان شہر کی خوبصورتی دیکھ کر متاثر ہوا۔ اس نے تو ملک سے باہر پاکستان کا کوئی اور چہرہ ہی سنا تھا۔ لیکن اس شہر کی صفائی ستھرائی اور خوبصورتی کہیں سے بھی ویسی نہیں تھی جیسی لوگ بتاتے تھے۔ واقعی اب تو پاکستان بھی کافی ترقی کر رہا ہے اس نے خود سے اعتراف کیا۔

''یہ ٹیکسی میرے گاؤں جا رہی ہے۔ اس لیے کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں اور میں مزید بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اس لیے برائے مہربانی مجھ سے مزید شرف کلام حاصل نہ کیا جائے؟'' تنک کر جواب دے کر وہ خود کو باہر کے منظر میں مصروف ظاہر کرنے لگی لیکن نوجوان کو ماحول کی دلکشی کا سارا افسوں غائب ہوتا محسوس ہوا۔ کس قدر خودسر، اور بدتمیز تھی یہ لڑکی.....

اس کا دل کیا اس کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر ہی پھینک دے۔ ٹیکسی اب نہر کنارے گزر رہی تھی۔ نوجوان نے چشم تصور میں اس انتہائی بدتہذیب لڑکی کو نہر میں دھکا دیا اور اسے ہاتھ پاؤں چلاتا، مدد کے لیے پکارتا محسوس کرنے لگا۔ اپنی سوچ سے نوجوان جی بھر کر محظوظ ہونے لگا۔

''اگر جو یہ اکھڑ اور بدد ماغ لڑکی جان لے کہ میں اس وقت اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوں تو کس قدر شدید ری ایکشن دے۔'' نوجوان نے ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف نگاہ کی۔

وہ کھڑکی سے سر لگائے خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ یہ سفر کی تھکاوٹ تھی یا نیند کا غلبہ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی لمبی گھنی چوٹی بائیں طرف کو آگے آئی ہوئی تھی۔ سامنے کی طرف سے تراشیدہ بال ہوا سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے، ہوا سرگوشی کرتی ان سیاہ گھٹاؤں کے پاس سے گزرتی تو گھٹائیں بادل بن کر اس کے چہرے کو اپنی اوٹ میں لے لیتیں..... نوجوان مسلسل اسے دیکھے چلے جا رہا تھا۔ اس کا شدت سے دل کیا کہ وہ ہاتھ آگے بڑھا کر سیاہ زلفوں کو پیچھے کر دے اور بدلی سے نکلتے چاند کا نظارہ کر لے۔ کہتے ہیں دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کی شدت سے کی گئی خواہش پر ہوا کے ایک شرارتی جھونکے نے سارے سیاہ بادل اڑا دیئے تھے۔ لمبی خمدار گھنی پلکیں، بند آنکھوں کے باوجود اپنی خوبصورتی ظاہر کر رہی تھیں۔ کتابی چہرہ، تراشیدہ ہونٹ، ستواں ناک اور یاقوتی ہونٹوں کے بائیں جانب سیاہ تل..... کچھ بھی تو نظر انداز کرنے والا نہ تھا۔

کچھ دیر قبل بددماغ، بدتمیز اور بدتہذیب جیسے القاب دینے والی لڑکی کو وہ کس قدر فرصت سے دیکھ رہا تھا، سوچ رہا تھا، یہ محبت کی ابتداء تھی یا صرف ظاہری پسندیدگی؟

وہ اپنا دل اس کی طرف کھنچتا محسوس کرنے لگا۔

☆☆☆

''البیلی لڑکی'' وہ بے خودی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ گاڑی کو ایک زوردار جھٹکا لگا تو وہ جیسے ہوش و حواس میں واپس آیا۔ لڑکی بھی جھٹکا لگنے سے خواب پوش جزیرے سے نکل آئی تھی۔ خود پر کسی کی نظریں جمی محسوس کر کے اس نے نوجوان کی طرف بغور دیکھا لیکن وہ تو باہر دیکھ رہا تھا وہ بھی سر جھٹکتی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

ٹیکسی اب ڈجکوٹ سے گاؤں کی سمت جانے والی مین سڑک کی طرف مڑ گئی تھی۔ دیہاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ دور دور تک کھیت ہی کھیت نظر آ رہے تھے۔ آس پاس کے تمام دیہاتوں کے کھیت گاؤں کے دائیں بائیں ہی تھے۔ آبادی تک پہنچنے کے لیے دونوں اطراف کے لوگوں کو کھیتوں کے درمیان بنی پگڈنڈی سے گزر کر آنا پڑتا

تھا۔ وہ اب چک نمبر 261 کلاں سے گزر رہے تھے۔ اس سے اگلا گاؤں بھاگووال ان کی منزل تھا۔

''ویسے اگر یہ لڑکی بدزبان اور بدلحاظ نہ ہوتی تو میں تو اس پر دل ہار ہی گیا ہوتا.....'' نوجوان کی سوچوں کا رخ ایک بار پھر سے اس لڑکی کی طرف مڑ گیا تھا۔ وہ اس سے متاثر نہیں ہونا چاہتا تھا..... بلکہ اسے لگ رہا تھا وہ اس سے متاثر ہو ہی نہیں سکتا، لیکن درحقیقت وہ اس سیاہ ناگن جیسی چوٹی والی لڑکی کے ہر بل میں الجھ رہا تھا اور یہ الجھن ایسی تھی جس کو سلجھانا اس کے بس سے اب باہر تھا۔

اک لڑکی ہے
البیلی سی.....
حسین خواب سی
الجھی پہیلی سی
بدلی کی اوٹ میں چھپی
چاندکی ہے سہیلی سی

☆☆☆

''بات سنو.....'' وہ حویلی کے سامنے ٹیکسی رکوا کر اب ڈرائیور سے سامان لے کر اور اسے کرایہ تھما کر حویلی کے اندر جانے لگی تھی کہ نوجوان کی آواز پر حیرت سے گردن کو پیچھے کیا گویا یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ اس نے اسے ہی آواز دی ہے۔

''یہ چوہدری سجاول کی حویلی ہے؟'' وہ سوالیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''مجھے نہیں علم..... گاڑی سے اترو اور آس پاس کسی شخص سے پوچھ لو.....'' وہ اتنی بدلحاظ تو کبھی نہ رہی تھی۔ جانے کیوں اس شخص کو دیکھ کر اسے اتنا غصہ آ رہا تھا۔ ایک شان تفاخر سے وہ حویلی کے مین گیٹ سے اندر داخل ہو گئی اور نوجوان کے ماتھے پر ناگواری کے واضح بل نمودار ہوئے۔

''مجھے اس لڑکی کو مخاطب ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے خود کو جی بھر کر کوسا اور پھر ٹیکسی کا دروازہ کھولتا ہوا باہر نکل آیا۔

☆☆☆

لال اینٹوں سے بنی سرخ روش پر چلتے ہوئے اس نے اپنا سامان وہیں چھوڑا اور لان میں سفید سنگ مرمر کی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھے داجی تک تقریباً بھاگتی ہوئی پہنچی۔ اسے آتا دیکھ کر داجی بھی خوشی سے کھڑے ہو گئے تھے۔

''داجی..... کیسے ہیں آپ؟ پتا ہے کتنا مس کیا میں نے آپ کو؟ میرا تو بس نہ چل رہا تھا اڑ کر آپ تک پہنچ جاؤں۔'' وہ داجی کے گلے میں بانہیں ڈالے اپنی فیلنگز ان کو بتا رہی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی ضرورت نہیں ہے وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے محبتوں کی شدتوں سے واقف تھے۔

''پتا ہے راستے میں ایک انتہائی بدذوق انسان سے ٹکراؤ ہو گیا دیکھنے میں تو اچھا خاصا تھا لیکن اندر سے سڑیل، کھڑوس سا.....'' وہ کہتی کہتی رک سی گئی نظریں دروازے پر جم سی گئی تھیں۔

اک لڑکی ہے
البیلا سا.....
حسین شہزادوں سا.....
مزاج اکھڑیلا سا

داجی نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تھا۔

''ارے خرم بیٹا! ایسے اچانک..... آج تو ایک ساتھ دو دو خوشیاں مل گئیں.....'' داجی کا آنے والے شخص سے ملنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ آنے والے شخص سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن پھر بھی بے یقین تھی۔

''آپ! آپ جانتے ہیں اسے.....؟'' اس نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں بھئی جانتا ہوں یہ خرم ہے انیق احمد خان کا پوتا..... اور خرم بیٹا یہ میری پوتی کم بیٹی زیادہ ہے ماوری.....'' انیق احمد خان سے ماوری اچھی طرح واقف

تھی وہ داجی کے کلاس فیلو تھے اور بہت بہترین دوست بھی۔ ماضی کی تقریباً ہر یاد میں داجی انیق احمد کا ذکر کرنا نہ بھولتے تھے۔

''اتنے نفیس انسان کا ایسا کھڑوس پوتا.....'' ماوری بڑبڑائی۔

''چلو آپ دونوں فریش ہو جائیں پھر ہم باتیں کرتے ہیں۔ اور ماوری آپ دوبارہ ایسے اکیلے آئیں تو ہم ناراض ہو جائیں گے۔'' داجی نے ماوری کا کان پکڑا تھا۔

''وہ تو میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتی تھی اسی لیے اطلاع نہیں کی۔ لیکن ٹیکسی میں بیٹھنے کے اگلے پل ہی مجھے پچھتاوا ہونے لگا تھا۔ حالات اتنے خراب ہیں۔ راہ میں کوئی چوراچکا مل جاتا تو.....'' ماوری مزے لے لے کر کہہ رہی تھی اور خرم دل میں تاؤ کھائے جا رہا تھا۔

''اور کیا کہہ رہی تھی آپ؟ کسی سے ٹکراؤ ہو گیا تھا.....؟'' داجی کو یاد آیا تو پوچھنے لگے۔

''کچھ نہیں داجی! زیادہ تو نہیں بس کسی کو لگ رہا تھا میں اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ تو اب مجھے علم ہوا کون کس کا پیچھا کر رہا تھا..... خیر اب میں جلدی سے فریش ہو کر آتی ہوں پھر کھانا کھاتے ہیں۔ قسم سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔'' چہرے پر مدھم مسکان لیے وہ خرم پر اچھی خاصی چوٹ کر گئی اور بظاہر خاموش خرم نے اندر ہی اندر اسے کچھ نئے القابوں سے نوازا۔

''جاہل، مینرڈ.....''

☆☆☆

لکھ دیا ہواؤں نے، ریت پر محبت کو
دیکھتے ہیں کب ان کا
فیصلہ بدلتا ہے

''میں نے اور انیق احمد نے پچھلے برس ایک عرصے کے بعد ہونے والی اتفاقیہ ملاقات کے بعد یہ طے کیا تھا کہ ہم اس دوستی کو اب رشتے داری میں بدل لیں گے تاکہ ہماری دوستی رشتہ داری کے خوبصورت تعلق میں بندھ کر نہ صرف مثالی بن جائے بلکہ زندہ بھی رہے۔'' داجی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے کوئی بات کہنے کی تمہید باندھ رہے تھے۔ ماوری نے گلاس میں پانی ڈالا، خرم تندوری روٹی کا نوالہ توڑ کر اسے سالن میں ڈبونے لگا۔

''اگست کے آخر میں تم دونوں کی نکاح کی فائنل تاریخ متوقع ہے۔ اسی لیے انیق نے آپ کو یہاں بھیجا ہے اور ماوری جو اپنی پھوپھو کے پاس دبئی گئی ہوئی تھی، اسے بھی میں نے اسی لیے جلدی بلوالیا کہ آپ دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا کچھ وقت مل سکے۔''

ماوری کے گلے میں اچھو لگ گیا..... منہ کی طرف نوالہ لے جاتے خرم کا ہاتھ رک گیا اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''مجھے اور انیق کو امید تھی کہ آپ دونوں بچے ماشاء اللہ سے سلجھے اور فرمانبردار ہو اور بڑوں کے کسی فیصلے کا انکار نہیں کرو گے، بلکہ ہم نے آپ دونوں کے لیے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ آگے چل کر انشاء اللہ آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے گا۔'' دونوں کی حالت سے بے نیازی ظاہر کرتے داجی کیل پر کیل ٹھونکے چلے جا رہے تھے۔

''تو پھر کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں کسی کو.....''

داجی کھانا کھاتے مصروف انداز میں پوچھ رہے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بری طرح گھورا اور نفی میں گردنیں ہلا دیں۔

یہ کیسی رت ہے
کوئی تو بولے
کوئی تو دھڑکے
کوئی تو بھڑکے

داجی کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا۔ مگر باقی بچے دو لوگوں کے چہرے ہی نہیں دل و روح سے بھی سکون رخصت ہو گیا تھا۔ بھانبڑ جل اٹھتے تھے، آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو آنکھوں

آنکھوں میں سلگانے کی کوشش کر رہے تھے، بظاہر کھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر کھانے کا ہر ذرہ زبردستی حلق کے راستے بدن میں انڈیل رہے تھے۔ خوشبو دار اور مزیدار دیسی کھانوں کی خوشبو کچھ دیر قبل ان کی بھوک کو بے تحاشا بڑھاوا دے رہی تھی، لیکن اب یہی کھانا پھیکا اور بدمزہ معلوم ہو رہا تھا۔

ہمارے اندر کا ماحول باہر کے ماحول کو محسوس کرنے میں ہمارا ساتھ دیتا ہے، اندر رنجیدہ ہو تو باہر کی مسکراہٹیں اندر کو خوش نہیں کرتیں، اندر اندھیرا ہو تو باہر کی روشنیاں اندر اجالا نہیں کرتیں، اندر سناٹا ہو تو باہر کا شور اندر ارتعاش نہیں پیدا کر سکتا اور اندر جل رہا ہو تو باہر کا سکون اندر اتر کر آگ نہیں بجھا سکتا، دل کے اندر روح کے ہر حصے میں، دماغ میں اور زبان پر بھی صرف وہی ذائقہ، وہی موسم وہی رنگ محسوس ہوتا ہے جو ہمارے اندر ہوتا ہے۔ ماوری بھی اس وقت ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا محسوس کر رہی تھی۔ اس کی تکلیف کی شدت کا اندازہ اس وقت داجی کو ہی ہو سکتا تھا لیکن وہ تو اس کی طرف متوجہ ہی نہ تھے۔

نینوں کے کٹوروں میں مرچیں چبھنے لگیں اس نے شکوہ بھری نظریں داجی کی طرف اٹھائیں، سیاہ گھنگھور آنکھوں میں سیلاب اترنے کو تھا، خرم نے حیرت سے اس کی چھلکنے کو بے تاب آنکھوں کی طرف دیکھا۔ داجی کی طرف سے واپس پلٹتی مایوس آنکھوں کا سامنے بیٹھے شخص سے ٹکراؤ ہوا تو ماوری کا اندر کھول اٹھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکی روکنے کی کوشش کرتی کرسی پیچھے کو گھسیٹتی ڈائننگ روم سے تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''جھلی نہ ہو تو..... شادی کے نام پر ایسے ہی بھاگتی ہے۔ کہتی ہے ساری زندگی آپ کے ساتھ گزار دینی ہے اب بھلا بتاؤ چند سالوں میں میری عمر تو ختم ہو سکتی ہے لیکن اس پگلی کی تو ساری عمر پڑی ہے کس کے سہارے چھوڑ جاؤں اسے۔ ایک اس کی ماں تھی جو اسے پیدا کرتے ہی اس کے باپ کے حوالے کر گئی اور اس کا باپ چند سال میں ہی تھک گیا۔ کینسر کے موذی مرض نے جب اس کی جان لی تب ماوری صرف سات برس کی تھی، اس وقت میرے چچازاد بھائی نے اس کو اپنی بیٹی بنانے کا اعلان کیا۔

حق ہاہ..... کیا خبر تھی ادھر بھی اس کے لیے روڑے کنکر ہی رکھے تھے۔ بے چاری بچی ساری عمر چھپ چھپ کر روتے گزار دی اور اب چاہتی ہے کہ عمر بھر ایسے ہی گزار دے۔ ماوری کے جانے کے بعد بظاہر پرسکون بیٹھے داجی اپنا ضبط توڑ بیٹھے تھے۔

''میری بچی دل کی بہت اچھی ہے۔ مجھ سے وعدہ کریں آپ اس کو بہت خوش رکھیں گے۔'' داجی نے امید بھرے لہجے میں اس کی طرف دیکھا تھا اور خرم جو یہاں سے اٹھ کر اپنے داداجی کو فون کر کے انکار کرنے والا تھا، داجی کا بھیگا لہجہ سن کر فیصلہ بدل گیا تھا۔

''داجی آپ فکر نہ کریں میں آپ کی ماوری کو بہت خوش رکھوں گا۔'' وہ اٹھ کر داجی کے پاس آ کر ان کے شانے تھامے کہہ رہا تھا۔ جس بوڑھے وجود کی اپنی عمر قبر میں جانے کی ہو وہ اپنے بجائے جوان بیٹے اور بہو کے لاشے ہاتھوں سے اٹھا کر سپرد قبر کرے، اس کا دکھ، نقصان..... کوئی کیسے محسوس کر سکتا ہے۔ خرم نے اس کرب کو خود میں اترتا محسوس کیا تو دہل گیا۔

☆☆☆

''داجی میں نہر تک جا رہی ہوں کچھ دیر میں آ جاؤں گی۔'' داجی جانتے تھے وہ رونے کا مشغل پورا کرنے نہر پر ضرور جائے گی۔ یہ اس کی بچپن کی عادت تھی وہ جب بھی پریشان ہوتی نہر کنارے جا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

''خرم کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ بچہ گاؤں دیکھ لے گا۔'' وہ دوپٹہ سر پر لیتی جانے کے ارادے سے آگے بڑھی تو داجی کی آواز پر اس کے قدم رک گئے۔ داجی کے اشارے پر ان کے پاس بیٹھا ٹی وی دیکھتا خرم اٹھ کھڑا ہوا۔

''داجی کتنا بدل گئے ہیں اب ان کو میری ذرا پرواہ

نہیں رہی۔'' نم سرخ آنکھیں پھر سے چھلکنے کو بے تاب تھیں۔ وہ چہرہ گھمائے بنا آگے کو ہولی۔

''کیا ضروری تھا تمہارا پہلے میرے جہاز میں، پھر ٹیکسی میں، پھر گاؤں میں اور پھر گاؤں میں ہماری حویلی میں ہی آنا؟ تمہیں اندازہ بھی ہے تمہاری وجہ سے مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟ اور تم آ ہی گئے تھے تو کیا یہ ضروری تھا کہ میری شادی کا شوشہ چھوڑا جاتا۔'' وہ بھڑاس نکال رہی تھی۔ خرم خاموشی سے سنتا رہا۔

''خدا کے لیے چلے جاؤ میری زندگی سے، مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔ بلکہ اس دنیا کے کسی بھی مرد سے شادی نہیں کرنی۔ میری برداشت کا امتحان مت لو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ میں داجی کو انکار نہیں کرسکتی، لیکن میں یہ شادی بھی نہیں کرسکتی۔'' چلتے چلتے وہ آبادی سے باہر کھیتوں کی طرف چلے آئے تھے۔ گندم کی کٹائی کے بعد اکثر کھیت سیاہ نظر آرہے تھے۔ ان میں آگ لگا کر خشک ٹہنیوں کو جلا دیا گیا تھا۔ ماوری راستے میں ہی رک کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ خرم کو اس پر بے انتہا ترس آیا لیکن اگلے ہی پل وہ خود کو سنبھال گیا۔

''تم شادی نہیں کرنا چاہتی مجھے بھی تم سے شادی نہیں کرنی۔ لیکن یوں ماتم منانے سے کیا حاصل ہوگا ہم مل کر اس کا کوئی حل تلاش کرتے ہیں۔'' خرم نے قدم آگے بڑھائے تو ماوری بھی پیچھے چل دی۔ اس نے چلتے چلتے امرود کے درخت سے دو امرود توڑے تھے۔

''کیا مطلب؟'' ماوری نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''مطلب یہ کہ ہم فی الحال داجی کے سامنے یہی ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے شادی کے لیے تیار ہیں اور موقع ملتے ہی میں یہاں سے چلا جاؤں گا یا کوئی اور بہتر حل نکالنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ابھی میرے دادا جی اور فیملی کو منانا بھی میرے لیے بہت مشکل ہے۔ مل کر سوچیں گے تو زیادہ بہتر فیصلہ کرسکیں گے۔'' خرم نے بات کرتے کرتے ایک مرود ماوری کی طرف بڑھایا۔ جسے ایک لمحے کے پس وپیش کے بعد ماوری نے تھام لیا۔

''تمہیں پتہ ہے یہاں اس جگہ پر آ کر بیٹھنا میرا برسوں کا معمول ہے۔ میں جب بھی اداس ہوتی ہوں یا پریشان ہوتی ہوں تو یہاں آ کر بیٹھ جاتی ہوں۔'' ماوری نہر کی طرف بڑھتے ہوئے ایک جگہ آ کر بیٹھ گئی۔

''مجھے لگتا ہے اس سے زیادہ خوبصورت جگہ دنیا میں کہیں نہ ہوگی۔ یا اگر ہوگی بھی تو جو سکون مجھے یہاں آ کر ملتا ہے وہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔'' جامن کے تین گھنے درختوں نے نہر کے اس حصے پر ایسے سایہ کر رکھا تھا کہ اوپر سے تینوں درختوں کی شاخیں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتی نظر آتی تھیں۔ تینوں درخت پھل سے لدے ہوئے تھے۔ جہاں ماوری بیٹھی تھی وہاں چند سرخ اینٹوں کو مٹی میں دبا کر بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی گئی اور آس پاس ہری گھاس اور چھوٹے چھوٹے رنگین نیلے، پیلے اور کاسنی پھولوں کی بہار تھی۔ جامن کے درختوں کے تنوں کو سبز بیلوں نے اس طرح ڈھانپا ہوا تھا کہ دور سے دیکھنے پر تنوں کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ خرم یقیناً اس جگہ کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا۔

''بہتے پانی میں پیر ڈبو کر مجھے بہت سکون ملتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے یہ پانی ہمارے اندر کی ساری کثافت پیروں کے راستے بہالے جا رہا ہو۔'' اپنے ٹراؤزر کے پائنچے ذرا سا اوپر کو موڑتے ہوئے ماوری نے خرم سے اپنی کیفیات شیئر کیں اور پھر سرخ اینٹوں پر بیٹھتے ہوئے اپنے پیر پانی میں ڈبو دیئے۔ خرم نے اس کی سمت نظر اٹھائی جو واپس پلٹنا بھول گئی تھی۔ ہلکے گلابی اور سفید لباس میں ملبوس سبزے اور پھولوں کے بیچ بیٹھی ماوری اتنی دلکش معلوم ہو رہی تھی گویا پھولوں کی شہزادی ہو۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ماوری سبزے سے بنے جھولے کے بیچوں بیچ بیٹھی ہے۔ درختوں پر چہچہاتے پرندے آس پاس رنگین پھول، اڑتی تتلیاں.....

خرم ماحول کے فسوں میں بری طرح گرفتار ہوگیا۔

ماوری تیز ہوا سے بار بار اڑ جانے والے دوپٹے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ خرم کا دل سانس لینا رک گیا تھا وہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھے چلا جا رہا تھا۔

اس جھیل کنارے پل دو پل
اک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہا دیں لہروں میں
اک روز کبھی ہم شام ڈھلے
اس پھول کے بہتے رنگوں میں
جس وقت لرزتا چاند چلے
اس وقت کہیں ان آنکھوں میں
اس بسرے پل کی یاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
پھر چاہے عمر سمندر کی
ہر موج پریشاں ہو جائے
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
ہر خواب گریزاں ہو جائے
پھر چاہے پھول کے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہو جائے
اس جھیل کنارے پل دو پل
وہ روپ نگر ایجاد تو ہو
دن رات کے اس آئینے سے
وہ عکس کبھی آزاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو

☆☆☆

خرم کے دل میں شدت سے ماوری کے ساتھ بیٹھ کر نہر میں پیر ڈبونے کا دل کیا۔

''کتنا خوبصورت اور مکمل منظر ہوتا اگر میں بھی ماوری کے ساتھ یہاں بیٹھا ہوتا۔ وہ کسی ریاست کی شہزادی لگ رہی ہے تو میں بھی کسی چھوٹی سی ریاست کا شہزادہ لگتا۔'' وہ بے خودی میں ایسے وقت کو سوچ رہا تھا جو ہو سکتا ہے کبھی نہ آتا۔ دور کھڑے سرخ آنکھوں والے ایک شخص نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے خرم کی والہانہ نظروں کے حصار کو ماوری کے چہرے پر ٹکے دیکھ کر نفرت سے ہنکار بھرا۔

☆☆☆

سورج افق سے نمودار ہو کر اپنی کرنیں بکھیرنے لگا تو اس کی روشنی نے آہستہ آہستہ چاندنی رات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ رات کو کافی بارش ہوئی تھی۔ ماوری نے پردے کھینچ کر باہر باغ کی مٹی سے آنے والی سوندھی خوشبو کو گہرا سانس لے کر خود میں سمویا اور پھر نماز پڑھنے کی تیاری کرنے چل دی۔

فجر کی نماز کے بعد وہ گھر سے ذرا دور کھیتوں تک واک کرنے جایا کرتی تھی۔ اپنی صحت کا خیال رکھنے کے لیے وہ بہت احتیاط کرتی تھی اور یہ بات اس نے داجی سے سیکھی تھی۔ داجی ہمیشہ کہتے تھے انسان جتنے سال کا ہو اسے دیکھنے میں اپنی عمر سے دو چار سال کم کا نظر آنا چاہیے اور وہ داجی کے اس مقولے پر عمل کرنے کی کوشش کرنے کے لیے اپنا کافی خیال رکھتی تھی۔

نماز پڑھ کر وہ واک کرنے کے ارادے سے باہر آئی تو سامنے سے خرم کو آتا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ سفید شلوار قمیص اور ٹوپی میں ملبوس خرم نماز ادا کر کے آ رہا تھا وہ حیران رہ گئی۔

''اتنی صبح کہاں جا رہی ہو؟'' خرم نے سوال کیا۔

''بس یہاں کھیتوں تک واک کرنے۔'' ماوری نے متانت سے جواب دیا۔

''ارے واہ! گاؤں میں بھی لوگ واک کرتے ہیں؟'' وہ خوش دلی سے پوچھ رہا تھا۔

''چلو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔'' وہ دونوں ساتھ چلتے گاؤں سے باہر کی طرف نکل آئے۔ کل دوپہر کے برعکس صبح کے وقت کھیتوں کی طرف اچھا خاصا آنا جانا لگا

ہوا تھا۔ کسان اپنے اپنے جانوروں کو ہانکتے، کچھ کسان کھرپیاں، کھاد لیے سائیکل پر کھیتوں کی طرف جا رہے تھے تو کچھ بیل گاڑی اور گدھا گاڑیوں پر سوار تھے۔ خرم بہت شوق سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

'یہ سب روزانہ اتنی صبح کام کرنے آجاتے ہیں؟''

''گاؤں میں رہنے والا ہر شخص بچہ، بوڑھا اس وقت تک اٹھ جاتا ہے اور فصلوں میں کام کرنا بہت محنت طلب کام ہے۔ اس لیے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ صبح صبح آ کر دھوپ چڑھنے سے پہلے کچھ کام نمٹا لیں۔ بعد میں دھوپ کی وجہ سے گرمی کی حدت بڑھ جاتی ہے۔'' ماوری نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔ سونف کے کھیت کے قریب سے گزرتے ہوئے دونوں کو ایک خوشگوار مہک نے دلفریب احساس بخشا۔

''داجی کے کھیت کس طرف ہیں؟'' وہ ایک بار پھر سوال کر رہا تھا۔

''ہمارے کھیت ذرا دور ہیں داجی سے کہوں گی کہ کسی ملازم کو ساتھ بھیج کر تمہیں دکھا دیں۔ ہمارے کھیتوں میں مزارعے کام کرتے ہیں۔ داجی جب تک کر سکتے تھے بہت محنت کرتے رہے لیکن اب بوڑھی ہڈیوں میں وہ جان کہاں؟ اور میرے پاپا جی کے جانے کے بعد سے داجی تو اندر سے ٹوٹ ہی گئے ہیں۔ ستم یہ کہ اپنا غم کسی کو بتاتے بھی نہیں۔ اوپر سے میرا روگ..... اس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔'' خرم کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کس روگ کی بات کر رہی ہے لیکن اس کی نم آنکھیں دیکھ کر اس نے فی الحال بات بدلنا مناسب سمجھا۔

''شام میں، میں اور تم چلیں تم لوگوں کے کھیت دیکھنے؟''

جانے کیوں اب اس البیلی لڑکی کی سنگت میں ہر پل گزارنے کا دل کرنے لگا تھا۔

''ہم! کافی دور ہیں۔ داجی سے پوچھ لوں پھر چلیں گے؟''

سالگرہ مبارک ہو

پھولوں میں بسیرا ہو تجھے سالگرہ مبارک ہو
خوشیوں کی سوغات ہو تجھے سالگرہ مبارک ہو
نام تیرا ''ریشم'' چمکتا رہے یونہی کلی کی مثل
ساون کی رت سہانی ہو تجھے سالگرہ مبارک ہو
میرے ویراں دل کی بھی ہے یہی آرزو
مہکتی شام سہانی ہو تجھے سالگرہ مبارک ہو
بہاروں کے دامن میں بسیرا ہو تیرا ابد تک
چرچا تیرا ہو ہر سو تجھے سالگرہ مبارک ہو
عنبرین جگمگاتی کہکشاؤں میں ڈوبی ہر کلی
تیرے ہی گن گاتی ہو تجھے سالگرہ مبارک ہو
(عنبرین اختر، لاہور)

وہ نرم لہجے میں بولی پچھلے رویوں کا کہیں شائبہ تک نہ تھا۔ ''داجی سے میں پوچھ لوں گا تم شام کو تیار رہنا.....''

ماوری نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''تم واپس کب جا رہے ہو؟'' خرم کو لگا جیسے ماوری اس کے اندر کے حال سے واقف ہو گئی ہو۔

''میرے بابا پاکستان آ رہے ہیں..... کچھ دنوں میں آ جائیں گے تو چلا جاؤں گا۔ فیصل آباد میں ہمارا گھر ہے۔ میں تو وہیں رہنا چاہ رہا تھا لیکن داجی نے بابا کو تلقین کر دی تھی کہ ان کے لوٹ آنے تک میں ان کے پاس ہی رہوں گا اس لیے یہاں ہوں۔'' خرم نے وضاحت دی۔ وہ ماوری کو کیسے بتاتا کہ وہ اب خود یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ چلتے چلتے وہ کافی دور نکل آئے تھے۔ جب خرم نے ماوری کو اپنے ساتھ محسوس نہ کر کے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بری طرح خوفزدہ ہو کر کچھ فاصلے پر نکا چلاتے ایک شخص کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا ماوری.....؟'' اس کی زرد ہوتی رنگت دیکھ کر وہ پریشان ہوا۔

''ک..... کک..... کچھ نہیں۔ چلو واپس چلیں.....''

خرم کا ہاتھ کھینچتے وہ تقریباً بھاگتی ہوئی واپسی کے لیے مڑی۔ خرم نے رخ موڑ کر دیکھا نلکا چلاتا وہ شخص چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ لیے ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

کھیتوں سے واپسی پر جس طرح بدحواس ہو کر ماوری نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اس کی وجہ خرم کو اب تک سمجھ نہیں آ سکی تھی۔ حویلی میں داخل ہوتے وقت ماوری کو احساس ہوا کہ وہ سارے راستے کیا حماقت سرانجام دیتی آئی ہے۔ اس نے خجالت سے خرم کا ہاتھ چھوڑ دیا لیکن خرم اب تک انہی لمحوں میں جی رہا تھا۔ وہ نرم و ملائم لطیف احساس اس کی روح کو سرشار کر رہا تھا۔ عجیب سی سرمست لہریں تھیں جو سرتاپا بار بار اسے محسوس ہو رہی تھیں۔ آنکھیں بند کر کے وہ زیرلب بڑبڑایا۔

''البیلی لڑکی''

☆☆☆

آج کافی دنوں بعد دھوپ کافی تیز تھی، آسمان پر بادل کے ہلکے ہلکے ٹکڑے روئی کے گالوں کی صورت کہیں کہیں بکھرے نظر آئے تھے۔ دوپہر کا وقت گزرا تو سورج کی تمازت کم ہونا شروع ہو گئی۔ پنچھی سارا دن پیٹ بھرنے کے بعد اپنے آشیانوں کا رخ کرنے لگے۔ حویلی میں ساگ کی خوشبو پھیل رہی تھی۔

خرم ماوری کے کچن میں ہونے کا سوچتے ہوئے اس طرف آیا تھا لیکن وہاں ماوری کے بجائے اماں سکینہ (گھریلو ملازمہ) دکھائی دیں وہ دروازے سے ہی واپس لوٹ گیا۔

''پاکستان میں واقعی کافی ترقی ہو گئی ہے۔'' یہ جملہ خرم نے حویلی کا صاف ستھرا امریکن اسٹائل کا کچن دیکھنے کے بعد ادا کیا تھا۔ کچھ سال قبل بھاگو دال میں گیس کی سہولت آ گئی تھی جس کے بعد دادی نے ماوری کی خواہش پر اس کی پسند سے باورچی خانہ کی دوبارہ تعمیر کروائی تھی۔

''دادی! میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہا تھا..... وہ میں آپ کے کھیت دیکھنا چاہ رہا تھا۔ کیا میں ماوری کو ساتھ لے جاؤں؟'' وہ دادی کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ سامنے راہداری سے دادی اسی طرف آتے دکھائی دیئے۔

''ماوری کی تو طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو جانا ہے تو کسی ملازم کو ساتھ بھیج دیتا ہوں۔'' خرم کو لگا جیسے دادی کچھ اور کہنا چاہ رہے تھے لیکن کہہ کچھ گئے۔

''جی دادی میں دیکھتا ہوں دین محمد کو ساتھ لے جاتا ہوں۔'' اب وہ دادی کو کیا بتاتا اصل بات کھیت دیکھنا نہیں بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا جو اس کی روح میں سرائیت کر گئی تھی۔ حویلی میں تو ماوری اکثر وقت اپنے کمرے میں گزارا کرتی تھی یا اگر قسمت سے کہیں نظر بھی آتی تو دادی کے آس پاس ہوتی یا کھانے کے وقت نظر آیا کرتی تھی۔ وہ بے دلی سے حویلی کے بیرونی حصے میں بنے خوبصورت باغ کی طرف آ گیا۔ صنوبر، آم، انگور، کیلے، امرود اور شہتوت کے درخت قطاروں میں لگائے گئے تھے۔ امرود اور آم کے درخت پھلوں سے لدے تھے۔ درختوں سے کچھ فاصلے پر چھوٹی چھوٹی کیاریاں تھیں جو مختلف پھولوں اور نایاب پودوں سے سجی تھیں وہ ان کے درمیان بنی سرخ روش سے گزرتا ہوا حویلی کے پچھلے حصے کی طرف آنے لگا یہاں چھوٹی سے مصنوعی جھیل بنائی گئی تھی۔ جھیل کے شفاف پانی میں تیرتی رنگین مچھلیاں دیکھ کر وہ بے اختیار مبہوت ہو گیا۔

جھیل کے آس پاس رنگین چھوٹے بڑے پتھر کسی دریا کے کنارے کا منظر پیش کر رہے تھے۔ یہ حویلی کی دائیں طرف کا پچھلا حصہ تھا اب تو اس کا تجسس ابھر آیا تھا کچھ دیر تک اس دلکش منظر کا نظارہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھ کر حویلی کے پچھلی جانب بائیں طرف مڑ گیا اور پھر جیسے سانس لینا بھول گیا۔ یہاں تو ایک الگ ہی جہان آباد تھا۔

یہ حصہ اوپر سے پھولدار شیٹ سے بالکل ڈھکا ہوا

تھا۔ دیوار پر بہت خوبصورت نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ یقیناً کسی ماہر کاریگر کا کمال تھا۔ پوری دیوار میں ہر رنگ کے چوکور ڈبے بنائے گئے تھے لیکن اصل چیز جو اس ساری دیوار میں نمایاں تھی وہ ان رنگوں کے ڈبوں کے درمیان میں نظر آنے والا ایک افسردہ لڑکی کا حسین چہرہ تھا۔

لان میں ہر طرف سرخ اینٹوں کا فرش تھا لیکن اس حصے میں رنگین ماربل لگایا گیا تھا۔ درمیان میں لکڑی کا رنگین جھولا تھا۔ جس پر بیٹھی پیلے لباس والی لڑکی اس رنگین منظر میں پیلا پھول لگ رہی تھی۔ خرم بے انتہا متاثر ہو رہا تھا۔ ہولے ہولے جھولا ہل رہا تھا وہ کچھ قدم آگے بڑھ آیا تو اسے احساس ہوا جھولے پر بیٹھی لڑکی سسک رہی ہے۔ وہ حیران ہوتا اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا ماوری'' ماوری کو کسی کے جھولے پر بیٹھنے کا احساس ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

''رو کیوں رہی ہو؟ طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟''

اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر خرم کو احساس ہوا کہ وہ شاید گھنٹوں سے رو رہی ہے۔

''وہ داجی نے بتایا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اب حقیقتاً بہت پریشان ہو رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے..... اور تم! تمہیں میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے زندہ دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے تو سکون سے مر لینے دو۔'' اس کا ہاتھ شانے سے جھٹکتے وہ بری طرح چلائی تھی۔ خرم حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا وہ جھولے سے اتر کر تقریباً دوڑتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔ کس قدر ہتک آمیز انداز تھا ماوری کا۔ خرم کو اپنا اندر ٹوٹتا محسوس ہوا۔

''کچھ تو ایسا ہے جو الجھا ہوا ہے لیکن کیا؟'' خرم گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

☆☆☆

خرم ہاتھ میں قلم تھامے ڈائری پر کچھ لکھ رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جائیں.....'' اس نے آواز دی اور ڈائری پر سر جھکائے لکھتا رہا۔ ظاہر ہے دین محمد کے علاوہ کون اس کے کمرے میں آ سکتا تھا۔ دروازہ کھلا تو ایک خوشگوار مہک سارے کمرے میں پھیل گئی۔ خرم نے سر اٹھایا اور سامنے ماوری کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے اسے دیکھنے لگا وہ بیڈ کی پائنتی کے قریب ٹک گئی تھی۔

''آہاں! آج تو محترمہ ماوری صاحبہ تشریف لائی ہیں۔''

وہ مسکراتا ہوا بولا۔ یہ پہلی بار تھا کہ اس کی موجودگی میں ماوری اس کے کمرے تک آئی تھی۔

''آئی ایم سوری..... اس دن میں پریشانی میں تم سے مس بی ہیو کر گئی تھی۔'' وہ ہاتھوں کی انگلیاں موڑتے ذرا نروس تھی۔ پچھلے دو دن سے خرم حتی الامکان کوشش کر رہا تھا کہ ماوری سے مخاطب نہ ہو اور اس سے ٹکرائے نہ سوائے کھانے کے وقت ٹیبل پر ہونے کے خرم ماوری کو کہیں نظر نہیں آ رہا تھا اور میز پر داجی کے سامنے تو وہ معذرت نہیں کر سکتی تھی لہٰذا آج مجبوراً اسے اس کے کمرے تک آنا پڑا تھا۔

''اٹس اوکے! میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم پریشان تھیں اسی لیے کوشش کی کہ تم میری وجہ سے مزید ڈسٹرب نہ ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کیا اس پریشانی کی وجہ میں تھا؟ یا اس دن کھیتوں میں نظر آنے والا شخص.....؟'' وہ سنجیدہ ہوتا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماوری کے چہرے کا رنگ بدلا۔

''دقت کے ساتھ جان لو گے۔ ابھی یہ بتاؤ تم کیا لکھ رہے تھے.....؟'' ماوری کے چہرے کا بدلتا رنگ خرم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا وہ بات بدل گئی تو اس کی پچھلی حالت کو سوچتے ہوئے خرم نے مزید اصرار نہیں کیا۔

''بس یونہی شاعری لکھ رہا تھا۔''

''ارے واہ! تمہیں بھی شاعری پسند ہے۔ دکھاؤ تو

کیا لکھ رہے تھے؟'' ماوری نے ہاتھ بڑھایا۔

''دیکھنا چھوڑو سنا دیتا ہوں کیا یاد کرو گی۔''

''سنا دوں'' خرم نے بات کہہ کر اس سے اجازت لینا چاہی۔

جواب میں ماوری نے ہولے سے گردن ہلا دی۔

کرم ایک مہرباں کر دو، میری چاہت امر کر دو
میرا دل پیار سے بھر دو میری چاہت امر کر دو
میں ساری عمر سجدۂ تشکر میں بتا دوں گا
میرا اک کام کر دو، میری چاہت امر کر دو
میری پلکوں کو چھو لو تم حسیں یا قوت ہونٹوں سے
مرے آنسو گہر کر دو، میری چاہت امر کر دو
چلو چھوڑو محبت میں گلے اچھے نہیں لگتے
یہ باتیں درگزر کر دو میری چاہت امر کر دو
مٹا ڈالو یہ ساری دوریاں جو ہم میں حائل ہیں
خلا تم سارا پُر کر دو میری چاہت امر کر دو
نچھاور کر دو اپنے حسن کی سب چاندنی مجھ پر
مجھے رشک قمر کر دو میری چاہت امر کر دو

وہ گھمبیر لہجے میں اپنے دل کی کیفیات ماوری تک پہنچا رہا تھا۔ ایک تو تنہائی اوپر سے ماوری اس کے کمرے میں۔ خرم کا رُوم رُوم دیوانہ ہونے پر تلا تھا۔ اس کے لہجے پر ماوری کی پلکیں لرزنے لگی تھیں لیکن یہ وقت جذبات میں بہنے کا نہیں تھا۔ اسی لیے ماوری خود کو سنبھالتی گویا ہوئی۔

''اچھی ہے لیکن خوابوں سی گہری ہے۔ گہرے خوابوں کی تعبیروں میں سیاہ اندھیرے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔''

اس کی وارفتہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ سفاکی سے کہہ رہی تھی۔ خرم کی جگمگاتی آنکھوں میں کرچیاں بکھر گئی تھیں۔

''صرف اس سوچ میں کہ میرے ہاتھ اس روشن چراغ کو چھو کر جھلس جائیں گے یا خوابوں کے بدلے میرے اندر سیاہ اندھیرے پھیل جائیں گے۔ میں ان سوچوں میں ڈوب کر اپنا مستقبل تاریک دیکھنے کے بجائے، اپنے حال میں رہ کر، اسے اپنا بنانے کی کوشش کر چاہوں گا، تاکہ کل میرے ہاتھ روشن چراغ کی لو سے جگمگاتے ہوں اور میری زندگی میرے حسین خوابوں کی تعبیر ہو۔ زندگی میں جب تک ہم ہار نہ مان لیں نا دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ہرا نہیں سکتی اور میں ابھی ہارا نہیں ہوں۔'' ڈائری سائیڈ پر رکھتے ہوئے خرم نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے اور سنجیدگی سے اس کی بات کا جواب دینے لگا۔ آخری جملہ کہتے وقت خرم کے لہجے میں جو قطعیت تھی اسے محسوس کر کے ماوری کا ڈانواں ڈول ہونے لگا۔

''اور میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ کچھ خوابوں کی تعبیریں کبھی نہیں ملا کرتیں۔ اگر تمہارے خواب اس حویلی کے مکینوں سے وابستہ ہیں تو ایک بات جان لو، تمہیں خوابوں کے بدلے راکھ کا ڈھیر ملے گا، جس کو پا کر بھی تم کبھی خوش نہیں رہ سکو گے۔ بتانا میرا فرض تھا اب آگے تمہارا کام ہے تم خواب دیکھو یا سراب چاہو۔ فرق تمہیں ہی پڑے گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے آخر میں اس کی طرف وارن کرنے والے انداز میں انگلی اٹھا کر بولی تھی۔ جس رویے کی وہ معذرت کرنے آئی تھی جاتے جاتے اسی انداز میں دوبارہ بات کر گئی تھی۔ خرم کو لگا جیسے اس کے جانے سے کمرے کا اجالا تاریکی میں بدل رہا ہو۔

''پاگل اکیلی لڑکی..... جانے کیا سوچتی رہتی ہے میں تمہیں پا کر رہوں گا اور تمہیں اتنا چاہوں گا کہ تم خود پر ناز کرو گی۔'' خرم اس کو سوچتا اس سے باتیں کرنے لگا تھا واقعی یہ دیوانگی کی انتہا تھی۔ کچھ دن پہلے جس لڑکی کو دیکھتے ہی اسے ناگواری کا احساس ہوا تھا وہی اب اس کی رو میں اتر چکی تھی۔

☆☆☆

ساون اپنے عروج میں تھا۔ آج بھی صبح سے گہرے بادلوں نے آسمانوں پر اپنا قبضہ کیا ہوا تھا ہلکی ہلکی ہو

بادلوں کو چھیڑ کر گزرتی تو بادل جھوم کر ٹپ ٹپ بوندیں برسانا شروع کر دیتے۔ سورج اور بادلوں کی آنکھ مچولی پچھلے کئی دنوں سے جاری تھی لیکن اتنے سہانے موسم میں بھی خرم بے کل پھر رہا تھا۔ ماوری کا رویہ اس دن اس کے کمرے میں آنے کے بعد سے بہت بدل گیا تھا اب وہ خرم سے نا صرف کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی بلکہ ضرورتاً بھی اسے مخاطب نہ کرتی تھی۔

''کیا بات ہے آپ دونوں کے درمیان اچانک سے اتنی خاموشی کب سے آنے لگی؟'' ماوری داجی کے پاس بیٹھی تھی۔ جب خرم بھی وہاں آ کر خاموشی سے بیٹھ گیا اور شکوہ کناں نظروں سے ماوری کو دیکھنے لگا۔ جو خود کو ایسے لاپروا ظاہر کر رہی تھی جیسے خرم ان کے درمیان موجود ہی نہ ہو۔

''ایسا تو کچھ بھی نہیں داجی..... بس سوچ رہا تھا آج تو ماوری کی طبیعت ٹھیک ہے تو کیوں نہ ہم کھیتوں کی سیر کر آئیں۔'' ماوری نے ناگواری سے اس کی بات پر اس کی طرف دیکھا۔ خرم اپنی بات کہہ کر مسکرا رہا تھا جانتا تھا کہ ماوری ایسے ہی ری ایکٹ کرے گی۔ شاعری کی صورت دل کی بات وہ اس تک پہنچا چکا تھا اب وہ شادی سے انکار کی اصل وجہ جاننا تھا اور اسی لیے ماوری سے بات کرنا چاہتا تھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں جائیں ماوری! خرم کے ساتھ سیر کر آئیں۔ آج تو موسم بھی خوب سہانا ہے۔'' داجی نے ماوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن داجی آپ جانتے ہیں ناں میں وہاں نہیں جا سکتی؟'' ماوری نے پہلو بدلا۔

''کیوں نہیں جا سکتی اکیلی تھوڑی نہ ہو آپ..... خرم ہے آپ کے ساتھ، بے فکر ہو کر جائیں۔ ذرا ذرا سی بات پر پریشان نہ ہوا کریں۔'' داجی مبہم انداز میں ماوری کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ خرم ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔

☆☆☆

کھیتوں کے درمیان کچی پگڈنڈی کی مٹی کی تہہ پچھلے کچھ روز سے کم زیادہ ہونے والی بارش اور بوندا باندی کی وجہ سے جمی ہوئی تھی۔ مٹی کی سوندھی خوشبو اور کھیتوں کے پھول، پودے، درختوں کی ملی جلی خوشبو فضا میں رچ گئی تھی۔ داجی کے کہنے پر ماوری خرم کے ساتھ چلی تو آئی تھی لیکن اس کا موڈ بہت خراب تھا۔ وہ کسی صورت اب خرم سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے ناں کہ انیق انکل کے آنے کے بعد تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔'' ماوری اسے جو باور کروانا چاہ رہی تھی وہ اسے اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

''کون سا وعدہ؟ ہمارے درمیان کبھی کوئی وعدہ ہوا تھا کیا؟ مجھے تو یاد نہیں۔'' خرم اسے زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے اگر تم مجھے میرے ایک سوال کا درست جواب دے دو تو میں وعدہ کرتا ہوں واقعی یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' وہ سنجیدہ ہوا تو ماوری نے ٹھٹک کر اس کی سنجیدگی کو محسوس کیا۔

''اوہ.....'' خرم کا پیر پانی سے بھرے ایک چھوٹے سے گڑھے میں پڑ گیا تھا۔ بادامی شلوار کے پائنچے چھینٹوں سے بھر گئے۔

''کوئی بات نہیں چند قدم کے فاصلے پر نلکا ہے وہاں سے دھو لیتے ہیں۔'' وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دباتی بولی۔

''رکو خرم سانس روکو تمہارے پیر پر بچھو..... سانس روک لو ورنہ ڈنگ مار دے گا۔'' ماوری نے اس کے کیچڑ بھرے پیر پر نظر ڈالی تو ایک کافی بڑا بچھو طیش میں اپنے ڈنگ کو کھولتا بند کرتا نظر آیا۔ وہ فوراً سے چلائی تھی۔

''آآآ..... کہاں ہے؟'' خرم کے منہ سے چیخ نکلی وہ اچھلا اور ساتھ ہی اس کے دونوں پیر پانی میں جا پڑے.....

''ہاہاہا.....'' ماوری کے حلق سے بے اختیار زوردار قہقہہ برآمد ہوا اور پھر وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔ خرم جو اب کیچڑ میں لتھڑے پیروں کو دیکھ کر جھنجھلا رہا تھا اس کی جھرنوں جیسی ہنسی کی آواز سن کر خوشگوار کیفیت میں گھر

گیا۔ ایسا پہلی بار تھا کہ وہ اسے یوں بے اختیار ہنستا دیکھ رہا تھا۔ منہ پر ہاتھ رکھے وہ ذرا گردن پیچھے کو کیے اس کا مذاق اڑاتے ہنس رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ.....! تم لڑکیوں کی طرح اتنا ڈرتے ہو؟..... ہاہاہا..... سچ میں حیران کن ہے۔'' وہ نا صرف چہرے بلکہ آنکھوں سے بھی ہنس رہی تھی۔ خرم اس کی ہنستی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کی شفاف ہیرے جیسی جگمگاتی آنکھوں کی چمک دیکھنے لگا۔

''تمہیں کبھی کسی نے بتایا کہ تم ہنستی ہوئی پریوں کے دیس کی باسی لگتی ہو۔ یہ بارش، پھول، پودے دور دور تک پھیلا خوبصورت سبزہ..... ان سب پر ایک تمہاری ہنسی غالب آجاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ سارا منظر، ہوا، سانس سب رک کر تمہاری ہنسی سننے لگتے ہیں۔'' سینے پر ہاتھ لپیٹے وہ بہت توجہ سے اسے دیکھنے میں مگن تھا۔

ماوری کے کھلے لب تھوڑا اور کھلے اور پھر گلاب کی پنکھڑی سی صورت ایک دوسرے میں مدغم ہوگئے۔ شفاف جھرنے کی بہتی آواز آنا بند ہوگئی، مسکراہٹ سمٹ کر رہ گئی اور اب ماوری کے چہرے پہ کچھ لمحے قبل پہلے والی ہنسی کا شائبہ تک نہ تھا۔ خرم کو افسوس ہوا کہ وہ جذبات میں آکر اس کی تعریف کیوں کر گیا کم سے کم کچھ دیر مزید اس دلکش منظر سے لطف اندوز تو ہو سکتا تھا۔

''چلو آؤ میں وہاں سے پیر دھولوں۔'' خرم نے ماحول پر چھائی خاموشی ختم کرنے کی سعی کی اور کچھ فاصلے پر نظر آنے والے نلکے کی طرف اشارہ کیا۔ ماوری نے خاموشی سے آگے بڑھ کر نلکا چلانا شروع کر دیا۔ خرم نے پیر پانی کے نیچے کر لیے۔ مٹی، گارا آہستہ آہستہ اتر کر بہنے لگا۔ خرم نے دل سے دعا کی اسی طرح ماوری کے دل کی کثافت آہستہ آہستہ اتر کر تحلیل ہو جائے اور اس کی جگہ محبت اپنا ڈیرا جما لے۔

کبھی یوں بھی تو ہو
تنہائی ہو، دل ہو،
بوندیں ہوں
برسات ہو
اور.....تم آؤ

نلکے سے بہتا شفاف پانی کم ہوا اور پھر ٹپ ٹپ چند بوندیں گریں نلکا چلنا رک گیا تھا۔ خرم نے ماوری کی طرف دیکھا جو گھبرائی ہوئی اس کے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ خرم نے اس کی نظروں کے تعاقب میں اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سیاہ لباس میں ملبوس وہ ایک کرخت چہرے والا نوجوان تھا جس کو ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ ضرور کوئی اوباش نوجوان ہے۔ لیکن خرم کو ماوری کی گھبراہٹ کی وجہ سمجھ نہ آئی۔

''بڑی سیریس ہو رہیں ہیں۔ کمال ہے داجی کی غیرت اب کہاں جا سوئی ہے۔ ایک جوان لڑکا ان کی جوان پوتی کو لے کر کھیتوں میں رنگ رلیاں منا رہا ہے اور وہ آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔'' مونچھوں کو تاؤ دیتا وہ شخص زہر خند لہجے میں زہر اگل رہا تھا۔ ماوری نے دو قدم آگے بڑھ کر خرم کا بازو تھام لیا۔

''چلو خرم چلتے ہیں یہاں سے.....'' وہ اسے کھینچ کر یہاں سے لے جانا چاہ رہی تھی۔ لیکن خرم اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلا۔ ماوری کے ہاتھوں کی گرفت اس کے بازوؤں کے گرد مزید مضبوط ہوگئی۔

''میں ماوری کا ہونے والا شوہر ہوں۔ اس لیے تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ماوری کس کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے اپنی ہونے والی بیوی کی پروا مجھ سے زیادہ کس کو ہوگی۔'' ماوری کے ہاتھوں پر خرم کا ہاتھ آ گیا تھا گویا حوصلہ دے رہا ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔

ماوری شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن خرم کی بات پر اس کے اندر تک سکون اترتا چلا گیا۔ دل میں جلترنگ سی بج اٹھی تھیں۔ سامنے کھڑا ایک شخص اگر اس کی حفاظت کرنے کے لیے ساتھ تھا تو دوسرا شخص اس کی زندگی کی وہ بدترین حقیقت تھا جسے وہ خواب میں بھی نہیں سوچنا چاہتی

تھی۔ اس گھٹیا شخص سے کسی بھی قسم کی توقع کی جا سکتی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی خرم کسی بھی طرح اس کے تکلیف دہ ماضی کے بارے میں کچھ جانے۔

''خرم چلو اب چلیں یہاں سے..... پلیز چلو۔'' ماوری با آواز بلند اسے متوجہ کر رہی تھی لیکن خرم کا وہاں سے چلنے کا کوئی ارادہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بری طرح گھبرا رہی تھی۔

''خرم تم جانتے نہیں اسے، یہ کتنا کمینہ شخص ہے۔ چلو یہاں سے۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ہنہہ.....! شوہر..... تو تم ہو اس کے وہ باہر سے آنے والے اور ہونے والے شوہر۔ یقیناً تم اس خوبصورت چہرے کے پیچھے چھپا اس کا داغ دار ماضی نہیں جانتے ورنہ ایسا فیصلہ کبھی نہ کرتے۔'' وہ شخص استہزائیہ انداز میں ہنستا ماوری کے روتے چہرے کی طرف نگاہ کرتا بولا۔ تو ماوری کو لگا وہ بس گرنے والی ہے، سماعتوں میں گویا پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا گیا تھا۔ وہ بے جان وجود و رگتی سانسوں کے ساتھ آنے والے اگلے لمحوں کا سوچ کر خود کو بے بس ہوتا محسوس کرنے لگی۔

''کیسا ماضی؟ یہی کہ بچپن میں دادی کے چچازاد بھائی نے اپنے بیٹے سے اس کی نسبت کا اعلان کیا تھا اور رشتہ طے کرتے وقت وہ یہ بات نہیں جانتے تھے کہ ان کا بیٹا جوان ہو کر اوباش اور بدکرداری کی ہر حد عبور کرنے والا ہے۔ وہی اوباش بیٹا جو دادی کے ماوری سے اس کی شادی سے انکار پر غلاظت کی ہر حد عبور کر لینا چاہتا تھا اور اس گھٹیا حرکت کے بعد پنچائت کے فیصلے کے بعد وہ ماوری کو طلاق دینے پر مجبور ہو گیا۔'' کرخت مکروہ صورت والا شخص لق دق تھا۔ خرم سانس لینے کو رکا تھا۔

''اور میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ سامنے بنے ڈیرے میں تم اور تمہارے گھٹیا دوست کیا کیا کارنامے سر انجام دے چکے ہو۔ میری خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھنا۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ ماوری کے بارے میں کوئی ایک سچ بھی مجھ سے پوشیدہ ہے تو جان لو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ تمہارے کرتوتوں کا بویا پھل ہے جو تم کاٹ رہے ہو۔ آج تو تم ہم سے ٹکرا گئے ہو لیکن دوبارہ ایسی غلطی کی تو اپنے ہونے والی منکوحہ کو ہراساں کرنے کے جرم میں ایسا کیس بنواؤں گا کہ تمہارے کارناموں کے اگلے پچھلے گڑھے مردے باہر نکل آئیں گے۔'' ماوری ششدر تھی جس بات سے ڈر ڈر کر وہ پچھلے کئی ہفتوں سے عذاب میں تھی وہ سچ خرم پہلے ہی جانتا تھا۔ خرم کے لہجے میں اس شخص کے لیے کتنی نفرت بھری تھی۔ ماوری نے ہولے سے خرم کے بازو کے گرد سے ایک ہاتھ ہٹایا اور اپنے ہاتھ پر رکھے خرم کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

رنگ و رعنائی مجسم نظر آنے لگے، بے جان وجود کی درد بھری آنکھوں کی جھیلوں میں سکونِ جاں تیرنے لگا۔

''چلو ماوری.....!'' خرم نے ماوری کا ہاتھ تھام لیا اور ماوری آج کئی سالوں بعد اس ڈیرے کے آگے سے گزر کر خرم کے ساتھ قدم ملا کر آگے بڑھنے لگی۔ خرم یک دم رک گیا تھا پھر واپس پلٹتا دو قدم پیچھے آیا۔

''سنو اس ماہ کی بائیس تاریخ کو ہمارا نکاح ہے۔ میری طرف سے تمہیں آنے کی دعوت ہے۔ یہ لڑکی اس دنیا میں میرے لیے آئی تھی اور اسے میرے ہی نام سے وابستہ ہونا تھا تم تو صرف قدرت کے مہرے تھے ورنہ اس کی تقدیر تو زمین پر اتارنے کے ساتھ ہی میرے نام کے ساتھ لکھ دی گئی تھی۔'' پھوار اب ہلکی بارش میں بدل گئی تھی۔ برسات کرتا موسم ماوری کی آنکھوں سے دکھ کا ساون دور لے کر جانے والا تھا۔ ہوا نے مستی میں درختوں کو ہلایا، پتوں نے مل کر نغمہ گانا شروع کر دیا۔

اے نازنین
اب تو میری بستی کو میرے ساتھ چل
برسات کا موسم چلا
بادل برس کر کھل چکے
انگور اور سیبوں کی مٹی جاگ اٹھی
اے کوہساروں کی چکوری

آ میرے ہمراہ چل پیاری

فضا جھوم رہی تھی موسم گنگنا رہا تھا۔ دو دل ایک نئی لے پر دھڑکنے لگے تھے۔ خرم ماوری کا ہاتھ تھامے آم کے گھنے درخت کے نیچے رکھی چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔

''تم جان بوجھ کر مجھے اس کے ڈیرے کے سامنے سے گزار کر لائے ہو ناں.....؟'' ماوری جھکی نگاہوں کو مزید جھکاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ خرم کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ نے اپنا احاطہ کیا ہوا تھا۔ بارش ہوا کے شریر جھونکوں سے اپنی دھاروں کی سمت بار بار بدل رہی تھی۔

''داجی نے مجھے کچھ دن پہلے سب کچھ بتا دیا تھا کہ کس طرح اس نے تمہارے اغواء کی کوشش کی تھی اور اس کے بعد بھی تم جب بھی اس گھٹیا شخص کے ڈیرے کے قریب سے گزری اس نے تمہیں ہراساں کرنا چاہا۔ کئی بار تمہارا طے جانے والا رشتہ اس شخص کی حرکتوں کی وجہ سے ٹوٹا۔ شاید ہمارا ملنا تمہاری ان سب آزمائشوں کے بعد ہی طے تھا۔'' خرم دھیرے دھیرے اسے سب بتا رہا تھا۔

''جس دن تم میرے کمرے تک آئی تھیں مجھے اسی دن یقین ہو گیا تھا کہ تم بھی مجھے چاہنے لگی ہو لیکن پھر بھی نجانے کیوں مجھے یہاں سے بھیجنا چاہتی ہو۔ میں نے داجی سے بات کی تو انہوں نے سب بتا دیا لیکن پھر بھی میں چاہتا تھا کہ تم خود مجھے سب کچھ بتاؤ۔ آج تمہیں لانے کا مقصد اس..... شخص سے تمہارا ٹکراؤ کروانا نہیں بلکہ اس کے ڈیرے کے سامنے سے گزر کر تمہیں آگے لے جانا تھا۔ تاکہ تمہارے دل سے اس کا ڈر ختم ہو سکے اور دوسرا شاید تم خود مجھے یہ سب بتا دیتیں لیکن اس کی نوبت ہی نہ آنے پائی.....'' ماوری کی آنکھوں سے دو موتی گال پر پھسلے تھے۔

''اونہہ.....! ایسے نہیں ظالم لڑکی! اب تو ترس کھا لو۔'' انگلی کی پور پر موتی سنبھالتا وہ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب کر گیا تھا۔

''تمہاری آنکھوں میں جو نمی سی چھلک رہی ہے وہ میرے ہونٹوں کے تشنہ صحرا کو دان کر دو.....''

وہ انگلی کی پور اپنے لبوں تک لے کر گیا تو ماوری کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ رقص کناں ہوئی۔

مری آنکھوں میں
جتنے بھی سہانے خواب رہتے ہیں
انہیں لفظوں کے رنگوں میں بدلتی اور
تمہارے نام کرتی ہوں

آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے وہ البیلی لڑکی شہزادے کی محبت کا اعتراف کر رہی تھی۔ درخت پر بیٹھے پرندوں کے غول نے اپنی بولی میں ان کو محبتوں کے سلامت رہنے کی دعائیں دیں۔ سفیدے کے قطار در قطار بلند اشجار بلندی پر سرگوشی کرنے لگے۔ ہوائیں مشک و عود کی خوشبو سے معطر ہو گئیں۔ فضا حیرت افزا، مسکان دل افزا تھی۔ خرم خوشی سے سرشار تھا۔

''البیلی ماوری'' وہ گنگنایا۔ باد صبا نے تیز جھونکے سے اس کا آنچل اڑانے کی کوشش کی تو آنچل لہرا کر اس کے چہرے پر آ گرا خرم نے دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کے کنارے پکڑ کر اوپر کیا، بارش تیز ہو گئی۔ برستی بارش میں بدلی سے چاند نکل آیا تھا۔

زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے قدم آگے بڑھانا از حد ضروری ہے۔ جب تک ہم کسی سے خوفزدہ ہوتے رہیں گے وہ ہمیں خوفزدہ کرتا رہے گا۔

آج برسوں بعد ماوری نے آگے بڑھنے کے لیے قدم بڑھا دیئے تھے۔ زندگی مسکرا اٹھی تھی۔

میرا خواب مجسم ہو کر میرے سامنے بیٹھا تھا
میں نے اس کو لمحہ لمحہ آنکھ چرا کر دیکھا تھا
میں اس مہکے لمحے میں بس اس کو دیکھتا جاتا تھا
پھول سا کھلتا جاتا تھا اک رنگ سا جمتا جاتا تھا
گرد نہیں تھی اس چہرے پر گزرے بارہ برسوں کی
اجلی اجلی آنکھیں تھیں اور نکھرا نکھرا چہرہ تھا

☆☆☆☆

سزا

نزہت جبیں ضیاء

اماں! آج ضرور ہسپتال آنا۔ میں نے آپ کا مکمل چیک اپ کروانا ہے۔ آپ بہت لاپروا ہیں اپنی طرف سے۔

ناشتے کی میز پر حدیقہ نے ثریا بیگم کو کہا تو ثریا بیگم سر ہلا کر رہ گئیں۔

"اچھا! میں چلتی ہوں..... اللہ حافظ! آپ ٹائم پر آجایئے گا۔" حدیقہ نے پرس اور ضروری چیزیں میز پر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ پرنس کاندھے سے لٹکا کر دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ کر وہ گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔

ماریہ اور حبہ سکول اور کالج جا چکے تھے۔ ثریا بیگم اپنی تین بیٹیوں کے ساتھ برسوں سے اس گھر میں رہتی تھیں۔ وقت اور حالات کے حساب سے گھر کی مرمت کروائی جاتی اور آج یہ گھر الحمدللہ بہترین حالت میں تھا۔

ناشتے سے فارغ ہوئیں تو ماسی آ گئی جلدی جلدی سارا کام کروایا اور بارہ بجے کے قریب گھر کو لاک کر کے کرایے دار کے ہاں چابی رکھوا کر ثریا بیگم گھر سے باہر نکلیں۔ اور رکشہ پکڑ کر حدیقہ کے ہاسپٹل آ گئیں۔ ہاسپٹل میں اچھا خاصہ رش تھا مگر وہ ڈاکٹر حدیقہ کی ماں تھیں اس لیے فوراً ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

وہ چیک اپ کروا کر سینئر ڈاکٹر کے روم سے نکلیں تو حدیقہ کو مریضوں کے درمیان گھرا دیکھا وہ ابھی کچھ عرصے پہلے ہی ہاؤس جاب مکمل کر کے اس ہاسپٹل میں آئی تھی اور مختصر سے عرصے میں وہاں کے عملے کے ساتھ ساتھ آنے والے مریضوں میں مقبول ہو گئی تھی۔

نرم مزاج، دھیمے لہجے میں بات کرنے والی ڈاکٹر حدیقہ جب مریض کو تسلی دیتی کو کہ مریض کی حالت سیریس بھی ہوتی مگر حدیقہ اتنے پیار اور اچھے انداز سے باتیں کرتی، بہلاتی اور ہمیشہ یہی کہتی کہ کوئی مرض بھی لاعلاج نہیں ہوتا۔ بس کوئی مرض جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے اور کسی مرض کو ٹھیک ہونے میں زیادہ ٹائم لگ جاتا ہے۔

اس لیے نا امید ہونے کی بجائے مستقل مزاجی سے علاج کروائیں اور دوا کی پابندی اور پرہیز کا خیال رکھیں تو ضرور شفا حاصل ہوگی۔

اماں! دیکھیں یہ وہ باباجی ہیں جن کے بارے میں میں آپ کو بتاتی ہوں۔ عین سامنے بیٹھے ہوئے مریض کی جانب اشارہ کر کے حدیقہ نے ثریا بیگم کو مخاطب کیا جو اپنے واپس جانے کا کہنے آئی تھیں۔

حدیقہ کی بات پر بوڑھے مریض نے کرسی کو گھمایا اور پلٹ کر حدیقہ کی نظروں کے تعاقب میں ثریا کو دیکھا..... ثریا جو آج تک نقاب کی پابندی کرتی تھیں ان کی نظر مریض پر پڑی تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.....

یہ..... یہ..... تو..... بشارت علی تھے.....

اکھڑ، بدمزاج، انا اور ضد کے مارے انسان جن کی رگ رگ میں غرور ہوتا تھا۔ جن کے چہرے پر ہمیشہ تناؤ اور تفاخر ہوتا۔ آج..... آج..... کتنے بے بس، مجبور، لاغر اور نحیف ہو چکے تھے۔ سرمئی شلوار قمیص میں بکھرے الجھے بال، بڑھی ہوئی سفید شیو اور پیروں میں ہاتھ سے سلی ہوئی اسفنج کی چپل.....

یہ..... یہ..... بشارت علی ایسے تو نہ تھے..... ان کا انداز شاہانہ تھا۔

''السلام علیکم میڈم!'' اف ثریا کا سر چکرا گیا۔ اتنی عاجزی، انکساری۔

''وعلیکم السلام! جواب دیا۔''

اماں آپ جا رہی ہیں.....؟ حدیقہ نے پوچھا۔

''ہاں! تم اپنا کام کرو میں چلتی ہوں۔'' ثریا وہاں ایک منٹ بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی تھیں۔ تب ہی تیز تیز قدموں سے ہاسپٹل کے گیٹ کی طرف چل دیں۔

سارا راستہ ان کا دماغ ماؤف رہا۔ گھر آ کر بھی عجیب سی کیفیت کا شکار رہیں۔ ماریہ اور حبہ آ گئی تھیں۔ ثریا ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ دونوں بچیاں بھی لنچ اور نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر کے لیے لیٹ گئیں چار بجے کے بعد حدیقہ ہاسپٹل سے آ جاتی تھی تب تک یہ لوگ آرام کر لیتے۔ حدیقہ کے آنے کے بعد چائے کا دور چلتا۔

ثریا بیگم لیٹیں تو گزشتہ ماہ و سال کے ایک ایک تلخ یاد کے دریچے کھلتے چلے گئے۔

''بشارت علی! کچھ رحم کرو مجھ پر، اپنی ننھی ننھی بچیوں پر..... آنے والی معصوم جان پر اس میں میرا یا بچیوں کا کوئی قصور نہیں ہے..... ہم کو یوں بے آسرا نہ کرو۔''

ثریا ہاتھ جوڑے بشارت علی کے سامنے کھڑی تھی۔ تین سالہ حدیقہ اور دو سالہ ماریہ اماں کی حالت دیکھ کر کچھ نہ سمجھتے ہوئے بس روئے جا رہی تھیں۔

''بکواس بند کر اپنی منحوس عورت! جب سے میری زندگی میں آئی ہے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ اب میں نائلہ کو گھر میں لا رہا ہوں تیرا وجود اور ان منحوس لڑکیوں کی چھاؤں بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اب بھی تم لوگوں کے منحوس سایے نائلہ کی کوکھ پر پڑیں۔ اس لیے میں تم کو طلاق دیتا ہوں۔''

نہیں نہیں خدا کے لیے ایسا غضب مت کرو میری بوڑھی ماں مر جائے گی۔ کوئی سہارا نہیں ہے ہمارا۔ وہ گڑگڑا کر پیروں میں بیٹھ گئیں۔

''ارے نکلتی ہے یا اٹھا کر باہر پھینکوں ان منحوسوں سمیت۔'' بشارت علی نے تو سفاکی کی ساری حدیں پار کر ڈالی تھیں اور ثریا بیگم جو خود بھی تیسری بار ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھیں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ طلاق کا ٹھپہ لے کر میکے کی دہلیز پر آ گئیں۔

بات یہ تھی بشارت علی کو بیٹے کی ضرورت تھی۔ یہ بات انہوں نے شادی کی رات ہی باور کرا دی تھی کہ کم از کم چار بیٹے ہونے چاہیے اور قسمت کی خرابی کہ دو سال میں دو بیٹیاں ہو گئیں۔

بشارت علی آپے سے باہر ہو گئے مگر ثریا کی منتیں سماجتیں کام آ گئیں کہ اگلے سال بیٹا ہونا چاہیے۔ ثریا نے ہاتھ جوڑ کر پناہ چاہی تو بشارت علی نے گھر میں رکھنے کے لیے یہ شرط رکھ دی۔

ثریا نے اس پر بھی خدا کا شکر ادا کیا اور دن رات رو رو کر بیٹے کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ بشارت علی کو صبر نہیں تھا کہ وہ ڈلیوری تک انتظار کر لیتا۔ اس کو جلد از جلد نتیجہ معلوم کرنے کی پڑی تھی اور اس نے ساتویں مہینے میں ڈاکٹر سے کہہ کر

الٹراساؤنڈ کروالیا اور پھر تو اسے ثریا سے چھٹکارا حاصل کرنے کا بہانہ مل گیا۔

الٹراساؤنڈ کی رپورٹ کے مطابق ثریا کی تیسری بھی بیٹی ہی تھی۔ یوں ثریا اپنی بے آسرا بچیوں کو لے کر روتی پیٹتی لٹی پٹی اپنے میکے کی دہلیز پر آ گئی۔

بوڑھی ماں تھی بیٹی کا اجڑنا برداشت نہ کر پائی اور بستر سے لگ گئی۔ ثریا پہلے ہی ایک صدمے کو دل سے لگائے بیٹھی تھی کہ وہ اتنی پہاڑ جیسی زندگی تین، تین بیٹیوں کے ساتھ کس طرح گزارے گی۔ اسے لگتا تھا کہ جیسے وہ صحرا میں کھڑی ہو۔ جہاں پر جینے اور زندگی کا کوئی سامان نہیں۔ نہ پیسہ تھا، نہ کوئی آسرا، نہ باپ، بھائی کا سہارا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زندگی کہاں سے شروع کرے اور کس طرح سے ان کٹھن حالات کا مقابلہ کرے۔

جب سوا مہینے کی ہوئی تو ثریا نے اماں کی مشین نکالی۔ اسے صاف کیا اور محلے کے لوگوں کے کپڑے سلائی کرنے شروع کر دیئے۔ ابا گورنمنٹ ملازم تھے۔ معقول پنشن آ جاتی تھی۔ گھر کا خرچہ ہو جاتا تھا۔

ثریا نے دن رات سلائی کر کے بڑی بی کے پاس کمیٹی ڈالی لی اور کمیٹی کھلتے ہی اوپر کے پورشن کی مرمت کروا کر کرایے دار رکھ لیے۔ نیچے مکان کے صحن میں دو جھے کر کے اس کو بھی کرائے پر چڑھا دیا۔ اس طرح دن رات کام کرتی ساتھ ساتھ بچیوں کی بھی اچھی تربیت کر رہی تھی۔

بچیاں بھی بہت ذہین اور سمجھدار تھیں۔ کوئی ضد، کوئی فرمائش نہ کرتیں ہر قسم کے حالات میں ہنستی رہتیں اور ماں کی دل جوئی میں لگی رہتیں۔

ثریا کی کرائے دار کی بہو سے دوستی ہو گئی۔ وہ بھی ثریا کی ہم عمر تھی۔ دونوں کی آپس میں گہری دوستی ہو گئی۔ ثریا کے حالات سن کر بسمہ کو اس سے ہمدردی ہو گئی اور بسمہ نے اپنے شوہر کی مدد سے ثریا کو گارمنٹ کا چھوٹا سا کام شروع کروا دیا۔

ثریا کے ساتھ حدیقہ بھی کام کرتی۔ بارہ سال کی بچی تھی مگر سمجھدار اور محنتی بھی تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

دن رات کی اندھا دھند محنت رنگ لائی اور چھوٹا کاروبار آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ ادھر بچیاں پڑھائی کی منزلیں بھی طے کرتی رہیں۔ تینوں پڑھائی میں بہت تیز تھیں۔ ثریا کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ بچیوں نے اپنی مرضی سے مضامین پسند کیے حدیقہ میڈیکل لائن میں آ گئی۔ ماریہ ماسٹر اور حبہ نے بی اے کے بعد ٹیچرز ٹریننگ کا کورس کر لیا تھا۔ حدیقہ کے لیے اس کے ساتھ پڑھنے والے لڑکے ارمغان کا رشتہ طے ہو گیا تھا جبکہ ماریہ کا رشتہ بھی ہو گیا تھا۔ ثریا کا ارادہ تھا دونوں کی شادی ساتھ کر دیں اسی سلسلے میں تیاریاں جاری تھیں۔ ادھر بشارت علی اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ بہت مسرور اور شاداں زندگی کے نئے سفر کی ابتداء کر چکے تھے۔ ان کی بیوی چالاک اور مکار عورت تھی۔ اپنی اداؤں سے بشارت علی کی دولت پر خوب عیش کر رہی تھیں۔ قدرت نے لگاتار تین بیٹے بھی دے دیئے اب تو نائلہ شیر بن گئی تھی اس کی طاقت تین تین بیٹے تھے۔

یہی تینوں بیٹے بشارت علی کی کمزوری تھے۔ وہ بیٹوں پر جان نچھاور کرتے ایک اشارے پر اعلیٰ سے اعلیٰ چیز ان کی خدمت میں لا کر رکھ دیتے۔ دولت، لاڈ اور بے جا ضدیں کر کر کے بچے جوان ہو گئے تھے۔ مشکل سے پڑھائی مکمل کی الٹی سیدھی صحبت میں پڑ گئے۔ آوارہ گردی اور لڑکیوں کے پیچھے پڑنا ان کا مشغلہ تھا۔

تینوں دونوں ہاتھوں سے باپ کا پیسہ لٹا رہے تھے۔ کاروبار بھی ٹھپ ہو گیا تھا۔ بشارت علی بوڑھے ہو گئے۔ بچوں کو جتنا سمجھاتے وہ اتنا ہی پیسہ لٹاتے۔ ایک وقت یہ آیا کہ کاروبار بالکل ٹھپ ہو گیا اور بشارت علی خالی ہاتھ رہ گئے۔ گھر بھی آدھا بیچنا پڑا اور اوپر سے گھر میں حیثیت بھی نوکروں جیسی ہو گئی۔ مسلسل کڑھتے رہتے۔ ایسے میں نائل کے پاس بیٹھتے کہ محبت کے دو بول ہی بول دے مگر نائلہ الٹی سیدھی بک بک کرتی۔ طعنے دیتی اور ان کو کنگلا کہہ کر اٹھ جاتی۔ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے۔

ان کو ٹی بی جیسا مرض لگ گیا اور وہ اس ہاسپٹل میں دوا لینے آتے جہاں حدیقہ ڈاکٹر تھی۔ حدیقہ اکثر باتیں ثریا کو بتاتی یہ بھی بتاتی تھی کہ ایک بابا جی آتے ہیں۔ بے چارے بہت غریب ہیں اور تین تین بیٹے بہو اور بیوی کے ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی طرح رہتے ہیں۔ ثریا سن کر آزردہ ہو جاتیں مگر آج..... ثریا نے دیکھ لیا تھا کہ وہ بابا جی کون تھے..... بشارت علی..... حدیقہ کے باپ.....

''اماں! حدیقہ کی آواز پر ثریا چونکی..... ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ ان کا سستا ہوا چہرہ دیکھ کر سوال کیا۔

''ہاں ہاں.....!'' وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''اماں! آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں.....؟'' حدیقہ بچپن سے آج تک ماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتی آرہی تھی۔ حدیقہ کے سوال پر وہ گڑبڑا گئیں۔

''نہیں نہیں تو.....'' جلدی سے بولیں۔

''پھر..... بابا جی کو دیکھ کر آپ چونکی کیوں؟ اور..... آپ کی آواز سن کر بابا جی نے دوبارہ آپ کی جانب کیوں دیکھا؟ حدیقہ کے سوال پر ثریا نے غور سے اسے دیکھا اور بے ساختہ ثریا نے آگے بڑھ کر حدیقہ کو سینے سے لگا لیا اور بے تحاشا آنسو آنکھوں سے نکل آئے۔

''اماں..... اماں..... وہ..... وہ..... ہمارے ابا.....''

حدیقہ کی آنکھیں حیرت انگیز طور پر پھیل گئیں۔ اس نے رک کر ثریا کو غور سے دیکھا۔ ثریا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اف..... غصے اور شدت جذبات سے حدیقہ نے مٹھیاں بھینچ لیں..... میں..... میں..... نے اس شخص کو اتنی عزت دی، اتنا خیال رکھا، کہ جس نے ہمیں فالتو چیز سمجھ کر اٹھا کر پھینک دیا تھا..... میں تو ان کے لیے دعائیں مانگتی..... ان کے لیے اچھی سے اچھی دوائیں فراہم کرتی رہی..... مجھے پتہ نہیں تھا کہ میں..... میں..... ایک ایسے شخص کے ساتھ ہمدردی کر رہی ہوں جو بات کرنے کے بھی قابل نہیں..... وہ قاتل ہے ممتا کا، معصوم معصوم بیٹیوں کا..... اس نے بیچ منجھدھار میں ہمیں چھوڑ دیا تھا اور میں..... میں..... اس کی ہمدردی میں مری جارہی تھی.....'' میری بددعا ہے کہ وہ تڑپ تڑپ کر کر مرے.....

''بس بس حدیقہ..... وہ جیسا بھی ہے تمہارا باپ ہے اور میں..... میں..... ایک بیٹی کے منہ سے اپنے باپ کے لیے ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتی..... یہ میری تربیت کے خلاف ہے.....''

''ہمارے کہنے سے کیا ہوتا ہے حدیقہ..... اللہ پاک خود سزا دے رہا ہے..... تین تین بیٹے، بیوی اور بہوئیں ہیں اور وہ..... لاوارث بنا پھرتا ہے۔'' ثریا نے ہاتھ اٹھا کر حدیقہ کو چپ کرایا اور اپنی بات مکمل کی۔

''مگر اماں.....'' حدیقہ نے کچھ کہنا چاہا۔

آدھی رات تک حدیقہ، ماریہ، ثریا اور حبہ بشارت علی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

اس بات کو کافی دن گزر گئے بشارت علی پھر ہاسپٹل نہیں آئے۔ نا جانے کیوں حدیقہ کا دل کر رہا تھا کہ وہ ایک بار آئیں تو وہ ان سے ایک سوال کرے کہ بتائیں بیٹوں نے آپ کو کیا دیا.....؟ آپ کا کتنا نام روشن کیا.....؟ کتنا کما کر آپ کی جھولی میں ڈالا؟

لیکن اس واقعے کے بعد بشارت علی پھر نظر نہیں آئے۔

حدیقہ اور ماریہ کی شادی ہوگئی۔ حبہ کا رشتہ طے ہوگیا۔ ثریا کا انتقال ہوگیا..... حدیقہ آج بھی ہر جگہ ایک چہرہ تلاش کرتی ہے۔ لیکن ہزاروں لاکھوں چہروں میں بشارت علی کا چہرہ اسے دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ان سے مل کر صرف اتنا کہنا چاہتی ہے کہ میری ماں نے مرنے سے پہلے آپ کو سچے دل سے معاف کر دیا تھا۔

کیونکہ بقول ثریا بیگم کے ''جب اللہ پاک انسان سے اس کے عمل کا حساب کتاب کرتا ہے تو اس وقت انسان کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے اور جو سزا اللہ پاک دیتا ہے وہی کافی ہے اور بشارت علی کو اللہ پاک نے اس کے کیے کی سزا دنیا میں ہی دے دی تھی۔

☆☆☆

حج اکبر

پریم چند

ہماری خوشیاں ہمارے بزرگوں کی نوک جھونک
کے بنا ادھوری ہیں..... گوان سے بات منوانا آسان نہیں ہوتا
مگر ان کا پیار اور دعائیں ہماری زندگی کا انمول اثاثہ ہوتی ہیں۔

کبھی ٹھہرنا مقدر ہے اور کبھی جلنا
یہ کس خرابہ جاں میں میرا قیام ہوا

منشی صابر حسین کی آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ، اپنے بچہ کے لیے دایہ رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے، لیکن ایک تو بچہ کی صحت کی فکر اور دوسرے اپنے برابر والوں سے ہیٹے بن کر رہنے کی ذلت اس خرچ کو برداشت کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ بچہ دایہ کو بہت چاہتا تھا، ہر دم اس کے گلے کا ہار بنا رہتا۔ اس وجہ سے دایہ اور بھی ضروری معلوم ہوتی تھی مگر شاید سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ مروت کے باعث دایہ کو جواب دینے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ بڑھیا ان کے یہاں تین سال سے نوکر تھی۔ اس نے ان کے اکلوتے بچے کی پرورش کی تھی۔ اپنا کام دل وجان سے کرتی تھی۔ اسے نکالنے کا کوئی حیلہ نہ تھا اور خواہ مخواہ کیچڑ اچھالنا صابر جیسے حلیم شخص کے لیے غیر ممکن تھا۔ مگر شاکرہ اس معاملہ میں اپنے شوہر سے متفق نہ تھی۔ اسے شک تھا کہ دایہ ہم کو لوٹ لے گی۔ جب دایہ بازار سے لوٹتی تو وہ دہلیز میں چھپی رہتی، کہ دیکھوں آٹا چھپا کر تو نہیں رکھ دیتی، لکڑی تو نہیں

چھپا دیتی، اس کی لائی ہوئی چیز کو گھنٹوں دیکھتی، پچھتاتی، بار بار پوچھتی اتنی ہی کیوں؟ کیا بھاؤ ہے؟ کیا اتنا مہنگا ہوگیا؟ دایہ کبھی تو ان بدگمانیوں کا جواب ملائمت سے دیتی۔ لیکن جب بیگم زیادہ تیز ہو جاتیں تو وہ بھی کڑی پڑ جاتی تھی۔ قسمیں کھاتی۔ صفائی کی شہادتیں پیش کرتی، تردید اور حجت میں گھنٹوں لگ جاتے۔ قریب قریب روزانہ یہی کیفیت رہتی تھی اور روز یہ ڈرامہ خفیف سی اشک ریزی کے بعد ختم ہو جاتا تھا۔ دایہ کا اتنی سختیاں جھیل کر پڑے رہنا شاکرہ کے شکوک کی آب ریزی کرتا تھا۔ اسے کبھی یقین نہ آتا کہ یہ بڑھیا محض بچے کی محبت میں پڑی ہوئی ہے، وہ دایہ کو ایسے لطیف جذبہ کا اہل نہیں سمجھتی تھی۔

☆.....☆.....☆

اتفاق سے ایک روز دایہ کو بازار سے لوٹنے میں ذرا دیر ہوگئی۔ وہاں دو لوگوں میں بڑے جوش وخروش سے مناظرہ ہو رہا تھا، ان کی مصور طرز ادا، ان کا اشتعال انگیز استد لال، ان کی متشکل تضحیک، ان کی روشن شہادتیں اور منور روایتیں، ان کی تعریض اور تردید سب بے مثال تھیں، زہر کے دو دریا تھے یا دو شعلے جو دونوں طرف سے امڈ کے باہم گتھ گئے تھے۔ کیا روانی زبان تھی، گویا کوزے میں دریا بھرا ہوا، ان کا جوش اظہار ایک دوسرے کے بیانات کو سننے کی اجازت نہ دیتا تھا، ان کے الفاظ کی ایسی رنگینی، تخیل کی ایسی نوعیت، اسلوب کی ایسی جدت، مضامین کی ایسی آمد، تشبیہات کی ایسی موزونیت اور فکر کی ایسی پرواز پر ایسا کون شاعر ہے۔ جو رشک نہ کرتا؟ صفت یہ تھی کہ اس مباحثہ میں تلخی یا دلآزاری کا شائبہ بھی نہ تھا۔ دونوں بلبلیں اپنے اپنے ترانوں میں محو تھیں، ان کی متانت، ان کا ضبط، ان کا اطمینان سب حیرت انگیز تھا۔ ان کے ظرف دل میں اس سے کہیں زیادہ کہنے کی اور بدرجہ زیادہ سننے کی گنجائش معلوم ہوتی تھی۔ الغرض یہ خالص دماغی، ذہنی مناظرہ تھا۔ اپنے اپنے کمالات کے اظہار کے لیے ایک خالص زور آزمائی تھی اپنے اپنے کرتب اور فن کے جوہر دکھانے کے لیے۔

دایہ بھی کھڑی ہوگئی کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے، پر تماشا اتنا دلآویز تھا کہ اسے وقت کا مطلق احساس نہ ہوا، یکا یک نو بجنے کی آواز کان میں آئی تو سحر ٹوٹا، وہ لپکی ہوئی گھر کی طرف چلی۔

شاکرہ بھی بیٹھی تھی۔ دایہ کو دیکھتے ہی تیور بدل کر بولی۔ کیا بازار میں کھو گئی تھیں؟ دایہ نے خطاوارانہ انداز سے سر جھکا لیا اور بولی ''بی بی ایک جان پہچان کی ماما سے ملاقات ہوگئی اور باتیں کرنے لگی۔''

شاکرہ جواب سے اور بھی برہم ہوئی۔ ''یہاں دفتر جانے کو دیر ہو رہی ہے، تمہیں سیر سپاٹے کی سوجھی ہے۔'' مگر دایہ نے اس وقت دینے میں خیریت سمجھی۔

بچہ کو گود میں لینے چلی، پر شاکرہ نے جھڑک کر کہا۔ ''رہنے دو تمہارے بغیر بے حال نہیں ہوا جاتا۔''

دایہ نے اس حکم کی تکمیل ضروری نہ سمجھی، بیگم صاحبہ کا غصہ فرو کرنے کی اس سے زیادہ کارگر کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی، اس نے نصیر کو اشارے سے اپنی طرف بلایا، وہ دونوں ہاتھ پھیلائے لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف چلا، دایہ نے اسے گود میں اٹھا لیا اور دروازہ کی طرف چلی لیکن شاکرہ باز کی طرح جھپٹی اور نصیر کو اس کی گود سے چھین کر بولی، ''تمہارا یہ مکر بہت دنوں سے دیکھ رہی ہوں، یہ تماشے کسی اور کو دکھایئے۔ یہاں طبیعت سیر ہوگئی۔''

دایہ نصیر پر جان دیتی تھی اور سمجھتی تھی کہ شاکرہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں شاکرہ اور اس کے درمیان ایسا مضبوط تعلق تھا جسے معمولی ترشیاں کمزور نہ کر سکتی تھیں۔ اسی وجہ سے باوجود شاکرہ کی سخت زبانیوں کے اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ واقعی مجھے نکالنے پر آمادہ ہے، پر شاکرہ نے یہ باتیں کچھ اس بے رخی سے

نہیں اور بالخصوص نصیر کو اس بے دردی سے چھین لیا کہ دایہ سے ضبط نہ ہوسکا۔ بولی۔ "بی بی مجھ سے کوئی ایسی بڑی خطا تو نہیں ہوئی۔ بہت ہوگا تو پاؤ گھنٹہ کی دیر ہوئی ہوگی، اس پر آپ اتنا جھلا رہی ہیں، صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ دوسرا دروازہ دیکھو، اللہ نے پیدا کیا ہے تو رزق بھی دے گا، مزدوری کا کال تھوڑا ہی ہے۔"

شاکرہ: "تو یہاں تمہاری کون پروا کرتا ہے۔ تمہاری جیسی مامائیں گلی گلی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔"

دایہ: "ہاں خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مامائیں دائیاں بہت ملیں گی۔ جو کچھ خطا ہوئی ہو، معاف کیجئے گا۔ میں جاتی ہوں۔"

شاکرہ: "جا کر مردانے میں اپنی تنخواہ کا حساب کر لو۔"

دایہ: "میری طرف سے نصیر میاں کو اس کی مٹھائیاں منگوا دیجئے گا۔"

اتنے میں صابر حسین بھی باہر سے آگئے۔ پوچھا "کیا ہے؟"

دایہ: "کچھ نہیں بی بی نے جواب دے دیا ہے۔ گھر جاتی ہوں۔"

صابر حسین خانگی تردّدات سے یوں بچتے تھے جیسے کوئی برہنہ پاؤں کانٹوں سے بچے انہیں سارے دن ایک ہی جگہ کھڑے رہنا منظور تھا پر کانٹوں پر پیر رکھنے کی جرأت نہ تھی، چیں بہ جبیں ہو کر بولے۔ "کیا بات ہوئی؟"

شاکرہ: "کچھ نہیں، اپنی طبیعت! نہیں جی چاہتا نہیں رکھتے۔ کسی کے ہاتھوں بک تو نہیں گئے۔"

صابر: "تمہیں بیٹھے بٹھائے ایک نہ ایک کچھ سوجھتی رہتی ہے۔"

شاکرہ: "ہاں مجھے تو اس بات کا جنون ہے، کیا کروں؟ خصلت ہی ایسی ہے، تمہیں یہ بہت پیاری ہے تو لے جا کر گلے باندھو، میرے یہاں ضرورت نہیں ہے۔"

دایہ گھر سے نکلی تو اس کی آنکھیں لبریز تھیں، دل نصیر کے لیے تڑپ رہا تھا کہ ایک بار بچے کو گود میں لے کر پیار کرلوں۔ پر یہ حسرت لیے اس گھر سے نکلنا پڑا۔

نصیر دایہ کے پیچھے پیچھے دروازہ تک آیا لیکن جب دایہ نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تو مچل کر زمین پر لیٹ گیا اور انا انا کہہ کر رونے لگا۔ شاکرہ نے چمکارا، پیار کیا، گود میں لینے کی کوشش کی۔ مٹھائی کا لالچ دیا، میلہ دکھانے کا وعدہ کیا۔ اس سے کام نہ چلا تو بندر اور سپاہی اور لولو اور ہوا کی دھمکی دی مگر نصیر پر مطلق اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ شاکرہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے بچے کو وہیں چھوڑ دیا اور آ کر گھر کے دھندوں میں مصروف ہوگئی۔ نصیر کا منہ اور گال لال ہوگئے۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں آخر وہ وہیں زمین پر سسکتے سسکتے سوگیا۔

شاکرہ نے سمجھا تھا تھوڑی دیر میں بچہ رودھو کر چپ ہو جائے گا، پر نصیر نے جاگتے ہی پھر انا کی رٹ لگائی، تین بجے صابر حسین دفتر سے آئے اور بچے کی یہ حالت دیکھی تو بیوی کی طرف قہر کی نگاہوں سے دیکھ کر اسے گود میں اٹھا لیا اور بہلانے لگے، آخر نصیر کو جب یقین ہوگیا کہ دایہ مٹھائی لینے گئی ہے تو اسے تسکین ہوئی مگر شام ہوتے ہی اس نے پھر چیخنا شروع کیا "انا مٹھائی لائی؟"

اس طرح دو تین دن گزر گئے۔ نصیر کو انا کی رٹ لگانے اور رونے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا، وہ بے ضرر کتا جو ایک لمحہ کے لیے اس کی گود سے جدا نہ ہوتا تھا، وہ بے زبان بلی جسے طاق پر بیٹھے دیکھ کر وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا، وہ طائر بے پرواز جس پر وہ جان دیتا تھا سب اس کی نظروں سے گر گئے، وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا، انا جیسی جیتی جاگتی، پیار کرنے والی، گود میں لے کر گھمانے والی، تھپک تھپک کر سلانے والی، گا گا کر خوش کرنے والی چیز کی جگہ ان بے جان، بے

زبان چیزوں سے پر نہ ہوسکتی تھی۔ وہ اکثر سوتے سوتے چونک پڑتا اور انا انا پکار کے رونے لگتا۔ کبھی دروازہ پر جاتا اور انا انا پکار کر ہاتھوں سے اشارہ کرتا گویا اسے بلا رہا ہے۔ انا کی خالی کوٹھڑی پاتا تو جا کر کواڑ کھٹکھٹاتا کہ شاید انا اندر چھپی بیٹھی ہو۔ صدر دروازہ کھلتے سنتا تو انا انا کہہ دوڑتا۔ سمجھتا کہ انا آ گئی، اس کا گدرایا، ہوا بدن کھل گیا، گلاب کے سے رخسار سوکھ گئے، ماں اور باپ دونوں اس کی موہنی ہنسی کے لیے ترس ترس کر رہ جاتے، اگر بہت گدگدانے اور چھیڑنے سے ہنستا بھی تو ایسا معلوم ہوتا دل سے نہیں محض دل رکھنے کے لیے ہنس رہا ہے، اسے اب دودھ سے رغبت تھی نہ مصری سے، میوہ سے نہ میٹھے بسکٹ سے، نہ تازی امرتیوں سے۔ ان میں مزہ تھا جب انا اپنے ہاتھوں سے کھلاتی تھی، اب ان میں مزہ نہ تھا، دو سال کا ہونہار لہلہاتا ہوا شاداب پودا مرجھا کر رہ گیا، وہ لڑکا جسے گود میں اٹھاتے ہی نرمی، گرمی اور وزن کا احساس ہوتا تھا۔ اب استخوان کا ایک پتلا رہ گیا تھا۔ شاکرہ بچہ کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتی اور اپنی حماقت پر پچھتاتی۔ صابر حسین جو فطرتاً خلوت پسند آدمی تھے اب نصیر کو گود سے جدا نہ کرتے تھے، اسے روز ہوا کھلانے جاتے، نت نئے کھلونے لاتے، یہ مرجھایا ہوا پودا کسی طرح نہ پنپتا تھا، دایہ اس کی دنیا کا آفتاب تھی، اس قدر حرارت اور روشنی سے محروم ہو کر سبزے کی بہار کیوں کر دکھاتا؟ دایہ کے بغیر اسے چاروں طرف اندھیرا، سناٹا نظر آتا تھا۔ دوسری انا تیسرے ہی دن رکھ لی تھی۔ پر نصیر اس کی صورت دیکھتے ہی منہ چھپا لیتا تھا، گویا وہ کوئی دیو نی یا بھتنی ہے۔

عالم وجود میں دایہ کو نہ دیکھ کر نصیر اب زیادہ تر عالم خیال میں رہتا، وہاں اس کی اپنی انا چلتی پھرتی نظر آتی تھی، اس کی وہی گود تھی، وہی محبت، وہی پیاری باتیں، وہی پیارے پیارے گیت، وہی مزے دار مٹھائیاں، وہی سہانا سنسار، وہی دلکش لیل ونہار۔ اکیلے بیٹھا انا سے باتیں کرتا۔ انا کتا بھونکے، انا گائے دودھ دیتی، انا اجلا اجلا گھوڑا دوڑتا۔ سویرا ہوتے ہی دایہ کی کوٹھڑی میں جاتا اور کہتا ''انا پانی پی۔'' دودھ کا گلاس لے کر اس کی کوٹھڑی میں رکھ آتا اور کہتا۔ 'انا سوتی۔'' شاکرہ کھانے بیٹھی تو رکابیاں اٹھا اٹھا کر انا کی کوٹھری میں لے جاتا۔ اور کہتا۔ ''انا کھانا کھائے گی۔'' انا اس کے لیے اب ایک آسمانی وجود تھی جس کی واپسی کی اب اسے مطلق امید نہ تھی، وہ محض گذشتہ خوشیوں کی دلکش یادگار تھی، جس کی یاد ہی اس کا سب کچھ تھا۔ نصیر کے انداز میں رفتہ رفتہ طفلانہ شوخی اور بیتابی کی جگہ ایک حسرت ناک توکل۔ ایک مایوسانہ خوشی نظر آنے لگی۔ اس طرح تین ہفتے گزر گئے۔ برسات کا موسم تھا۔ کبھی شدت کی گرمی کبھی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے۔ بخار اور زکام کا زور تھا۔ نصیر کی لطافت اس موسمی تغیرات کو برداشت نہ کرسکی۔ شاکرہ احتیاط اسے فلالین کا کرتا پہنائے رکھتی، اسے پانی کے قریب نہ جانے دیتی، ننگے پاؤں ایک قدم نہ چلنے دیتی۔ مگر رطوبت کا اثر ہو ہی گیا۔ نصیر کھانسی اور بخار میں مبتلا ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

صبح کا وقت تھا۔ نصیر چارپائی پر آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ ڈاکٹروں کا علاج بے سود ہو رہا تھا۔ شاکرہ چارپائی پر بیٹھی اس کے سینہ پر تیل کی مالش کر رہی تھی اور صابر حسین صورت غم بنے ہوئے بچہ کو پر درد نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس طرف وہ شاکرہ سے کم بولتے تھے۔ انہیں اس سے ایک نفرت سی ہوتی تھی۔ وہ نصیر کی اس بیماری کا سارا الزام اسی کے سر رکھتے تھے۔ وہ ان کی نگاہوں میں نہایت کم ظرف، سفلہ مزاج، بے حس عورت تھی۔

شاکرہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔ ''آج بڑے حکیم صاحب کو بلا لیتے، شاید انہی کی دوا سے فائدہ ہو۔'' صابر حسین نے کالی گھٹاؤں کی طرف دیکھ کر ترشی

سے جواب دیا۔ ''بڑے حکیم نہیں، لقمان بھی آئیں تو اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

شاکرہ: ''تو کیا اب کسی کی دوا ہی نہ ہوگی؟''

صابر: ''بس اس کی ایک ہی دوا ہے اور وہ نایاب ہے۔''

شاکرہ: ''تمہیں تو وہی دھن سوار ہے۔ کیا عباسی امرت پلا دے گی؟''

صابر: ''ہاں وہ تمہارے لیے چاہے زہر ہو لیکن بچے کے لیے امرت ہی ہے۔''

شاکرہ: ''میں نہیں سمجھتی کہ اللہ کی مرضی میں اسے اتنا دخل ہے۔''

صابر: ''اگر نہیں سمجھتی ہو اور اب تک نہیں سمجھا تو روؤ گی، بچے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔''

شاکرہ: ''چپ بھی رہو۔ کیسا بدشگون زبان سے نکالتے ہو، اگر ایسی جلی کٹی سنانی ہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔''

صابر: ''ہاں تو میں جاتا ہوں مگر یاد رکھو خون تمہاری گردن پر ہوگا، اگر لڑکے کو پھر تندرست دیکھنا چاہتی ہو تو اس عباسی کے پاس جاؤ، اس کی منت کرو، التجا کرو، تمہارے بچے کی جان اسی کے رحم وکرم پر منحصر ہے۔''

شاکرہ نے کچھ جواب نہ دیا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

صابر حسین نے پوچھا۔ ''کیا مرضی ہے۔ جاؤں اسے تلاش کروں؟''

شاکرہ: تم کیوں جاؤ گے، میں خود جاؤں گی۔''

صابر: ''نہیں، معاف کرو۔ مجھے تمہارے اوپر اعتبار نہیں ہے۔ نہ جانے تمہارے منہ سے کیا نکل جائے کہ وہ آئی بھی ہو تو نہ آئے۔''

شاکرہ نے شوہر کی طرف نگاہ ملامت سے دیکھ کر کہا۔ ''ہاں اور کیا! مجھے اپنے بچے کی بیماری کا قلق تھوڑے ہی ہے۔ میں نے شرم کے مارے تم سے کہا نہیں لیکن میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ اگر مجھے دایہ کے مکان کا پتہ معلوم ہوتا تو میں اسے کب کی منالائی ہوتی۔ وہ مجھ سے کتنی ہی ناراض ہو لیکن نصیر سے اسے محبت تھی۔ میں آج ہی اس کے پاس جاؤں گی، اس کے قدموں کو آنسوؤں سے تر کردوں گی اور وہ جس طرح راضی ہوئی، اسے راضی کروں گی۔''

شاکرہ نے بہت ضبط کر کے یہ باتیں کہیں مگر امڈے ہوئے آنسو اب نہ رک سکے، صابر حسین نے بیوی کی طرف ہمدردانہ نگاہ سے دیکھا اور نادم ہو کر

عید گاہ جانا

عید گاہ میں عید کی نماز کے لیے جانے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے۔

بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جس راستے سے گئے تھے، اس کی زمین آپ کے حق میں گواہی دیتی تھی، اس لیے آپ اس راستے سے عید گاہ تشریف لے گئے مگر بعض کا کہنا ہے کہ آپ جاتے وقت ایک قبیلہ کے راستے سے گئے اور واپس دوسرے قبیلہ کے راستے سے ہوئے تاکہ دونوں قبائل آپ کے دیدار کا شرف حاصل کر سکیں اور دونوں کو برابر کا ثواب حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے نبی! ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

بعض کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ پیغمبروں اور ولیوں کے نیچے جو زمین آتی ہے وہ چونکہ سب سے زیادہ فخر کرتی ہے۔ اس لیے آپ مختلف راستوں سے جاتے تھے تاکہ ہر طرف کی زمین کو برابر کا ثواب ملے۔

(انتخاب: محمد خلیل، ساہیوال)

بولے۔ ''میں تمہارا جانا مناسب نہیں سمجھتا، میں خود ہی جاتا ہوں۔''

عباسی دنیا میں اکیلی تھی۔ کسی زمانے میں اس کا خاندان گلاب کا سرسبز شاداب پورا تھا، مگر رفتہ رفتہ خزاں نے سب پتیاں گرادیں۔

مگر نصیر کو پاکر اس کی سوکھی ٹہنی میں جان سی پڑ گئی، اس میں ہری ہری پتیاں نکل آئی تھیں، وہ زندگی جو اب تک خشک اور پامال تھی، اس میں پھر رنگ و بو کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔ اندھیرے بیاباں میں بھٹکے ہوئے مسافر کو شمع کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ اب اس کا جوئے حیات سنگ ریزوں سے نہ ٹکراتا تھا، وہ اب ایک گلزاری کی آبیاری کرتا تھا، اب اس کی زندگی مہمل نہیں تھی، اس میں معنی پیدا ہوگئے تھے۔

عباسی نصیر کو بھولی بھالی باتوں پر نثار ہوگئی مگر وہ اپنی محبت کو شاکرہ سے چھپاتی تھی۔ اس لیے کہ ماں کے دل میں رشک نہ ہو۔ وہ نصیر کے لیے ماں سے چھپ کر مٹھائیاں لاتی اور اسے کھلا کر خوش ہوتی۔ وہ دن میں دو تین تین بار اسے بن ملتی کہ بچہ خوب پروان چڑھے۔ وہ اسے دوسروں کے سامنے کوئی چیز نہ کھلاتی کہ بچے کو نظر نہ لگ جائے، ہمیشہ دوسروں سے بچے کی کم خوری کا رونا رویا کرتی کہ اسے نظر بد سے بچانے کے لیے تعویز گنڈے لاتی رہتی۔ یہ اس کی خالص مادرانہ محبت تھی۔

اس گھر سے نکل کر آج عباسی کی وہ حالت ہوگئی جو تھر میں یکا یک بجلیوں کے گل ہو جانے سے ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہی صورت ناچ رہی تھی، کانوں میں وہی پیاری پیاری باتیں گونج رہی تھیں۔ اسے اپنا گھر پھاڑے کھاتا تھا۔ اس کال کوٹھڑی میں دم گھٹتا جاتا تھا۔

رات جوں توں کرکے کٹی۔ صبح کو وہ مکان میں جھاڑو دے رہی تھی۔ یکا یک تازے حلوے کی صدا سن کر بے اختیار باہر نکل آئی۔ معاً یاد آ گیا آج حلوہ کون کھائے گا؟ آج گود میں بیٹھ کر کون چمکے گا۔ وہ نغمہ مسرت سننے کے لیے جو حلوہ کھاتے وقت نصیر کی آنکھوں سے، ہونٹوں سے اور جسم کے ایک ایک عضو سے برستا تھا، عباسی کی روح تڑپ اٹھی، وہ بیقراری کے عالم میں گھر سے نکلی کے چلوں نصیر کو دیکھ آؤں پر آدھے راستہ سے لوٹ گئی۔

نصیر عباسی کے دھیان سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں اترتا تھا۔ وہ سوتے سوتے چونک پڑتی معلوم ہوتا نصیر ڈنڈے کا گھوڑا دبائے چلا آتا ہے۔ پڑوسیوں کے پاس جاتی تو وہ نصیر ہی کا چرچا کرتی۔ اس کے گھر کوئی آتا تو نصیر ہی کا ذکر کرتی، نصیر اس کے دل اور جان میں بسا ہوا تھا۔ شاکرہ کی بے رخی اور بدسلوکی کے ملال کے لیے اس میں جگہ نہ تھی۔

وہ روز ارادہ کرتی کہ آج نصیر کو دیکھنے جاؤں گی اس لیے بازار سے کھلونے اور مٹھائیاں لاتی۔ گھر سے چلتی لیکن آدھے راستہ سے لوٹ آتی۔ کبھی دو چار قدم سے آگے نہ بڑھا جاتا۔ کون سامنہ لے کر جاؤں؟ جو محبت کو فریب سمجھتا ہوا سے کون سا منہ دکھاؤں۔ کبھی سوچتی کہیں نصیر مجھے نہ پہچانے تو! بچوں کی محبت کا اعتبار کیا؟ نئی دایہ سے رچ گیا ہو۔ یہ خیال اس کے پیروں پر زنجیر کا کام کر جاتا۔

اس طرح دو ہفتے گزر گئے۔ عباسی کا دل ہر دم اچاٹ رہتا۔ جیسے اسے کوئی لمبا سفر درپیش ہو، گھر کی چیزیں جہاں کی تہاں پڑی رہتیں۔ نہ کھانے کی فکر نہ کپڑے کی، بدنی ضروریات بھی خلائے دل کو پر کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ اتفاق سے اسی اثنا میں حج کے دن آ گئے، محلہ میں کچھ لوگ حج کی تیاریاں کرنے لگے، عباسی کی حالت اس وقت پالتو چڑیا کی سی تھی جو قفس سے نکل کر پھر کسی گوشہ کی تلاش میں ہو۔ اسے اپنے تئیں بھلا دینے کا یہ ایک بہانہ مل گیا، وہ آمادہ سفر ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور ہلکی ہلکی پھواریں پڑ رہی تھیں، دہلی اسٹیشن پر زائرین کا ہجوم تھا، کچھ گاڑیوں میں بیٹھے تھے، کچھ اپنے گھر والوں سے رخصت ہو رہے تھے، چاروں طرف اک کہرام سا مچا ہوا تھا، دنیا اس وقت بھی جانے والوں کے دامن پکڑنے ہوئے تھی، کوئی بیوی سے تاکید کر رہا تھا۔ ''دھان کٹ جائے تو تالاب والے کھیت میں مٹر بو دینا۔ اور باغ کے پاس گیہوں۔'' کوئی اپنے جوان لڑکے کو سمجھا رہا تھا۔ آسامیوں پر بقایا لگان کی نالش کرنے میں دیر نہ کرنا اور دو روپیہ سیکڑہ سود ضرور مجرا کر لینا۔'' ایک بوڑھے تاجر صاحب اپنے منیم سے کہہ رہے تھے۔ ''مال آنے میں دیر ہو تو خود چلے جایئے گا اور چلتو مال لیجئے گا ورنہ روپیہ پھنس جائے گا۔'' مگر خال خال ایسی صورتیں بھی نظر آتی تھیں جن پر مذہبی ارادت کا جلوہ تھا۔ وہ یا تو آسمان کی طرف تاکتی تھی یا محو تسبیح خوانی تھیں۔ عباسی بھی ایک گاڑی میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔ ''ان بھلے آدمیوں کو اب بھی دنیا کی فکر نہیں چھوڑتی۔ وہی خرید و فروخت، لین دین کے چرچے! نصیر اس وقت یہاں ہوتا تو بہت روتا، میری گود سے کسی طرح نہ اترتا، لوٹ کر ضرور اسے دیکھنے جاؤں گی۔ یا اللہ! کسی طرح گاڑی چلے۔ گرمی کے مارے کلیجہ بھنا جاتا ہے، اتنی گھٹا امڈی ہوئی ہے، برسنے کا نام ہی نہیں لیتی، معلوم نہیں یہ ریل والے کیوں دیر کر رہے ہیں، جھوٹ موٹ ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں، یہ نہیں کہ چٹ پٹ کھول دیں، مسافروں کی جان میں جان آئے'' یکا یک اس نے صابر حسین کو بائیسکل لیے پلیٹ فارم پر آتے دیکھا، ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور کپڑے تر تھے وہ گاڑیوں میں جھانکنے لگے عباسی محض یہ دکھانے کے لیے میں بھی حج کرنے جا رہی ہوں گاڑی سے باہر نکل آئی۔ صابر حسین اسے دیکھتے ہی لپک کر قریب آئے اور بولے۔ ''کیوں عباسی! تم بھی حج کو چلیں؟''

عباسی نے فخریہ انکسار سے کہا۔ ''ہاں! یہاں کیا کروں؟ زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں، معلوم نہیں کب آنکھیں بند ہو جائیں، خدا کے یہاں منہ دکھانے کے لیے بھی تو کوئی سامان چاہیے، نصیر میاں تو اچھی طرح ہیں؟''

صابر: ''اب تو تم جا رہی ہو، نصیر کا حال پوچھ کر کیا کرو گی، اس کے لیے دعا کرتی رہنا۔''

عباسی کا سینہ دھڑکنے لگا۔ گھبرا کر بولی۔ ''کیا دشمنوں کی طبیعت اچھی نہیں ہے؟''

صابر: ''اس کی طبیعت تو اسی دن سے خراب ہے جس دن تم وہاں سے نکلیں۔ کوئی دو ہفتے تک تو انا انا کی رٹ لگاتا رہا اور اب ایک ہفتہ سے کھانسی اور بخار میں مبتلا ہے، ساری دوائیں کر کے ہار گیا، کوئی نفع ہی نہیں ہوتا، میں نے ارادہ کیا تھا چل کر تمہاری منت سماجت کر کے لے چلوں۔ کیا جانے تمہیں دیکھ کر اس کی طبیعت کچھ سنبھل جائے۔ لیکن تمہارے گھر پر آیا تو معلوم ہوا کہ تم حج کرنے جا رہی ہو۔ اب کس منہ سے چلنے کو کہوں۔ تمہارے ساتھ سلوک ہی کون سا اچھا کیا تھا کہ اتنی جرأت کر سکوں اور پھر کار ثواب میں رخنہ ڈالنے کا بھی خیال ہے، جاؤ! اس کا خدا حافظ ہے، حیات باقی ہے تو صحت ہو ہی جائے گی، ورنہ مشیت ایزدی سے کیا چارہ؟''

بجا فرمایا

ریل میں ایک عورت اپنے کتے کو ساتھ لے جا رہی تھی۔ اس نے گارڈ سے کہا۔

''میں نے اس کا ٹکٹ بھی خریدا ہے۔ لہٰذا اسے بھی دوسرے مسافروں کی طرح سیٹ پر بیٹھنے کا حق ہے۔''

''آپ نے بجا فرمایا۔'' گارڈ بولا۔ ''مگر دوسرے مسافروں کی طرح اسے بھی سیٹ پر پاؤں رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔''

(ندا عتیق، لاہور)

عباسی کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ سامنے کی چیزیں تیرتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ دل پر ایک عجیب وحشت کا غلبہ ہوا، دل سے دعا نکلی۔ ''اللہ میری جان کے صدقے، میرے نصیر کا بال بیکا نہ ہو۔'' رقت سے گلا بھر آیا۔ ''میں کیسی سنگ دل ہوں۔ پیارا بچہ رو رو کر ہلکان ہوگیا اور میں اسے دیکھنے تک نہ گئی۔ شاکرہ بدمزاج سہی، بدزبان سہی۔ نصیر نے میرا کیا بگاڑا تھا؟ میں نے ماں کا بدلہ نصیر سے لیا۔ یاخدا میرا گناہ بخشیو! پیارا نصیر میرے لیے ہڑک رہا ہے (اس خیال سے عباسی کا کلیجہ مسوس اٹھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے) مجھے کیا معلوم تھا کہ اسے مجھ سے اتنی محبت ہے ورنہ شاکرہ کی جوتیاں کھاتی اور گھر سے قدم نہ نکالتی۔ آہ! نامعلوم بچارے کی کیا حالت ہے۔'' انداز وحشت سے بولی۔ ''دودھ تو پیتے ہیں نا!''

صابر: ''تم دودھ پینے کو کہتی ہو۔ اس نے دو دن سے آنکھیں تو کھولی نہیں۔''

عباسی: ''یا میرے اللہ ارے او قلی! قلی! بیٹا! آ میرا اسباب گاڑی سے اتار دے، اب مجھے حج وج کی نہیں سوجھتی، ہاں بیٹا جلدی کر، میاں! دیکھیے کوئی یکہ ہو تو ٹھیک کر لیجیے۔''

یکہ روانہ ہوا۔ سامنے سڑک پر کئی بگھیاں کھڑی تھیں۔ گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ عباسی بار بار جھنجھلاتی تھی اور یکہ بان سے کہتی تھی۔ ''بیٹا! جلدی کر میں تجھے کچھ زیادہ دے دوں گی۔'' راستہ میں مسافروں کی بھیڑ دیکھ کر اسے غصہ آتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا گھوڑے کے پر لگ جاتے، لیکن جب صابر حسین کا مکان قریب آ گیا تو عباسی کا سینہ زور سے اچھلنے لگا۔ سر تیورا گیا۔ بار بار دل سے دعا مانگنے لگی، سب خیر و عافیت ہو۔

یکہ صابر حسین کی گلی میں داخل ہوا۔ دفعتاً عباسی کے کان میں کسی کے رونے کی آواز آئی۔ اس کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ سر تیورا گیا۔ معلوم ہوا دریا میں ڈوبی جا ہوں، جی چاہا یکہ سے کود پڑوں مگر ذرا دیر میں معلوم ہ کہ عورت میکہ سے بدا ہو رہی ہے، تسکین ہوئی۔

آخر صابر حسین کا مکان آ پہنچا۔ عباسی نے ڈر ڈرتے دروازے کی طرف تاکا۔ جیسے کوئی گھر سے بھا ہوا یتیم لڑکا شام کو بھوکا پیاسا گھر آئے اور دروازے ک طرف سہمی ہوئی نگاہ سے دیکھے کہ کوئی بیٹھا تو نہیں ہے۔ دروازہ پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ باورچی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ عباسی کو ذرا ڈھارس ہوئی۔ گھر میں داخل ہوئی تو دیکھ کہ نئی دایہ بیٹھی پولٹس پکا رہی ہے۔ کلیجہ مضبوط ہوا۔ شاکرہ کے کمرے میں گئی تو اس کا دل گرما کر دو پہر کی دھوپ کی طرح کانپ رہا تھا۔ شاکرہ نصیر کو گود میں لیے دروازے کی طرف ٹکٹکی لگائے تاک رہی تھی۔ غم اور یاس کی زندہ تصویر۔

عباسی نے شاکرہ سے کچھ نہیں پوچھا۔ نصیر کو اس کی گود میں سے لے لیا اور اس کے منہ کی طرف چشم پرنم سے دیکھ کر کہا۔ ''بیٹا نصیر آنکھیں کھولو''

نصیر نے آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحہ تک دایہ کی خاموش دیکھتا رہا۔ تب یکا یک دایہ کے گلے سے لپٹ گیا اور بولا۔ ''انا آئی، انا آئی۔''

نصیر کا زرد مرجھایا ہوا چہرہ روشن ہوگیا جیسے بجھتے ہوئے چراغ میں تیل پڑ جائے۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ نصیر آنگن میں کھیل رہا تھا۔ صابر حسین نے آ کر اسے گود میں اٹھا لیا اور پیار کر کے بولے۔ ''تمہاری انا کو مار بھگا دیں؟'' نصیر نے منہ بنا کر کہا۔ ''نہیں روئے گی''

عباسی بولی۔ ''کیوں بیٹا مجھے تو تو نے کعبہ شریف نہ جانے دیا، میرے حج کا ثواب کون دے گا؟''

صابر نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہیں اس سے کہیں زیادہ ثواب ہوگیا، اس حج کا نام حج اکبر ہے۔''

☆.....☆.....☆

عید قربان

فرح طاہر

خواہشیں انسان کے دلوں میں اندر تک پنجے گاڑ کر اس طرح
براجمان کیوں ہو جاتی ہیں کہ پھر ان کی تکمیل کی آرزو میں انسان
خود اپنی ہستی تک کو مٹا ڈالنے کے درپے ہو جاتا ہے۔

غم کے اندھیروں میں ڈوبی ایک غم زدہ تحریر

بس ایک شوق تمنائے دید ہے ورنہ!
نفس نفس شب ہجراں کو کون گنتا ہے

عید قربان...... جس کا واضح اور مکمل مفہوم ہے قربانی کی عید...... ایسی عید جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے خدا کی راہ میں اپنی استطاعت کے مطابق قربانی پیش کی جاتی ہے۔ عید کے اس مفہوم سے آگاہ وہ خود بھی تھے......

اور خود وہ بھی اس فرض کی ادائیگی کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے..... مگر اتنی آرزو رکھنے کے باوجود ہر بار عید پر ان کو کسی جانور کی قربانی پیش کرنے کی بجائے قربانی دینی پڑتی تھی۔ اپنے قیمتی احساسات کی، اپنے چھوٹے چھوٹے سنہری روپہلے جذبات کی..... اور اپنی ان تمام خواہشات کی قربانی انہیں دینا ہوتی تھی جو وہ پورا سال اپنی سانسوں کی روانی کے ساتھ سینچتے تھے..... اور پھر جب عید قربان کی آمد قریب ہونے لگتی تو ان میں سب سے پہلے ملائکہ کی طرف سے فرمائش بلند ہونے لگتی تھی۔

''امی اس عید پر جہاں سے بھی گوشت آئے سب سے پہلے اس کی نہاری بنانا..... بالکل ویسی نہاری جیسی گلی کے نکڑ پر رفیق چاچا بیچتے ہیں.....'' انتہائی اشتیاق بھرے عالم میں فرمائش گوش گزار کی گئی جسے سن کر طلحہ نے فوراً کہا۔

''اف نہاری کی ندیدی..... سال میں کتنی بار تو نہاری کھاتی ہو تم وہ بھی رفیق چاچا کی دوکان سے..... دل نہیں بھرتا تمہارا نہاری سے حالانکہ اکثر ابو سالن نہ پکنے پر وہی نہاری کٹورا بھروا کر لے آتے ہیں..... اور ابو نہ بھی لائیں تب بھی رفیق چاچا کی جب بھی نہاری بچ جاتی ہے وہ ہمیں دے جاتے ہیں۔ مجھے نہیں کھانی نہاری.....'' طلحہ نے ناک چڑھائی تو ملائکہ نے قدرے وضاحتی انداز میں کہا۔

''ہاں! تو ہم سال میں چاہے روز نہاری کھا لیں..... مگر وہ نہاری امی کے ہاتھوں کی بنی ہوئی تو نہیں ہوتی ناں..... مجھے امی کے ہاتھ کی پکی نہاری کھانی ہے.....'' وہ کہہ چکی تو طلحہ نے دوبارہ کہا۔

''کھاتی رہنا تم نہاری..... میں تو اس عید پر ''باربی کیو'' کھاؤں گا..... وہ پچھلی گلی میں جو بڑا سا بنگلہ ہے ناں..... وہاں کے سیٹھ اس بار قربانی کے لیے دو گائیں اور چار بکرے لائے ہیں..... میرے دوست کا ابو وہاں ان کے کچن میں کام کرتا ہے..... وہ کہہ رہا تھا اس بار عید پر تم میرے ساتھ وہاں چلنا..... پھر جب وہ ''باربی کیو'' بنا رہے ہوں گے تو اس کے ابو ہمیں بھی کچھ حصہ کھانے کو دیں گے..... اف کتنا مزا آئے گا ناں..... مصالحے لگی چٹ پٹی بوٹیاں کھانے میں.....'' اس کے ننھے سے منہ سے باقاعدہ رال ٹپکنے لگی تھی۔

امی سلائی مشین پہ جھکی نجانے ان کی باتیں سن بھی رہی تھیں یا نہیں۔ البتہ ملائکہ اس کی ہر بات کو اشتیاق بھرے انداز میں ضرور سن رہی تھی..... اور سن تو میں بھی اچھے سے رہی تھی مگر میں اچھے سے جانتی تھی یہ ساری خواہشات، یہ سارے تصورات ''سب جھوٹ ہے فسانہ ہے'' کی مانند لفظوں کا دھوکہ ہے..... مگر اس کے باوجود بھی نجانے کیوں میں ہر بار کی طرح ان کی باتیں سن کر مردہ تتلیوں کو ہاتھ میں لیے پھونک مار مار کر انہیں اڑانے کی کوشش میں خود بھی خوش گمان ہو جاتی کہ شاید اس بار حقیقتاً ایسا کچھ ہو ہی جائے.....

☆☆☆

گلابی تازہ گوشت سے امی کی ہاتھ کی بنی نہاری..... اور خوب مصالحہ لگی چٹ پٹی بوٹیاں اور..... اور بھی نجانے کیا کچھ..... دماغ اوپر کی سمت اڑان بھر کر ہواؤں میں اڑنے لگتا تو خوش گمانیاں انتہا کو پہنچنے لگتیں..... ہم خود فریبی کی دنیا میں کھونے لگتے..... ایسے میں ہماری امی..... ہمیں یوں خوش فہمیوں میں مبتلا چھوڑ کر دبے پاؤں اس احتیاط سے اٹھ کر چل دیتیں کہ کہیں ان کی گھسی ہوئی جوتی کی مریل سی چاپ ہمیں حقیقت کی دنیا میں نہ لا پٹخے..... وہ کبھی بھی ہمیں خواب دیکھنے سے نہیں روکتی تھیں..... بلکہ اکثر تو وہ خود ہمیں کسی خواب کا سرا پکڑا دیا کرتی تھیں..... شاید اس لیے وہ ہمیں آگاہی کے عذاب سے بچا لینا چاہتی تھیں..... مگر پھر ہمیں خود فریبی کی نذر کر کے وہ خود اٹھ کر کہاں چل دیتی تھیں..... میں اکثر اس سوال کو لے کر الجھ جاتی تھی..... اس لیے آج ایک بار پھر امی کو اپنے درمیان

سے چپکے سے کھسکتے دیکھا تو میں سب چھوڑ چھاڑ ان کے پیچھے ہولی آخر میں بھی تو دیکھوں..... ہمیشہ ایسے سے میں امی کو کون سی مصروفیت اپنی جانب کھینچ لیتی ہے.....؟

اپنے سوال کا جواب جاننے کی چاہ میں، میں دبے پاؤں ان کے پیچھے چل پڑی..... میرے آگے چلتی امی کی چال بڑی متوازن تھی..... مگر پھر ایک دم ہی امی کی چال میں بڑا واضح فرق نمایاں ہونے لگا تو میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا..... ان کی دبی دبی متوازن چال پہلے دھیمی ہوئی، پھر سست، اس کے بعد ان کے قدموں کی چال ٹوٹی پھوٹی محسوس ہوتی۔ آخر میں بالکل لنگڑی لولی سی محسوس ہونے لگی اور پھر اس وقت مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا..... جب میری نظر کے سامنے خود کو گھسیٹ کر آگے بڑھتی امی نے اپنے دائیں پہلو میں گرے ہاتھ کو اٹھا کر پہلے دیوار سے لگایا..... اور پھر ہاتھ کی انگلیوں کو پورا کھولے..... گھسٹنے کے سے انداز میں اپنے ساتھ ساتھ انگلیوں سمیت ہاتھ کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹتی آگے بڑھتی رہیں.....

امی کا یہ انداز ان کی ذہنی حالت کی ٹوٹ پھوٹ کا واضح ثبوت تھا..... حیرت کے شدید جھٹکے سے خود کو نکال کر میں نے امی کی پشت کو گھورا..... اس سے میرا شدت سے دل چاہا کہ میں امی کے مقابل جا کر ان کا چہرہ دیکھوں..... مگر اپنی اس خواہش کو دل میں دبائے میں اپنی جگہ دبکی کھڑی رہی..... امی کا رخ مٹی سے لیپ کیے کچن کی طرف تھا..... مگر کچن کے قریب پہنچ کر امی کے قدم چند منٹ کی مسافت کے فاصلے سے پہلے ہی رک گئے..... امی اب رک کیوں گئی تھیں.....؟ میں خود سے الجھنے لگی تھی۔

جب میں نے دیکھا..... امی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پشت پر باندھ کر آسمان کی جانب دیکھا تھا..... ان کی اٹھی نظر میری سمت بھی پڑ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے فوراً خود کو مزید سمیٹ کر کونے میں گھسیڑ لیا..... امی اب شاید خدا سے ہمارے لیے کچھ خاص مانگنے لگی تھیں..... جس کے بعد ہمارے لیے سب کچھ بہت اچھا ہو جانا تھا..... میرا دل خوشی سے بھرنے لگا..... مگر میری نظر جب امی کی سمت دوبارہ اٹھی تو مجھے ایک بار پھر حیرت کا جھٹکا لگا۔ کیونکہ امی نے پشت پہ بندھے ہاتھوں کے ساتھ بس ایک نظر آسمان کو دیکھا اور دوسرے پل وہ سر جھکا کر رخ موڑتی کچن کی طرف بڑھیں اور اندر داخل ہو گئیں.....

امی نے دعا کو ہاتھ کیوں نہیں اٹھائے..... میں کتنی ہی دیر اپنی جگہ پر کھڑی خود سے الجھتی رہی اور جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو میرے قدم کچن کی سمت اٹھ گئے..... مجھے اس سے امی کے چہرے کو دیکھنا تھا۔

اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے میں نے دروازے کی اوٹ سے اندر جھانکا..... امی ہاتھ باندھے پیڑھی پر سر جھکا کر بیٹھی تھیں۔ مجھے ان کا چہرہ دیکھنے میں ذرا دقت محسوس ہوئی ممکن تھا کہ میں مایوس ہو کر پلٹ جاتی..... اسی پل امی نے اپنے سر کو اٹھایا اور چولہے پہ چڑھی ہانڈی کی طرف متوجہ ہوئیں..... تب میں نے ان

بڑی عید

دنیا بھر کے سارے مسلمان بڑی عید مناتے ہیں
دیتے ہیں قربانی سارے عید بھی پڑھنے جاتے ہیں
سنت پوری کرتے ہیں سب مل کر خوشی مناتے ہیں
اس موقع پر اک دوجے کو بڑھ کر گلے لگاتے ہیں
سب کرتے ہیں باتیں اچھی گوشت بھی مل کر کھاتے ہیں
اللہ کی خوشنودی کی خاطر رنج دلوں کے مٹاتے ہیں
دنیا بھر کے سارے مسلماں بڑی عید مناتے ہیں
(یاسین خاور، کراچی)

کی آنکھ سے بہتے آنسو کو گال سے لڑھک کر ہانڈی میں گرتے دیکھا..... اور پھر مجھے میرے ہر سوال کا جواب مل گیا تو میں گہری سانس خارج کرتی وہاں سے ہٹ گئی۔

آج میں نے جان لیا تھا کہ ہمیں خود فریبی میں مبتلا دیکھ کر امی اس لیے وہاں سے اٹھ جاتی تھیں کیونکہ وہ ماں ہو کر اپنی اولاد کے خوابوں کو پورا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی تھیں۔ وہ اس لیے ہمارے درمیان سے اٹھ جاتی تھیں کہ کہیں ہمارے خواب انہیں خدا سے شکوہ کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاتی تھیں..... مگر اپنی اس ایک شاکر نظر میں وہ ہمارے لیے پوری کائنات مانگ لیا کرتی تھیں..... وہ ایسی ہی تھیں صابر و شاکر..... اور اپنی اس خوبی کو وہ اکثر اپنے آنسوؤں کی صورت سالن میں پکا کر ہمارے اندر انڈیل دیا کرتی تھیں تاکہ ہم بھی ان کی طرح شاکر رہیں..... صابر رہیں.....

یہی وجہ تھی ہماری زبانیں کبھی شکوہ نہیں اگلتی تھیں..... کیونکہ حالات کی تلخ حقیقت ہمارے سامنے تیز چمکتی تلوار کی مانند لٹکتی رہتی تھی..... اور حقیقت یہی تھی کہ ابو جنہوں نے بھلے سے بی اے کیا ہوا تھا۔ وہ ہر جگہ معمولی سے معمولی نوکری کی تلاش کے بعد مایوس ہو کر ایک دکان پر فل ڈے سیلز مین کی نوکری کر کے مہینے کے آخر میں بس اتنی ہی رقم لانے میں کامیاب ہوتے جس سے کھینچ کھینچ کر مہینہ گزارا جاتا تھا..... اس کے باوجود امی اپنی سلیقہ شعاری سے کچھ نہ کچھ بچا لیتیں۔ بچت کر کے اہم مواقعوں خصوصاً تہواروں پر سیل سے ہمارے لیے کپڑے اور جوتے خرید کر عید کا اہتمام کر دیتیں..... نئے جوتے اور کپڑے چھوٹی عید پر تو دل کو بہلا دیتے..... مگر جونہی بڑی عید قریب آنے لگتی تو ہر طرف بکرے دیکھ کر ہم میں چھوٹی ملائکہ مچل کر امی کے سامنے جا کھڑی ہوتی۔

''امی سب نے قربانی کے لیے بکرے خرید لیے ہم بکرا کب لائیں گے.....؟''

''اچھا ہم بھی بکرا لے آئیں گے.....'' امی ہمیشہ کی طرح اسے بہلانے کی سعی میں تھیں۔ جب اس نے مچل کر دوبارہ سوال کر دیا۔

''مگر کب امی..... اب تو بس دو روز ہی باقی ہیں.....؟'' وہ پریشان دکھائی دینے لگی تو امی نے چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ! بس دو روز رہ گئے..... ہمیں تو خیال ہی نہیں رہا.....'' انہوں نے اس کے بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے پیار بھرے انداز میں کہا۔

''اچھا چلو تم ایسا کرو..... تم دل سے دعا کرو..... پھر اگلے سال ہم بھی قربانی کے لیے بکرا لے آئیں گے.....'' انہوں نے دعا کو شرط کر دیا تو ملائکہ فٹ سے بولی۔

''مگر اس بار کیوں نہیں.....؟'' اس نے امی کی طرف دیکھا تو وہ اپنے ہمیشہ کے سے سادہ انداز میں مصروف سی بولیں۔

''اس بار تم نے دعا نہیں کی ناں اس لیے۔ اب تم دعا کرو پھر اگلی بار ہم ضرور بکرا لائیں گے۔''

''اچھا..... میری دعا کرنے سے ہم بکرا لے آئیں گے.....؟''

''ہاں بالکل.....'' امی نے پر یقین انداز میں کہا۔ تو ملائکہ نے فوراً اپنے ننھے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھایا تو ہم اس کے لبوں کی خاموش دعا پر امین کہتے اور سر جھکا لیتے.....

اور پھر باقی دنوں کی طرح وہ دو دن بھی گزرتے اور عید کا وہ دن آ پہنچتا..... جس دن ہم امی، ابو کے ساتھ بیٹھے گوشت کے انتظار میں صبح سے شام کر دیتے..... بھوک کی بلبلاہٹ عروج پر پہنچنے لگتی تو ہم ''نہاری اور باربی کیو'' کے تصور سے نظر چراتے امی کی

جانب دیکھتے تو وہ گہرا سانس بھرتیں۔ ہمارے پاس سے اٹھ کر کچن کی جانب چل دیتیں..... تب ہمیں اندازہ ہونے لگتا کہ اب عید کے روز بھی ہمیں مسور کی دال جیسی ہی کوئی ڈش کھانے کو ملنے والی تھی۔

ہم مایوسی سے منہ بناتے ابھی سکون سے بیٹھے بھی نہ تھے تب اسی پل دروازے پر کھٹکا سن کر ملائکہ پھرتی سے باہر کی جانب لپکتی امی کے سر پر جا پہنچتی۔

''امی! کوئی گوشت دے گیا ہے کیا.....؟'' چھوٹی سی ملائکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ سائز میں بڑھتی اب اکثر بڑے بڑے سوال کر کے امی کو پریشان کرنے لگی تھی۔

مگر امی پریشانی ظاہر کیے بنا ہمیشہ اس کے سوالوں کو گھما کر اسے بہلا لیتیں..... اسی لیے اب بھی اس کے سوال پر ٹالنے کے سے انداز میں بولیں۔

نہیں گوشت تو کوئی نہیں دے گیا..... مگر میں نے آج تمہاری پسند کا کھانا بنایا ہے۔ دیکھو ابلے ہوئے چاول اور مسور کی پتلی دال..... تمہیں بہت ساری دال ڈال کر چاول کھانا اچھا لگتا ہے ناں..... تو آج مزے سے کھانا چاول.....'' انہوں نے اس کی توجہ رومال سے ڈھکے چاولوں کی جانب مبذول کرواتے ہوئے چپکے سے گوشت کے اس شاپر کو پیچھے کر دیا جو ابھی ہمسائے سے ان کے گھر آیا تھا..... جس میں ہڈیوں کی بڑی تعداد کے ساتھ چپکا گوشت خود اپنے ہونے پہ شرمندہ دکھائی دے رہا تھا.....

''مگر امی گوشت.....؟'' ملائکہ کی سوئی ابھی بھی گوشت پہ اٹکی تھی۔ مجھے خوامخواہ اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں غصے میں ایک ہاتھ اس کو جڑتی امی نے پلیٹ میں چاول نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ! جب اگلے سال ہم قربانی کریں گے تب تم جی بھر کے گوشت کھا لینا..... ابھی یہ چاول کھاؤ.....'' زبردستی کر کے پلیٹ کو اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے امی اس کا دھیان گوشت سے تو ہرگز نہیں ہٹا پائی تھیں..... مگر وہ لب بھینچ کر پلیٹ پکڑے کچن سے نکلتی۔

اگلے سال کی ''اس عید'' کا انتظار شروع کر دیتی..... جس پر انہوں نے بھی بکرا قربان کرنا تھا..... انتظار کی سولی پہ لٹکے جوں جوں دن گزرتے جاتے..... اس کی دعا کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا..... مگر تین سو پینسٹھ دن گزارنے کے بعد بھی جب عید قربان کے روز ملائکہ اپنے صحن میں بکرے کو موجود نہ پاتی تو سراپا سوال بنی ایک بار پھر امی کے سامنے جا کھڑی ہوتی۔

''آپ نے کہا تھا دعا کرو پھر اگلے سال ہم قربانی کے لیے بکرا لیں گے..... میں نے پورا سال بہت ساری دعا کی..... مگر اس بار بھی ہم بکرا نہیں لے سکیں ہیں۔ حالانکہ میں نے اتنی ساری دعائیں کی تھیں مگر اللہ

باتوں سے خوشبو آئے

☆ اگر کوئی آپ کو یاد نہیں کرتا تو کوئی بات نہیں اصل چیز یہ ہے کہ وہ آپ کو فراموش نہ کرے۔

☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

☆ اپنے اخلاق اور کردار سے لوگوں کو ایسے متاثر کرو جس طرح سورج اپنی کرنوں سے ساری دنیا کو متاثر کرتا ہے۔

☆ رات کو سوتے وقت بنائے گئے منصوبوں اور آسمان سے گرنے والے شبنم کے قطروں کی عمر ایک جیسی ہوتی ہے۔

☆ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے سے پہلے آسمان کے دروازے کھولنے کی قوت پیدا کرو۔

☆ سب سے بڑی فتح اپنے نفس پر قابو پانا ہے۔

(ایس۔ امتیاز احمد، کراچی)

نے میری دعا سنی ہی نہیں.....'' ہاتھ پھیلا کر اپنی مانگی دعا کا حدود و اربعہ بتاتے ہوئے وہ روہانسے انداز میں بولی تو امی نے تڑپ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا..... اللہ ہماری ہر دعا سنتا ہے.....بس دعا کی قبولیت کی صورتیں الگ الگ ہوتی ہیں.....کبھی کبھی ہماری دعاؤں کو فوراً قبولیت کا درجہ عطا کر دیا جاتا ہے۔تو کبھی قبولیت کے درجے کو پینڈنگ پہ ڈال دیا جاتا ہے..... کیونکہ وہ ہمارا اللہ ہم سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ہمیں کس وقت کیا عطا کرنا ہے..... جب وہ ہمارے لیے بہتر سمجھتا ہے ہماری خواہش کے مطابق ہمیں عطا کر دیتا ہے۔ہمیں بس دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ہاں اگر اتنی دعاؤں کے بعد بھی ہم قبولیت کو نہیں پاتے تو بھی ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جس کی قبولیت سے ہم دنیا میں محروم رہ جاتے ہیں وہ آخرت میں دگنے اجر کے ساتھ عطا کر دی جائے گی۔

ملائکہ کے دماغ کا حجم اب بڑھنے لگا تھا اس لیے اس کی سوچیں اکثر اسے الجھن میں مبتلا کیے رکھتی تھیں.....ایسے میں امی فوراً اس کی الجھن دور کرنے کی کوشش کرتیں کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس کا دماغ کسی ادھورے پن کا شکار ہو کر اسے کسی پریشانی میں مبتلا کرے۔ اسی لیے اب جب انہوں نے اسے مایوسی سے الجھتے دیکھا تو فوراً اپنے مخصوص انداز میں اسے سمجھانے لگیں تو ملائکہ نے کچھ دیر خاموش رہ کر ان کی بات کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی.....اور جب سمجھ چکی تو وہ سر ہلاتی ان کے پاس سے اٹھ گئی.....اور پھر اپنی دعاؤں کو ورد کی طرح اپنے لبوں پہ سجائے اس نے اس عید کا انتظار شروع کر دیا جس عید پہ اس کی دعاؤں کی قبولیت کی صورت وہ قربانی کے لیے بکرا خریدنے کے قابل ہو سکتے تھے۔

مگر اس ''ایک عید'' کے ملنے سے قبل اگلی عید سے چند روز پہلے امی کو بخار نے اس بری طرح لپیٹے میں لیا کہ پھر وہ انتظار کی تمام گھڑیوں کو مات دیتیں فانی دنیا کو الوداع کہتی خالق حقیقی سے جا ملیں.....ایسے سمے میں جب ہم امی کو یاد کر کے بلک رہے تھے اس سمے ملائکہ کو نجانے کیا ہوا..... وہ امی کے سرہانے کھڑی ہو کر مسکرانے لگی..... مجھے اس کی ذہنی حالت پہ شک گزرا تو میں تڑپ کر اس کی طرف بڑھی.....

''ملائکہ.....'' میں اسے بانہوں میں سمیٹنے کو تھی جب وہ خود کو میرے بازوؤں سے آزاد کراتی ایک طرف ہو کر بولی۔

''باجی! میری طرح امی بھی بکرے کے لیے دعا کرتی تھیں ناں.....'' ان کو ان کی دعاؤں کا اجر دنیا میں نہیں ملا.....تو اب جب وہ مر گئی ہیں تو وہاں آخرت میں اللہ نے انہیں ان کی دعاؤں کی قبولیت کے اجر میں قربانی کا بکرا دے دیا ہو گا.....؟ اور اب وہ وہاں بکرے کو ذبح کرنے کے لیے ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی ناں.....؟''

اتنا کہہ کر اس نے میرا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ پوچھا تھا۔

''بتاؤ باجی اب تم، میں، طلحہ اور ابا کب مریں گے.....؟''

اس کی سوچ کے حساب سے اس کا سوال بجا تھا۔ مگر میں اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ کر سوچے جا رہی تھی کہ.....

آخر دکھائی نہ دینے والی یہ خواہشیں انسان کے دلوں میں اندر تک پنجے گاڑ کر اس طرح براجمان کیوں ہو جاتی ہیں کہ پھر ان کی تکمیل کی آرزو میں انسان خود اپنی ہستی تک کو مٹا ڈالنے کے درپے ہو جاتا ہے.....اور ہستی کے اس مٹانے کے عمل کا ذمہ دار کون تھا خود خواہش کرنے والا انسان.....؟ یا زمانے کی بے حسی.....؟

☆☆☆☆☆

عشق سچا ہو تو

محمد سلیم اختر

سچی محبت حاصل کرنے کے لیے محبوب
ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوتا ہے
کیونکہ محبت ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر
خوبصورت زندگی کی شکل میں ملتی ہے

عید الاضحی کی خوشیوں کو دوبالا کرتی ایک چلبلی تحریر

اسد اور عمر دونوں لنگوٹیے یار تھے۔ اسد شادی شدہ تھا جبکہ عمر کنوارہ تھا..... ایک روز عمر شام ڈھلے اسد کے گھر آیا اور اسد سے کہنے لگا۔

''یار..... بھابی سے کہہ دو کہ آج رات کے کھانے میں تھوڑا سا اہتمام کرلیں۔ بس زیادہ نہیں۔ مرغی روسٹ کر لیں، کباب اور مچھلی بھی بنا لیں..... میٹھے میں کھیر ہی بنا لیں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے ناں کہ میں کتنا ''کم'' کھاتا ہوں۔''

''جی میں برسوں سے جانتا ہوں کہ تم کتنا کم تناول فرماتے ہو۔ اسی لیے سوکھ سوکھ کر..... ہاتھی بنتے جا رہے ہو۔''

''بس یار کیا بتاؤں..... آج امی اور ابا کی لڑائی ہوگئی

ہے..... جس کا نتیجہ یہ آؤٹ ہوا ہے کہ امی جان گھر سے غیر معینہ مدت کے لیے آؤٹ ہو کر اپنی امی جان یعنی میری نانی کے پاس چلی گئی ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ تو بتا کہ ان میں پھر کس بات پر پھڈا ہوا ہے؟'' اسد نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اماں کہتی تھیں آج منگل کا دن ہے اور ابا کہتے تھے جمعرات ہے۔ بس یہ اختلاف..... لڑائی کی صورت اختیار کر گیا..... بس یہ ننھی منی سی وجہ اماں کو میکے لے گئی..... حالانکہ وہ دونوں ہی غلط تھے..... آج تو اتوار کا دن ہے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میاں بیوی کی لڑائی کے لیے کسی بڑی اور سنگین وجہ کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔'' اسد نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''یار عمر..... تو بھی کسی سے کم نہیں ہے..... تو کوئی کام کاج نہیں کرتا اور باپ کی کمائی پر پہلوانوں کا پہلوان بنتا جا رہا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تو کوئی نوکری شوکری کر لے۔''

''یار اسد تو بھی کمال کا انسان ہے۔ اتنی آسانی سے اس ملک میں بھلا کیسے نوکری مل سکتی ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ اس نوکری کی تلاش میں..... میرے کتنے جوتے ریڑھی والوں کے کباڑ خانہ کی زینت بنے۔ تبھی تو میں مایوسی کی دھوپ سینک رہا ہوں..... ویسے میرا خیال ہے..... اس چھوکری..... میرا مطلب ہے کہ نوکری کی تلاش میں میرا جتنا خرچہ ہوا ہے۔ اس سے تو میری شادی کی اچھی خاصی بری تیار ہو سکتی تھی۔''

عمر کو اپنے مستقبل کی فکر ستانے لگی۔

''یار اگر تو پسند کرے تو میں تیرے لیے کسی عارضی چھتری کا بندوبست کر دوں۔''

''عارضی چھتری! کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ جب تک تمہیں کوئی اچھی جاب نہیں مل جاتی میں تمہیں مایوسی کی دھوپ سے بچانے کے لیے کسی عارضی چھتری یعنی عارضی نوکری کا بندوبست کر دوں۔''

''تمہاری دوستی کسی چھتریاں بیچنے والے سے تو نہیں ہو گئی کہ مجھے مفت میں دلا رہا ہے۔'' عمر مذاق کے موا میں تھا۔

''افوہ! یار کبھی تو سنجیدگی کی ٹوپی سر پر رکھ لیا کرو۔ میرے ایک پرانے جاننے والے ہیں..... گلزار صاحب ان کی کمرشل مارکیٹ میں گفٹ اور سٹیشنری کی دکان ہے۔ ان دنوں عید الاضحیٰ کے نزدیک آنے کی وجہ سے انہوں نے دکان کا ایک حصہ عید کارڈز اور ایس ایم ایس کی کتابوں کے لیے مختص کر دیا ہے۔ اب ان کو اس کے لیے ایک قابل اعتماد آدمی کی ضرورت ہے..... اگر تم کہو تو میں ان سے بات کروں۔'' اسد نے اس سے ہمدردی سے کہا۔

''لو بھلا بتاؤ..... ایک تھرڈ ڈویژن پاس لڑکے کی غیرت کب گوارہ کرے گی کہ.....''

عمر کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی اسد چہک اٹھا۔

''یار تمہارے تو سوئے ہوئے نصیب جاگ اٹھے..... مبارک ہو.....''

''کیوں کیا عید کارڈ کی دکان پر بیٹھنے والا آئیڈیا..... میرے سوئے ہوئے نصیبوں کا ماما لگتا ہے۔'' عمر حیرت کے گھوڑے پر سوار لگ رہا تھا۔

''ابے گدھے کبھی تو اپنی عقل شریف کو استعمال کرنے کی جسارت کر لیا کر..... میں جانتا ہوں تجھے نوکری سے زیادہ چھوکری یعنی اپنے آئیڈیل کی تلاش ہے۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار کر سکتا ہے۔''

عمر..... اسد کی پلاننگ جان کر پہلے تو خوش ہوا..... پھر پریشان کن لہجے میں بولا۔

''یار میں سوچ رہا ہوں کہیں میرا حشر بھی تیرے جیسا نہ ہو..... یاد ہے پچھلے سال تو نے اپنے آئیڈیل کی تلاش میں چوڑیاں پہنانے والے کا کردار ادا کرتے ہوئے کتنی

مار کھائی تھی۔''

''ہاں یار میں نے اس لڑکی کو چوڑیاں پہناتے وقت کوئی الٹا سا ڈائیلاگ مار دیا تھا..... مگر تو محتاط رہنا..... اللہ تیرا حامی و ناصر ہوگا.....''

☆☆☆

دو دن بعد عمر..... گلزار صاحب کی دکان پر بیٹھا عید کارڈ اور ایس ایم ایس کے کتابچے فروخت کر رہا تھا۔

''ابے ستیاناس جائے اس آئیڈیل کا..... اپن کا نصیب ہے ہی کھوٹا..... لگتا ہے ہمارے اس قیمتی آئیڈیا کی ہوا شہر کی ساری کڑیوں کو لگ گئی ہے۔ اس لیے تو سب نے گھروں سے نکلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔''

وہ دل ہی دل میں اسد کو کوس رہا تھا کہ اتنے میں ایک ساٹھ ستر سالہ بڑھیا دکان میں داخل ہوئی۔

''بیٹا وہ سامنے والا عید کارڈ پکڑانا ذرا.....''

''عمر ہے اللہ اللہ کرنے کی اور کارڈ چاہیے دو دلوں والا..... سبحان تیری قدرت..... وہ بڑبڑایا ضرور..... مگر دکانداری کا تقاضا نبھاتے ہوئے کارڈ بڑھیا کی طرف بڑھا دیا۔

''ہوں..... یہ کارڈ میرے ''ان'' کو ضرور پسند آئے گا۔'' وہ دل ہی دل میں بولی۔

''بیٹا..... اس کی قیمت کتنی ہے؟''

''جی یہ اسی روپے کا ہے۔''

قیمت سن کر بڑھیا کی آنکھیں خوفناک حد تک پھیل گئیں..... بولی..... ''غضب خدا کا..... اس قیمت میں تو ہم ساری برادری کو کارڈ بھیجا کرتے تھے۔ رہنے دے بیٹا..... اسے وہیں رکھ دے..... میں خود کسی زمانے میں ڈرائنگ ماسٹر رہ چکی ہوں۔ ایسے ہی دو دل کسی کاغذ پر بنا کر ''ان'' کو دے دوں گی۔ بڑھیا اپنی کفایت شعاری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے دکان سے نکل گئی اور عمر اپنے بالوں کو مٹھی کا مزا چکھانے لگا..... اچانک اسے دکان کے دروازہ سے تین ہنستی مسکراتی لڑکیاں دکان میں داخل ہوتی دکھائی دیں..... وہ ایک دم گلاب کے پھول کی طرح کھل کر کھڑا ہو گیا..... جیسے نخلستان میں بہار آ گئی ہو..... ان میں سے ایک لڑکی نے کارڈز پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا.....

''اے مسٹر! آپ کارڈز پر کیا کمی کریں گے؟''

''کیوں نہیں..... ضرور دیں گے..... فی میل کے لیے تو ہم زیادہ کمی کرتے ہیں..... آپ کارڈ تو پسند کریں ہم ''رعایت'' کو مسئلہ کشمیر نہ بننے دیں گے۔'' عمر نے حاتم طائی بنتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

شام کو جب گلزار صاحب نے حساب کتاب کیا تو نقصان شریف لڈیاں ڈال رہے تھے.....

''بیٹا عمر.....!'' انہوں نے بڑے پیار سے کہا۔

''جی چاچا جی صاحب.....''

''پتر جی! تم لوگوں سے اتنی رعایت برت کر کیوں مجھے بھکاری بنانا چاہتے ہو؟''

''وہ بھی تو اچھا پیشہ ہے۔'' عمر نے معصومیت سے جواب دیا۔

''کیا.....؟'' حاجی گلزار صاحب نے گرج کر کہا۔

''جی وہ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔''

''بس آج میں اسد سے بات کروں گا اور اسے تمہارے حاتم طائی بننے کی کہانی سناؤں گا۔''

''انکل جی..... چاچا جی..... پلیز اس بار مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ میں ''کمی'' کا لفظ ہی دنیا کی تمام ڈکشنریوں سے نکال دوں گا۔''

گلزار صاحب نے اس کی پہلی غلطی جان کر اسے معاف کر دیا۔

☆☆☆

چونکہ عید نزدیک تھی۔ اس لیے اگلے دن بھی دکان پر خاصا رش تھا۔ عمر محتاط انداز میں گاہکوں سے نمٹ رہا تھا۔ کیونکہ وہ لڑکیاں تھیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین اور

شرارتی بھی..... جبکہ دوسری طرف لڑکے بے چارے انتظار کی سولی پر لٹک رہے تھے..... کافی دیر گزر گئی تو ایک لڑکا غصے سے بولا۔

''او..... بھائی سیل مین! ذرا جلدی کرو۔''

''کیوں کیا آپ کی فلائٹ مس ہو جائے گی۔''

''نہیں تو.....''

''کہیں قیامت کے آنے کی خبر تو نہیں ہو گئی تمہیں۔''

''نہیں.....''

''تو پھر کاہے کی جلدی اور شور مچا رہے ہو۔'' عمر نے الٹا اسے زچ کر دیا۔

''میں پچھلے پچاس منٹ سے انتظار کی سولی پر لٹکا ہوا ہوں اور تم ہو کہ زنانیوں سے فارغ ہی نہیں ہو رہے یا یہ تمہیں فارغ نہیں ہونے دے رہیں۔''

''او بھائی..... کیا نام ہے تمہارا.....؟ تم کو معلوم نہیں کہ ''لیڈیز فسٹ'' ہوتی ہیں..... بہر حال تم کیا یاد کرو گے مجھے بتاؤ..... کون سا کارڈ چاہیے آپ کو سر.....؟''

''وہ کونے میں جو ایشوریہ رائے کا کارڈ ہے ناں..... وہ میں نے خریدنا ہے۔'' لڑکے نے جلدی سے انتخاب کر لیا کہ کہیں وہ پھر لڑکیوں کی مسکراہٹوں میں گم نہ ہو جائے۔

''آپ یہ ریما والا پوسٹ کارڈ خرید لیں..... اس میں اس کا لباس اور ڈیزائن.....''

''جی مجھے ایشوریہ والا ہی چاہیے۔'' وہ عمر کی بات کاٹ کر بولا۔

''یہ ریشم کا کارڈ لے لیں..... اس میں اس کا ہیئر سٹائل.....''

''میں نے کہا ناں..... مجھے ایشوریہ والا ہی کارڈ چاہیے۔'' وہ نوجوان دانت پیستے ہوئے بولا۔ تو عمر نے اس کا مطلوبہ کارڈ اس کے حوالے کر دیا۔

جب رش کچھ کم ہوا تو ہیلپر لڑکے نے عمر سے پوچھا۔

''صاحب جی یہ آپ نے ایشوریہ والے کارڈ پر..... اس گاہک کی اتنی مٹی کیوں پلید کی.....؟''

''ارے چھوٹو.....! تو ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا..... اصل میں میری آئیڈیل ایشوریہ جی سے کچھ خاص مختلف نہیں ہے۔ اس لیے میں اسی تصویر کو دیکھ کر دل پشوری کر لیا کرتا تھا..... مگر اس الو کے پٹھے کا اسرار مجھے اس کارڈ سے محروم کر گیا۔ کیونکہ سٹاک میں ایشوریہ کا کوئی اور کارڈ نہیں ہے..... اللہ کرے کوئی جیب کترا اس کی جیب کاٹ لے۔ (آمین)''

''بھئی آپ یقیناً ہمارے حق میں دعائے خیر کر رہے ہوں گے..... ہے ناں.....؟'' اسد نے اچانک ظاہر ہو کر اپنا خیال ظاہر کیا۔

''ارے اسد آؤ..... یار سچ مچ آج میں تمہاری طرف آنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔''

''چل نہ چھوڑ..... یہ تو بتاؤ کہ چھتری کی چھاؤں کیسی لگ رہی ہے۔ ٹھنڈی یا گرم..... میرا مطلب ہے کہ تمہیں تمہارا آئیڈیل ملا یا نہیں؟''

عمر اس کے سوال کا جواب دینے ہی والا تھا کہ دکان میں تین حسین و جمیل لڑکیاں داخل ہوئیں..... ان میں سے ایک نا جانے کس بات پر مسکرا رہی تھی۔ کہ اس کی مسکراہٹ اور چہرے پر پڑنے والا ڈمپل عمر کے ہوش و حواس خاکروب کے جھاڑو کی دھول کی مانند لے اڑی۔

''ذرا ہوش سے کام لے یار! یہ تمہاری گاہک ہیں۔'' اسد نے عمر کا کندھا جھنجھوڑ کر اسے ہوش کی دنیا میں لایا تو عمر..... بدحواس سا ہو کر بولا۔

''جی..... جی فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' وہی دشمن جاں سریلی آواز میں بولی۔

''جی وہ ہمیں کچھ عید کارڈ خریدنے ہیں۔''

''پلیز..... پلیز..... ویل کم..... ویل کم..... آپ پسند تو کریں۔ اپنی چوائس بتائیں۔''

عمر نے اس حسینہ کو جو کارڈ پسند آیا وہ خاصا قیمتی

تھا..... ''اف ایک سو بیس روپے؟'' وہ چلائی۔

''وہ..... وہ..... پ..... پپ..... پرائس لکھنے میں..... یقیناً غلطی ہوگئی..... ہوگی..... ارے یہ تو..... بارہ روپے کا ہے۔ صفر غلطی سے پڑ گیا ہے..... میں آپ کو اور رعایت کر دیتا ہوں۔ آپ صرف سات روپے دے دیں۔''

''رئیلی.....؟''

''جی جی بالکل.....'' عمر نے کچھ اس انداز سے جی جی کہا کہ اگر اس پری وش کو یقین نہ آیا تو وہ کہیں خودکشی ہی نہ کر لے.....

بہر حال جب وہ تینوں حسینائیں دکان سے باہر نکلیں تو موصوف ان کے پیچھے ہو لیے..... اتنے میں حاجی صاحب نازل ہوگئے.....

''عمر بیٹا! کہاں جا رہے ہو.....؟''

عمر کی تو جان ہی نکل گئی اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا..... ''جی..... جی..... وہ صبح سے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں۔ حکیم صاحب کے دوا خانے تک جا رہا ہوں..... بس میں ابھی آیا۔''

یہ کہہ کر وہ ان کا جواب سنے بغیر ہی اس طرف بھاگا..... جدھر وہ پری وش سہیلیوں کے ہمراہ غائب ہی ہوگئی تھی۔ وہ ان کی تلاش میں اردگرد کی دکانوں میں نشانہ بازی کرنے لگا۔ بالآخر وہ اسے ایک کاسمیٹکس کی دکان میں نظر آ گئیں..... عمر بس اپنی آئیڈیل کا اتہ پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ بھی اسی دکان میں گھس گیا۔ وہاں دو لڑکیاں اور بھی تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی اس حسینہ سے کہنے لگی۔

''ڈیئر! آج تم سے ایک عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی ہے تو بہت خوشی ہوئی ہے..... اپنا گھر کا فون نمبر تو دے دو تاکہ تم سے رابطہ رہے.....''

عمر کے کان کھڑے ہو گئے..... اس حسینہ نے اپنی دوست کو فون نمبر زبانی بتایا..... تو عمر نے وہ نمبر رٹ کر دل اور دماغ میں محفوظ کر لیا اور جھومتا ہوا دکان سے باہر نکل آیا..... جہاں اسد بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''ہاں تو میاں مجنوں..... مل آئے اپنی لیلیٰ سے۔'' اسد نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''یار اسد! اس نے تو مجھے پاگل ہی کر ڈالا ہے..... ایمان سے وہ دنیا کی.....''

''بس..... بس..... میں جان گیا ہوں کہ وہ حسینہ عالم تمہارے دل کا قرار اپنے پرس میں ڈال کر لے گئی ہے..... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ایک باحیا اور باپردہ لڑکی تھی..... کیا خیال ہے تمہارا.....؟''

''کیوں تم اسے پہلے سے جانتے ہو؟'' عمر بولا۔

''اوکے..... آئی وش یو بیسٹ آف لک.....'' اسد نے اس کے سوال کا جواب نہ دیا..... اور یہ کہتے ہوئے چل پڑا۔

''میں چلتا ہوں بیگم انتظار کر رہی ہوگی..... تم عشق کے ماروں کے پاس تو وقت ہی وقت ہوتا ہے۔''

عمر نے اسد کو خدا حافظ کہا اور پیٹ درد کا بہانہ بنا کر چھٹی کر کے گھر لوٹ آیا..... حاجی گلزار کو اس نے نہ جانے کس طرح رام کیا کہ انہوں نے اس کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے پانچ سو روپے بھی دے دیئے تھے۔

مگر عمر کے گھر تو فون ہی نہیں تھا اور موبائل بھی کسی کسی کے پاس تھا..... لہٰذا وہ پڑوس میں اپنے کلاس فیلو عدیل کے گھر چلا گیا۔ عدیل گھر نہیں تھا۔ البتہ اس کی امی گھر میں ہی تھیں۔

''آداب آنٹی..... کیسی ہیں آپ؟''

''جیتے رہو بیٹا.....! کہو کیسے آنا ہوا؟''

''آنٹی وہ عدیل کچھ دنوں سے نظر نہیں آ رہا..... مجھے اس سے کوئی کام ہے۔''

''بیٹے وہ ایک ماہ کے لیے میاں چنوں اپنے ماموں کے پاس گیا ہوا ہے۔ اگر کہو تو وہاں کا ایڈریس دے

دوں۔''

''آ..... نہیں نہیں آنٹی رہنے دیں آپ..... میں پھر مل لوں گا اس سے..... آنٹی وہ..... ایک فون کرنا تھا۔ ڈاکٹر کو بلوانے کے لیے..... دراصل امی کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔''

''اچھا ..... ابھی تو میں اس سے مل کر آرہی ہوں..... یہ اچانک کیا ہوگیا..... خیر تم فون کرلو..... اور سنو جب ڈاکٹر آئے تو اسے ذرا میری طرف بھی لے آنا۔ کئی دنوں سے طبیعت بوجھل بوجھل سی ہے۔ چیک اپ کرالوں گی۔''

''یا اللہ..... میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔'' وہ دل میں بڑبڑایا اور کہنے لگا۔

''جی ضرور آنٹی! میں ڈاکٹر کو لے آؤں گا۔''

آنٹی کچن میں چلی گئی تو اس نے دھڑکتے دل سے نمبر ملایا۔ فون پر کسی مرد کی آواز تھی۔

''ہیلو.....''

''جی مجھے عاشی سے بات کرنی ہے۔'' اس نے فرضی نام لے لیا۔

''یہاں تو کوئی عاشی نہیں رہتی۔'' کوئی مرد غصے سے بولا۔

''آپ غور سے دیکھیں..... یہیں کہیں ہوگی۔''

''تم نے غلط نمبر ملایا ہے بیٹا جی۔'' یہ کہہ کر اس مرد نے فون بند کردیا۔

''اوہ خدایا..... اب کیا کروں مجھے تو اس کا نام بھی معلوم نہیں۔''

''چلو ایک ٹرائی اور مارتا ہوں..... لیکن ایک اچھوتے آئیڈیے کے ساتھ..... اس نے دوبارہ وہی نمبر گھمایا۔

دوسری طرف وہی مردانہ آواز آئی۔ ''ہیلو''

''السلام علیکم انکل جی۔''

''وعلیکم السلام..... آپ کون ہیں بیٹا جی؟''

''انکل آپ بھول گئے میں غزالہ بات کر رہی ہوں۔'' عمر نے لڑکیوں والی آواز بنا کر کہا۔

''ارے بیٹی کیسی ہو۔ مدت ہوئی تم نے کبھی ادھر کا چکر نہیں لگایا۔''

''انکل جی..... مصروفیت ہی ایسی ہوگئی تھی کہ.....''

''اچھا بیٹی..... تم ہولڈ کرو میں عالیہ کو بلاتا ہوں۔''

عمر کا دل زور سے دھڑکنے لگا..... واہ شکل کی طرح نام بھی پیارا ہے..... عالیہ ..... میرے دل کی ملکہ عالیہ..... تھینکس گاڈ..... کم سے کم نام تو پتہ چل گیا ہے ناں..... دوسری طرف سے عالیہ نے ''ہیلو'' کہا تو عمر ایک دم گھبرا گیا..... لیکن اگلے ہی لمحے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''ہائے..... عالیہ..... کیسی ہو یار؟''

''ارے غزالہ کی بچی کہاں رہیں اتنا عرصہ تم؟ اور اب تمہیں کیسے میری یاد آگئی؟''

عالیہ گلے شکوے کرنے لگی اور نقلی غزالہ جواب میں اپنی مصروفیات کا رونا رو رہی تھی۔ ''ویسے یار اتنے طویل عرصے کے بعد تمہاری آواز سن رہی ہوں۔ جو کافی بدلی بدلی سی لگ رہی ہے۔''

''ہاں..... دراصل کل میں نے بینگن کا بھرتہ کھانے کے بعد اورنج جوس پی لیا تھا۔ جس سے گلا خراب ہوگیا ہے۔''

''تم اور بینگن..... ارے تم تو اس سبزی کے نام سے ہی دور بھاگتی تھیں۔'' عالیہ حیران ہو رہی تھی۔

باپ رے باپ مارے گئے۔ وہ کیا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی پسند و ناپسند بدلتی رہتی ہے ناں اور تم سناؤ آنٹی کیسی ہیں؟''

''کون آنٹی.....؟''

''عالیہ ڈیئر! میں تمہاری امی کا پوچھ رہی ہوں۔''

''غزالہ! لگتا ہے تمہاری یادداشت کمزور ہوگئی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میری امی سات سال قبل فوت ہوگئی

میں اور ابو نے مجھے......"

"اوہ! عالیہ آئی ایم ویری سوری...... میں واقعی بھول گئی تھی۔"

"خیر تم اپنی سناؤ...... تمہارے "وہ" کیسے ہیں؟ سچ غزالہ تم دلہن کے روپ میں قیامت ڈھا رہی تھیں۔"

"وہ...... وہ کیسے ہیں؟ ...... کیا بتاؤں وہ گنجے ہیں...... وقت نے مجھ سے یادداشت اور ان سے بال چھین لیے ہیں۔"

اس کے جواب پر عالیہ دل کھول کر ہنسی...... اور بولی...... "اچھا یہ بتاؤ بچے کتنے ہیں تمہارے؟"

"ساڑھے آٹھ"

"کیا......؟"

دراصل میری نظریں سامنے لگے وال کلاک پر تھیں...... اس لیے ٹائم بتا دیا...... ویسے یہ وقت منے کے فیڈر کا ہوتا ہے...... اچھا میں پھر تمہیں فون کردوں گی...... اللہ حافظ۔"

"سنو...... سنو...... اپنا فون نمبر تو مجھے لکھادو۔" عالیہ نے فون نمبر کی بات کی تو...... تو...... تو عمر نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"ارے ہاں وہ ہتھنی کیسی ہے...... اس سے کوئی رابطہ ہے یا نہیں؟"

"غزالہ...... ہمارے گروپ کی تیسری لڑکی نازلی تھی...... ہتھنی نہیں۔"

وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اس کے تکے قریب قریب نشانے پر لگ رہے ہیں...... "سنو غزالہ...... اس عید پر تم میرے گھر ضرور آنا...... نازلی بھی آئے گی۔ میں تمہیں خوب گوشت کے تکے اور کباب کھلاؤں گی۔"

"ضرور آؤں گی...... اب میں چلتی ہوں۔ منا رو رہا ہے...... بائے۔" اور کھٹاک سے فون بند کردیا...... رات بھر عمر کو نیند نہ آئی۔ اگلے روز وہ صبح اسد کے دفتر جا پہنچا۔

"آج عاشق حسین...... کو ہماری یاد کیسے آ گئی۔"

اسد اسے دیکھ کر بولا۔

جواب میں عمر نے اسے پوری روداد سنا دی۔

"کیا تم واقعی اس لڑکی کے لیے سیریس ہو؟" اسد نے پوچھا۔

"آف کورس یار!" عمر سنجیدگی سے بولا۔

تو پھر ٹھیک ہے میں کل ہی لڑکی کے باپ سے بات کرتا ہوں۔ باقی کے معاملات تمہارے والدین طے کر لیں گے۔ لیکن ایک اہم بات...... تمہیں عالیہ کو حاصل کرنے کے لیے ایک امتحان سے بھی گزرنا ہوگا۔ اگر تم کامیاب ہوگئے تو سمجھو عالیہ تمہاری......"

"اسد! تم اس لڑکی اور اس کے باپ کو جانتے ہو مگر کیسے؟ اور ابھی تک تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں......؟"

"اب بتا دیتا ہوں کہ...... وہ میرے ہی محلّہ میں رہتی ہے...... اس کا باپ قصائی اور غصے کا بہت تیز ہے...... پورا محلّہ اس سے ڈرتا ہے...... مگر بیٹی سے بہت محبت کرتا ہے۔ تمہیں میں نے پہلے اس لیے نہیں بتایا تاکہ تم عشق کی راہ میں ٹھوکریں کھا کر کندن بن جاؤ کیا سمجھے؟"

"یار تم واقعی اچھے دوست ہو۔"

"تمہیں اب پتہ چلا ہے......؟"

"اگر تم میرا یہ کام کرا دو ناں اسد...... تو میں تمہارا احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا...... مگر اسد یار! اس کے باپ سے مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ یار یہ قصائی بڑے بے رحم ہوتے ہیں۔" عمر نے خدشہ ظاہر کیا۔

"تم نے شادی عالیہ کے ساتھ کرنی ہے یا اس کے باپ سے کرنی ہے۔" اسد نے طنز کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم مجھے امتحان کی نوعیت بتاؤ...... عالیہ کو پانے کے لیے میں ایک نہیں ہزاروں امتحانوں سے گزرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اصل میں عالیہ کا باپ عجیب قسم کا آدمی ہے۔

عالیہ کے لیے جو بھی رشتہ آتا ہے وہ لڑکے سے الٹے سیدھے سوال کرتا ہے۔ آج تک کوئی بھی امیدوار اس کے معیار کا انٹرویو نہیں دے سکا۔ لیکن اس انٹرویو سے بڑھ کر اس کی شرط ہے کہ لڑکا قصائی کا کام کرے یا نہ کرے۔ اسے کم از کم بکرا ذبح کرنا آتا ہو۔ اس آخری شرط پر کوئی پورا نہیں اترتا..... اسی لیے ابھی تک عالیہ کی شادی نہیں ہوسکی..... اگر تم ہمت کرو اور حاضر دماغی سے کام لو اور اس کے باپ کو رام کرلو تو سمجھو تمہارا آدھا کام ہوگیا۔''

☆☆☆

اگلے دن عمر بج سنور کر اسد کے گھر چلا گیا اور پھر اسے ساتھ لے کر عالیہ کے گھر چلا آیا..... ملازم نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہی تھا کہ اتفاق سے عالیہ بھی ادھر آ گئی اور بولی۔

''آپ..... کون ہیں؟''

''جج جی..... میں عمر ہوں۔'' گھبراہٹ کے مارے اس کا برا حال تھا۔

''اور یہ اسد ہیں میرے دوست''

''لگتا ہے آپ نے پہلے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔'' عالیہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''آپ نے خوابوں میں دیکھا ہوگا۔'' عمر چہکتے ہوئے بولا۔

''نہیں جی..... مجھے خواب نہیں آتے۔''

''کیوں..... کیا آپ پر پابندی لگی ہوئی ہے؟''

''خیر یہ بتایئے آپ یہاں کس سلسلہ میں تشریف لائے ہیں؟''

کوہ ہمالیہ کے سلسلے میں..... وہ میرا مطلب ہے۔ میں جس سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔ اسے سر کرنا ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کو سر کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔''

''تو گویا آپ.....'' وہ شرما کر بولی۔

''جی ہاں..... کیا آپ ہماری کامیابی کے لیے دعا کریں گی؟''

''وہ آنکھوں سے اقرار کا پیغام سنا کر چلی گئی۔ تقریباً دس منٹ بعد عالیہ کا والد گاموقصائی کمرے میں داخل ہوا تو وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے اس کی لمبی مونچھوں اور ٹنڈ شدہ سر کو دیکھا تو خوفزدہ ہوگئے۔

''برخوردار بیٹھو..... تم میں سے کون میری بیٹی سے شادی کا خواہش مند ہے؟'' وہ رعب دار آواز میں بولا۔

اسد نے..... عمر کی طرف اشارہ کر کے کہا..... ''یہ میرا دوست عمر ہے یہ عالیہ سے شادی کا خواہش مند ہے۔''

''نہیں جی..... خواہش مند تو وہ ہوتا ہے جسے اپنی خواہش مکمل ہونے کا پورا یقین ہو..... میں تو آپ کے گھر ایک درخواست گزار کی حیثیت سے آیا ہوں۔ آپ چاہیں تو میری جھولی خوشیوں سے بھر سکتے ہیں۔ چاہیں تو خالی دامن اور خالی ہاتھ لوٹا دیں۔'' عمر نے ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''تم کرتے کیا ہو.....؟'' عالیہ کے باپ نے پوچھا۔

''اللہ اللہ کرتا ہوں جی.....'' عمر انکساری سے بولا۔

''خوب..... آج کل تو کم لوگ ہی اللہ کی یاد کے لیے وقت نکالتے ہیں۔''

''جی وہ..... ایک سٹیشنری کی دکان پر کام کرتا ہوں۔ سرکاری نوکری کے لیے درخواست دی ہوئی ہے امید ہے مل جائے گی۔''

''چھوڑو نوکری کے چکر کو..... کوئی کاروبار کرو..... یہی منڈی سے بکرے خریدنے اور فروخت کرنے کا..... فائدہ میں رہو گے۔'' گاموقصائی اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''یہ تو بتاؤ..... مصیبت کی گھڑی میں کیا کرنا چاہیے؟''

''چپ چاپ کمرے میں ایک طرف چادر اوڑھ کر

سوجانا چاہیے۔''

''واہ کیا کہنے.....'' اچھا یہ بتاؤ بچت کیسے کی جاتی ہے؟''

''جی بچت اور کفایت شعاری کے بغیر تو زندگی کی ریل گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔''

''بہت خوب..... ایک اور سوال..... فرض کرو تمہارے گھر کچھ مہمان آگئے ہیں..... ان کو سرو کرنے کے لیے تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے تو تم کیا کرو گے؟''

''جی میں انہیں چٹپٹی باتوں کے کٹلس اور چپس پیش کروں گا۔ اور خیالی پلاؤ پکا کر کھلاؤں گا۔''

''بہت اچھے پچھلے امیدوار نے کہا تھا.....'' میں انہیں بھوکا پیاسا ہی روانہ کروں گا۔'' عمر تم واقعی ذہین ہو۔ تم نے آدھا امتحان پاس کیا ہے۔ مگر اب اصل امتحان باقی ہے..... جس میں سارے سابقہ امیدوار فیل ہوئے ہیں..... تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ہم خاندانی قصائی ہیں۔ ہمارا یہ پیشہ نسل در نسل چلتا آرہا ہے۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ ایک بیٹی ہے اور یہی میری وارث ہے۔ اسی لیے لاڈلی ہے۔ میں داماد اس شخص کو بناؤں گا جو یہ قصائی والا پیشہ اختیار کرے۔ تاکہ میرا خاندانی سلسلہ چلتا رہے۔ دو ماہ بعد بکرا عید ہے میں تمہیں دو ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصہ میں تم قصائی کا کام سیکھ لو۔ عید پر تم نے ایک ہی گھر میں چار بکرے ذبح کرنے ہوں گے (شیخ صاحب ہر سال یہ کام مجھ سے کرواتے ہیں) اگر تم نے ایک دن میں چار بکرے ذبح کر لیے تو میں تمہاری شادی عالیہ سے کردوں گا۔''

کوئی مشکل نہیں..... میں تمہیں فضل خان قصائی بکرا منڈی والے کے پاس بھیج رہا ہوں..... وہ میرا شاگرد ہے۔ وہ تمہیں اس کام میں ماہر کردے گا۔''

''جی بہتر.....'' عمر نے سر جھکا کر کہا..... اور وہاں سے نکل آیا۔

☆☆☆

عمر نے فضل خان قصائی کے پاس دو ماہ لگائے۔ مگر وہ پچیس فیصد ہی کام سیکھ سکا۔ بھلا یہ کام اس کے بس کا کیسے ہوسکتا تھا..... اس نے دو ماہ گزارنے تھے۔ وہ گزار کر وہ گاموقصائی کے پاس آ گیا..... دو دن بعد قربانی کی عید تھی۔ گامو نے عمر کو شیخ صاحب کے گھر بھیج دیا کہ ان کے چاروں جانور ذبح کر کے اور گوشت بنا کر آؤ..... عمر نے اپنے اوزار اٹھائے اور شیخ صاحب کے گھر جا پہنچا..... اس بار شیخ صاحب نے تین بکرے اور ایک بیل کی قربانی دینی تھی۔ انہوں نے عمر سے کہا کہ وہ پہلے بیل ذبح کرے..... بکرے بعد میں کرے۔ عمر نے انہیں بہت قائل کیا کہ پہلے بکرے ذبح کرتے ہیں۔ مگر وہ نہ مانے..... مجبوراً عمر بیل کی طرف بڑھا..... جب بیل کو نیچے زمین پر گرایا گیا اور عمر چھری چلانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی ذرا سی ڈھیل اور دیر کر دینے سے بیل زور لگا کر اٹھ کھڑا ہوا..... اور وہاں سے بھاگ اٹھا۔ سب لوگ اس کے پیچھے دوڑے مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ شیخ صاحب نے عمر کی خوب کلاس لی اور پھر گاموکو فون کر کے خوب برا بھلا کہا کہ اس نے ایک اناڑی کو کیوں ان کے گھر بھیجا ہے..... انہوں نے دھمکی دی کہ اگر میرا بیل مجھے نہ ملا تو میں اس کی قیمت تم سے وصول کروں گا۔

شیخ صاحب کے غصہ کا سارا نزلہ عمر پر آن گرا..... گامو نے عمر کو نہ صرف برا بھلا کہا۔ بلکہ اس کو دو تھپڑ بھی جڑ دیئے۔

عمر رونے لگا اور کہنے لگا..... ''میرے ہونے والے سسر جی! مجھے معاف کردیں۔''

مگر گاموقصائی نہ مانا اور کہنے لگا۔ ''تم نکمے شخص ہو۔ تم عمر بھر قصائی نہیں بن سکتے۔ نہ بنو مگر اب عالیہ کو بھول جاؤ۔''

عمر بہت رویا..... گڑگڑایا..... معافیاں مانگیں مگر گامو کا دل نرم نہ ہوا..... اس نے عالیہ کی خوشیوں کی پروا نہ کی اور عمر کو خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ عمر کی عید بھی خراب ہوگئی۔

وہ روتا دھوتا اسد کے پاس آیا اور اس کو ساری بات بتائی کہ میں نے تو بکرا ذبح کرنا سیکھا تھا۔ مگر شیخ نے بیل ذبح کرنے کو کہا..... جو میرے بس میں نہ تھا۔ وہ بیل بھاگ گیا ہے..... اب اسے تلاش کرنا ہے..... تم میرے ساتھ چلو اور مدد کرو..... ورنہ میرا ہونے والے سسر مطلب کہ گاموقصائی مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔

اسد نے اس معاملہ میں بھی دوستی نبھائی اور اپنی عید کا مزا بھی خراب کر کے اس کے ہمراہ بیل کی تلاش میں نکل گیا۔ دونوں شام تک خوار ہوتے رہے۔ بالآخر شام ڈھلے ان کو شیخ صاحب کا بیل مل گیا۔ تو عمر کی جان چھوٹی۔ اس نے سکھ کا سانس لیا۔ مگر وہ عالیہ کو نہ بھلا سکا۔

عید گزرنے کے دو دن بعد وہ اور اسد..... فضل خان قصائی کے پاس گئے اور اسے سارا ماجرا کہہ سنایا..... اسد نے اسے بتایا کہ عمر اور عالیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے آپ گاموکو جا کر سمجھائیں اور منائیں کہ وہ مان جائے اور ہیر اور رانجھے کے عشق میں کیدو نہ بنے۔

☆☆☆

جب فضل خان نے گاموکو بتایا کہ عمر اور عالیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ تو وہ کسی حد تک راضی ہو گیا..... مگر اس نے یہ شرط رکھی کہ عمر..... قصائی والا کام ہی کرے گا۔ مرے گھر میں رہے گا اور میرے ساتھ میری دکان پر بیٹھا کرے گا۔

عمر نے آئیڈیل پانے کی خاطر گاموقصائی کی یہ شرط منظور کر لی اور خوشی خوشی گھر لوٹ آیا اور باقی معاملات طے کرنے کے لیے اپنے والدین کو عالیہ کے گھر بھیج دیا..... یوں تمام معاملات طے پا گئے۔

عالیہ دلہن بن کر عمر کے گھر پہنچ گئی..... عمر نے گھونگھٹ اٹھا کر دیکھا تو بے اختیار بولا۔

''کیا ''عید کارڈ والا چہرہ ہے''..... پھر دونوں کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ پھر عمر نے عالیہ کو منہ دکھائی والا تحفہ دیا۔ جو بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیک کیا گیا تھا۔

عالیہ نے بڑے پیار سے گفٹ پیک کھولا تو اس میں سے ایک شٹل کاک برقعہ نکلا۔

''یہ..... کیا یہ میرے لیے ہے؟''

''نہیں اپنے لیے لایا ہوں..... دیکھو عالیہ..... تم میں میرے آئیڈیل والی ہر بات ہے۔ سوائے میرے سے پردے کے..... اگر تم''

''ٹھیک ہے سرتاج..... ! پر آپ میری بھی ایک شرط سن لیں۔''

''ارشاد.....'' عمر سر جھکا کر بولا۔

''آپ بھی اپنی نظروں کو سات پردوں میں رکھیں گے اور کسی بھی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے۔''

''کیا سر اٹھا کر دیکھنے کی اجازت مل سکتی ہے؟''

''اوں..... ہوں..... بالکل نہیں۔''

''بیگم صاحبہ! آپ کا حکم ٹالنے کی ہم جرأت ہی نہیں کر سکتے..... یہ لیجئے ایک اور تحفہ.....''

عالیہ نے لفافہ کھلا تو اس میں سے سات روپے نکلے۔

یہ وہی سات روپے ہیں جو آپ نے ایک سو بیس روپے والے کارڈ پر مجھے دیئے تھے اور یہ رہا آپ کا اصلی گفٹ..... سرخ مخملی ڈبیہ میں سونے کی انگوٹھی..... جس پر ڈبل..... ''ع'' لکھا ہوا تھا..... عالیہ نے وہ انگوٹھی شرماتے ہوئے پہن لی۔

☆☆☆

شادی ہوئے صرف ایک ہفتہ ہی گزرا تھا..... عمر کا شادی والا لباس اور پینٹ شرٹس سب اتر گئے تھے۔ اور وہ اپنے سسر کی گوشت کی دکان پر بیٹھا تھا..... اس نے دھوتی اور قمیص پہن رکھی تھی۔ سر پر صافہ تھا۔ ہاتھ میں ٹوکا اور چھری تھی..... اور وہ گنگنا رہا تھا۔

عشق سچا ہے تو پھر وعدہ نبھانا ہو گا
مجھ کو جانا ہو گا، مجھ کو جانا ہو گا

☆☆☆

پتھر کی مورت

ڈاکٹر طارق محمود آکاش

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے
نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا
کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک جذباتی تحریر

اس اجنبی شہر میں یہ پتھر کہاں سے آیا محسن
لوگوں کی اس بھیڑ میں کوئی اپنا ضرور ہے

ہیلو شیری بیٹا..... کیسے ہو پاپا کی جان.....؟
جی پاپا میں بالکل ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں.....
بیٹا جب آپ ٹھیک ہیں تو آپ کے پاپا بھی ٹھیک ..... بیٹا میری خوشیاں تو تم سے شروع ہوتی ہیں اور ان کا محور تمہاری ذات ہی ہوتی ہے۔ تمہارے علاوہ میرا اور کون ہے.....
او کم آن پاپا..... آپ ریلیکس رہا کریں..... اور مجھے پتہ ہے آپ نے کیوں کال کی ہے.....
اچھا جی..... آپ کو کیسے پتہ چلا.....
پاپا میں آپ کا نمبر موبائل پہ دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ نے مجھے یاد دلانے کے لیے فون کیا ہے کہ کل

31 اگست ہے۔ ٹائم پہ گھر آ جانا تو پاپا اب آپ کا شہر یار ماشاء اللہ سے بیس برس کا ہو چکا ہے اور میں اس تاریخ کو بھلا کیسے بھلا سکتا ہوں۔

او کے مائی چائلڈ..... میں انتظار کروں گا۔

او کے پاپا میں انشاء اللہ کالج سے چھٹی کے بعد سیدھا گھر ہی آؤں گا۔

☆☆☆

آج 31 اگست تھا۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ولید نے اپنی شادی کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کا اہتمام کیا تھا۔ گو کہ اس کی بیوی کو بچھڑے اٹھارہ برس بیت چکے تھے۔ مگر اسے اپنی زندگی کا خوبصورت دن آج بھی یاد تھا۔ ماریہ کے ساتھ گزرے لمحات اسے ہر لمحہ یاد آتے۔ مگر آج شہر یار نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنی کہانی اسے ضرور سنائے گا کہ آخر ماما کہاں چلی گئی۔ کیونکہ وہ جب پوچھتا کہ اس کی ماں اگر اس دنیا میں نہیں ہے کہ تو کم از کم پاپا بتا ہی دیں مگر وہ کہتا۔ نہیں بیٹا تمہاری ماں زندہ ہے۔

ولید نے آج اپنے بیٹے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے اپنی کہانی ضرور سنائے گا۔ دونوں باپ بیٹا اور گھر کا بوڑھا ملازم انور بابا نے پہلے گھر کو سجایا پھر مل کر کیک کاٹا۔ انور بابا کو وہ گھر کا فرد ہی سمجھتے تھے۔ وہ ایک عرصہ سے گھر کی دیکھ بھال کرتا اور کھانا وغیرہ بناتا تھا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد شہر یار نے پاپا کو بٹھا لیا.....

ولید صوفے پہ بیٹھ گیا جب کہ شیری نیچے قالین پر بیٹھ کر پاپا کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

ولید اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ رحمت بی بی اور ریاض احمد نے اپنے بیٹے کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ گاؤں میں رہنے کے باوجود انہوں نے شہر اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجا۔ گاؤں میں بہترین خوبصورت مکان تھا۔ سارے گاؤں والے بہت عزت کرتے۔

عیدالاضحیٰ کی چھٹیاں تھیں ولید گھر پہ ہی تھا۔ عید کا تیسرا روز تھا وہ چھت پر موسم انجوائے کر رہا تھا۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے۔ پورا مہینہ تو شدید گرمی میں گزرا تھا مگر عید کے تینوں دن موسم بہت اعلیٰ تھا۔

ولید کی نظر سامنے والے گھر کے صحن پر پڑی۔ جہاں بڑی ریل پیل دکھائی دے رہی تھی۔ لگتا تھا مہمانوں کا پورا ٹرک آیا ہوا ہے۔

ولید کی نظر پنک کلر کے لباس میں گھر کی ایک لڑکی پر پڑی۔ جو سب سے الگ تھلگ نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے سکارف سے اپنے چہرے اور بالوں کو ڈھانپا ہوا تھا۔ جبکہ باقی تمام لڑکیاں دوپٹوں سے بے نیاز صحن میں اچھل کود میں مصروف تھیں۔

چونکہ گاؤں کا ماحول ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ تمام لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ہر آئے گئے کا خیال رکھتے ہیں۔ اس لیے اس گھر سے چچی خالدہ نے آواز دے دی۔ ولید پتر نیچے آ جاؤ شہر سے مہمان آئے ہوئے ہیں۔

ولید نے اچھا کہا اور ان کے گھر چلا گیا۔

ولید نے سلام کیا تو سب نے بڑی گرم جوشی سے جواب دیا۔

گلابی سوٹ والی لڑکی اپنے مخصوص انداز میں بیٹھی تھی جبکہ باقی سب لوگ ہلہ گلہ کرنے میں مگن تھے۔

وارث چچا اور خالدہ چچی نے بتایا کہ یہ ہمارے رشتے دار ہیں اور پہلی مرتبہ گاؤں دیکھنے کے شوق میں ساری لڑکیاں صرف ایک دن کے لیے ہی آئی ہیں۔ کیونکہ سکول اور کالجز میں چھٹیاں بھی اپنے اختتام کو پہنچنے والی ہیں۔

خالدہ اور وارث کی بھی تین بیٹیاں ہی تھیں اور جو لوگ آئے تھے ان کی بھی بڑی تین بیٹیاں اور چھوٹے دو بیٹے تھے۔ اس لیے وارث چچا نے ولید کی ڈیوٹی لگائی

م لڑکیوں کے ساتھ جاؤ اور انہیں گاؤں بھر کی سیر
ؤ۔ موسم بھی بہت اچھا ہے۔ تب تک کھانا وغیرہ
ہو جائے گا۔ پھر سب مل کر کھانا کھائیں گے اور ولید
ان کو جامن ضرور اتار کے کھلانا کیونکہ آج کل جامن
موسم ہے اور جامن کے بہت سے درخت ڈیرے پر
ہیں۔

چچا وارث کا اپنا ڈیرہ تھا۔ تھوڑی سی زمین تھی جس
کاشت کاری کرتے تھے۔ آج کل دھان کی فصل
کر فارغ ہوئے تھے۔

ایک بھینس ڈیرے پر بندھی ہوئی تھی۔ جس کا
گھر بھر کے لیے کافی تھا۔ ولید سب لڑکیوں کو لے
گاؤں کی تنگ گلیوں سے گزرتا ہوا چچا وارث کے
ے پر جا پہنچا۔ رستے میں بہت سے لوگ انہیں دیکھ
ے تھے۔ کچھ لوگ لڑکیوں کی ڈریسنگ کو دیکھ رہے
اور ایسا گاؤں میں عموماً ہوتا ہی ہے۔

ولید کی توجہ کا مرکز پنک لباس والی لڑکی تھی جس کا
ام بعد میں ماریہ معلوم ہوا تھا۔ ماریہ اپنے والدین کی
ب سے بڑی بیٹی تھی۔ میٹرک کے بعد گھر میں ہی
ائی۔ سلائی کا شوق تھا اور فارغ اوقات میں ڈائجسٹ
یرہ پڑھتی تھی۔ لمبے بال، پیازی رنگت، تیکھے نقوش
الی ماریہ ولید کو بے حد اچھی لگی۔

ماریہ سے چھوٹی سائرہ اور سب سے چھوٹی نائلہ
ی۔ سائرہ اور نائلہ بہت شوخ طبیعت کی مالک تھیں۔
نوں خوب انجوائے کر رہی تھیں جبکہ ولید جامن اتار کر
ماریہ کو دے رہا تھا اور ماریہ جھجکتے انداز میں لے کر کھا
ہی تھی۔

ماریہ نے تو کچھ نہ پوچھا......شاید اسے کم بولنے کی
عادت تھی۔ مگر ولید نے خود ہی بتایا کہ وہ بی کام کر رہا
ہے اور شہر میں رہتا ہے۔ کبھی ہفتہ بعد اور کبھی پندرہ دن
بعد گھر آتا ہے۔

جی اچھی بات ہے......کے علاوہ وہ کچھ نہ بولی۔

عید الاضحیٰ

عید الفطر کے رخصت ہوتے ہی بچے عید الاضحیٰ کا بے تابی سے انتظار کرنے لگتے ہیں۔ ان دونوں میں وقفہ بھی مختصر ہوتا ہے ناں۔ بقر عید کے موقع پر بھی بچے خوب تیاریاں کرتے ہیں، نئے کپڑے خریدنا، عید کے دن سیرو تفریح اور دوستوں سے ملنے کے پروگرام بنانا، بچیاں تو بہت شوق سے چوڑیاں اور دیگر جیولری خریدتی ہیں۔ اس عید پر جو نئی بات ہوتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ بچوں کا ایک نیا ساتھی ان کے ساتھ ہوتا ہے یعنی بکرا یا دنبہ وغیرہ......قربانی سے پہلے بچے قربانی کے جانور کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتے ہیں۔ اسے کھلاتے پلاتے ہیں سیر کے لئے لے جاتے ہیں۔ لیکن کچھ بچے اس معصوم جانور کے ساتھ بہت برا سلوک بھی کرتے ہیں۔ مثلاً اس کے کان یا سینگ کھینچنا، اسے دھکا دینا، زبردستی کھینچنا، اس کے اوپر بیٹھ جانا وغیرہ، یہ بہت غلط بات ہے۔ پیارے بچو! جانور بے زبان ہوتے ہیں ہمیں ان پر سختی نہیں کرنی چاہیے۔ خاص طور پر قربانی کے جانور کا تو بہت خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی قربانی سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ بھی جانوروں پر رحم فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ جانوروں پر رحم کیا کریں اور انہیں کسی طرح کی تکلیف نہ دیں۔

(انتخاب: عائشہ خانم، اوکاڑہ)

دو گھنٹے سے زائد ہو چکا تھا۔ چار بجے سے اوپر ٹائم ہونے کو تھا۔ موسم پہلے سے گہرا ہوا چلا تھا۔

چچا وارث ڈیرے کی طرف آ رہے تھے انہوں نے آتے ہی سب بچیوں سے پوچھا بھئی کیسا لگا ہمارا گاؤں۔ تو سائرہ اور نائلہ نے ونڈرفل ..... ونڈرفل کہہ دیا جبکہ چچا ماریہ سے پوچھ رہے تھے تو اس نے ماشاء اللہ بہت پیارا ہے آپ کا گاؤں اور بہت اچھے ہیں آپ کے گاؤں کے لوگ۔

ایک لمحے کو ولید کو لگا کہ شاید ماریہ کو اس کا ساتھ آنا اچھا لگا ہے۔

☆☆☆

چچا وارث بھینس کا دودھ دھونے لگا اور بچیوں سے بولا بیٹا آپ جلدی جلدی انجوائے کر لو بارش آنے والی ہے۔ تب تک میں دودھ دھو لیتا ہوں۔ پھر بھینس کو اندر باندھ کر اکٹھے گھر چلتے ہیں۔ شام ہونے سے پہلے خوب بارش ہونے کا امکان ہے۔

☆☆☆

شام سے ذرا پہلے وہ سب لوگ انجوائے کرتے جامن اور امرود کھاتے واپس پلٹے۔

گھر آ کر ولید نے گھر جانے کی اجازت چاہی مگر وارث چچا نے روک لیا کہ بیٹا کھانا کھا کر جانا۔ تو اس نے کہا نہیں چچا امی ابو پریشان ہو رہے ہوں گے۔ کیونکہ میں ان کو بنا بتائے چلا آیا تھا۔

اتنے میں خالدہ بولی بیٹا تم تسلی سے بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔ میں نے بہن رحمت سے کہہ دیا تھا کہ ولید بیٹا ہمارے ہاں ہی ہے۔

ارے نہیں چچی آپ مہمانوں کو کھانا دیجئے۔ میں پھر آ جاؤں گا۔ ایسے اچھا نہیں لگتا۔ تو وہ وارث اور خالدہ کے روکنے کے باوجود بھی اپنے گھر چلا گیا۔ اتنے میں بارش شروع ہو چکی تھی۔

اس نے اماں ابا کو سلام کیا اور انہیں بتایا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ ابا امی بولے کوئی بات نہیں بیٹا وہ لوگ شہر سے آئے تھے اور ہمیں چاہیے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں کہ وہ لوگ شہر جا کر ہمیشہ گاؤں والوں کی مہمان نوازی یاد رکھیں۔ میں تو تمہارے ابا کو کہہ رہی تھی کہ کل کو ان لوگوں کو گھر دعوت پہ بلاتے ہیں۔

ارے بھئی مہمان تو خدا کی رحمت ہوتے ہیں اور ہماری بیگم صاحبہ تو خود رحمت ہیں۔ ابا نے فوراً جواب دیا تو ولید نے بتایا کہ وہ لوگ تو کل واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ریاض احمد بولے اری نیک بخت تم جاؤ اور انہیں جا کر کل کی دعوت دے آؤ تاکہ وہ لوگ ذہنی طور پر رات کو فریش ہو کر سوئیں کہ کل کا دن انہوں نے گاؤں میں رکنا ہے۔

ہلکی بارش میں بھی رحمت بی بی ولید کو ساتھ لے کر اسی وقت ان کے گھر گئی اور ان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی سب کو اور ساتھ وارث چچا اور خالدہ چچی فیملی کو بھی اگلے روز گھر آنے کی دعوت دے ڈالی۔

☆☆☆

ولید اپنی آنکھوں میں سپنے سجائے پوری رات سوچتا رہا کہ کاش ماریہ ہمیشہ کے لیے اس کے گھر آ جائے۔

رات کے پچھلے پہر جا کر اس کی آنکھ لگی۔ وہ صبح جب اٹھا تو آنکھیں بوجھل تھیں۔ مگر جسم میں نئی طاقت تھی کہ آج ماریہ اس کے گھر آنے والی ہے۔

ریاض احمد نے بہت سی چیزیں لا کر اپنی بیوی کو دے دیں تھیں۔ کسٹرڈ تو صبح ہی اس نے بنا کر رکھ دیا تھا۔

دوپہر کو وہ سب لوگ گھر میں داخل ہوئے۔ ولید بہت خوش تھا۔ آج ماریہ نے ہلکا گرین کلر کا ڈریس پہنا ہوا تھا۔ چہرے پہ ہلکے میک اپ میں وہ اپنی دونوں شوخ چنچل بہنوں سے کہیں خوبصورت لگ رہی تھی۔

ریاض اور رحمت نے سب کو ویلکم کیا۔

ان لوگوں کا پروگرام تھا کہ شام تک واپسی کے لیے نکل آئیں گے۔ مگر سب لوگ کھانے کے بعد باتوں میں ایسے مگن ہوئے کہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ کب شام ہو گئی۔ بچے بھی بے حد خوش تھے۔

آج شام بھی ولید سب بچیوں کے ہمراہ سیر کرنے کو گیا۔ ولید ان لمحوں کو اپنی زندگی کے قیمتی لمحے تصور کر رہا تھا۔ رات کے کھانے اور چائے کے دور چلنے کے بعد سب لوگ وارث اور خالدہ کے ہمراہ ان کے گھر جا کر سوئے اور صبح سب سے ملنے کے بعد ناشتہ کر کے وہ لوگ شہر روانہ ہو گئے۔

پھر اس سے اگلے روز ولید بھی شہر پڑھنے کے لیے چلا گیا۔ مگر اسے ہر لمحہ، ہر پل ماریہ کی یاد آتی۔ وہ اکثر سوچا کرتا کہ پتہ نہیں ماریہ بھی اسے یاد کرتی ہو گی یا نہیں۔

☆☆☆

ایک سال گزر گیا۔ ولید کا بی کام مکمل ہوا تو اسے ایک بینک میں کیشیئر کی جاب آفر ہوئی۔ تو اس نے جاب شروع کر دی۔

ریاض اور رحمت نے ایک روز بیٹے سے بات کی کہ بیٹا تم ہماری اکلوتی اولاد ہو۔ ہم اپنے آنگن میں بچوں کو کھیلتا دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اگر ہو سکے تو ہماری زندگی میں یہ خواہش پوری کر دو۔

ولید نے بنا تاخیر کیے دوٹوک بات کی کہ وہ ماریہ کو پسند کرتا ہے اور اسی سے شادی کا خواہش مند ہے۔ اگر ہو سکے تو چچا وارث سے ان کے گھر کا پتہ لے کر رشتہ مانگیے۔

ریاض اور رحمت کے ذہن میں یہ بات بالکل نہ تھی مگر بیٹے کے کہنے پہ وہ دونوں خوش ہو گئے کیونکہ انہیں بھی جب ماریہ ان کے گھر آئی تھی بہت اچھی لگی تھی۔ مگر آگے کا کچھ پتہ نہ تھا کہ ماریہ کا کہیں رشتہ ہو ہی نہ چکا ہو۔

نابینا

محکمہ پولیس میں بھرتی ہو رہی تھی۔ ایک نابینا بھی وہاں جا پہنچا اور پولیس انسپکٹر سے کہنے لگا: ''جناب! مجھے بھی بھرتی کر لیں۔''

انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔ ''مگر کس لیے؟''

نابینا: ''جناب اندھا دھند فائرنگ کرنے کے لیے۔''

(پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

بہر حال انہوں نے بیٹے کی خوشی کی خاطر اگلے روز وارث اور خالدہ سے بات کی تو انہوں نے بولا کہ ولید بہت اچھا لڑکا ہے اور ماریہ بھی ماشاء اللہ سے بہت سگھڑ لڑکی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں خوشی ہو گی۔

رحمت بی بی نے کہا کہ پھر کل کا پروگرام رکھ لیتے ہیں آپ لوگ ہمارے ساتھ چلیے اور ہم مل کر بات کر لیتے ہیں۔ اگر خدا کو یہ رشتہ منظور ہوا تو بہت اچھا ہے اور اگر نہ بھی ہوا تو ہمیں کوئی گلہ نہ ہو گا۔

☆☆☆

ماریہ کی منگنی اس کے خالہ زاد سے ہو چکی تھی۔ ماریہ اور اس کی ماں اس رشتے سے خوش تھیں مگر وحید صاحب اس رشتے کے خلاف تھے۔ کیونکہ زاہد ایک نمبر کا آوارہ گرد لڑکا تھا اور وحید صاحب جانتے تھے کہ ایسے لڑکے گھر ٹھیک طرح سے نہیں چلا سکتے۔

جب وارث اور خالدہ کے ساتھ ریاض اور رحمت کو دیکھا تو وحید صاحب بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے آؤ بھگت کی۔ رحمت نے آج ماریہ کو ٹھیک طرح سے دیکھا تو اسے ماریہ بہت پسند آئی۔

شام کے کھانے کے بعد جب وارث نے بات شروع کی تو وحید صاحب نے بنا سوچے سمجھے رشتہ قبول کر لیا جبکہ ماریہ اور اس کی ماں شائستہ بیگم سراپا احتجاج

بن گئیں۔ مگر وحید صاحب نے کہا کہ مجھے نا صرف یہ رشتہ قبول ہے بلکہ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ جب چاہیں شادی کی تاریخ لے سکتے ہیں۔

رحمت بی بی بہت خوش ہوئیں اور اگلے روز وہ لوگ ہنسی خوشی کچھ دن بعد باقاعدہ منگنی کا کہہ کر واپس لوٹ آئے۔

☆☆☆

ولید جہاں بہت خوش ہوا وہاں ماریہ اور شائستہ اس فیصلہ سے ناخوش تھیں۔ مگر وحید صاحب کے فیصلے کے آگے کسی کو بولنے کی جرأت اور ہمت نہ ہوئی۔

ایک ماہ بعد ماریہ دلہن بن کر ولید کے گھر آ گئی۔ ولید کو اس کی محبت مل جانے کی خوشی تھی جبکہ ماریہ کو منگنی ٹوٹ جانے کا دکھ.....

مگر اس نے ماں باپ کی عزت کی خاطر احتجاج نہ کیا اور پیار کا ناٹک کر کے ہی سہی مگر اس نے ولید کو قبول کر لیا تھا۔

ریاض احمد اور رحمت بی بی اپنے اکلوتے بیٹے اور بہو کی خوشی کا خیال رکھتے اور ماریہ کو بیٹیوں سے زیادہ محبت دی۔

ولید 10 دن کی چھٹی پر تھا۔ ان دس دنوں میں اس نے ماریہ کو مری، ناران وغیرہ کی سیر کروائی۔ ریاض اور رحمت بہت خوش تھے۔

ماریہ کے دل سے زاہد والی بات نہ نکلتی تھی مگر اس نے کبھی ظاہر نہ کیا تھا اور پھر خدا نے ان کو اپنی نعمت سے نوازا شہر یار گھر بھر کی آنکھ کا تارا تھا۔ دادی دادا کو تو کھلونا مل گیا تھا۔ شہر یار زیادہ تر دادی کے پاس ہی رہتا۔ ولید کو آج تک کبھی ایسا محسوس تک نہ ہوا تھا کہ ماریہ اس سے خوش نہیں۔

شادی کی پہلی سالگرہ پر ولید نے ماریہ کو کنگن گفٹ کیا۔ مگر ماریہ کے چہرے کے تاثرات میں ذرا تبدیلی نہ آئی۔

شہر یار کے سوا ماہ کے ہو جانے کے بعد شائستہ آئی اور ماریہ اس کے ساتھ پندرہ دن کے لیے میکے آ گئی۔

وہاں آ کر اس نے ایک دفعہ بھی ولید یا گھر پہ فون نہ کیا۔ رحمت بی بی روزانہ شیری کا پوچھنے کے لیے فون کرتی تو شائستہ روکھے انداز میں بول دیتی کہ ٹھیک ہے اور جب ولید کہتا کہ ماریہ سے بات کروائیں تو کبھی واش روم اور کبھی کسی سہیلی کے پاس بیٹھے ہونے کا بہانہ سنایا جاتا۔ زاہد اکثر ماریہ سے ملنے آتا۔ مگر اس بات کا ماں بیٹی خیال رکھتے کہ ابا کے ہوتے وہ نہ آئے۔

☆☆☆

پندرہ روز کے بعد جب ولید نے کہا کہ ماریہ کو بولیں میں کل لینے کے لیے آ رہا ہوں۔ تو شائستہ بیگم بولی کہ ابھی کچھ دن وہ یہیں رہے گی اور فون بند کر دیا۔

اگلے روز جب اس نے دوبارہ فون کیا تو بھی ماریہ سے اس کی بات نہ ہو سکی۔ شائستہ بیگم نے کہا کہ ماریہ کو بخار ہے اس لیے ابھی وہ اسے لیئے نہ آئے۔ جب وہ ٹھیک ہو جائے گی تو وہ خود اسے چھوڑ جائے گی۔

ولید کو تشویش ہوئی کہ نجانے کیا بات ہے جو ماریہ بات نہیں کر رہی کہیں خدانخواستہ اس کی طبیعت زیادہ خراب تو نہیں۔

وہ فوراً گھر گیا اور امی ابو کی اجازت سے سسرال آ گیا۔ آتے ہوئے اس نے بہت سا فروٹ اور مٹھائی خریدی اور بہت خوشی سے گھر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ صحن میں شہر یار چارپائی پہ پڑا رو رہا ہے جبکہ ساس صاحبہ دور بیٹھی سبزی کاٹ رہی ہیں اور ساتھ ساتھ آواز لگا رہی ہیں چپ کر جا..... تم نے تو کان کھا لیے۔ جس دن سے اس گھر میں آئے ہو۔ ایک لمحہ بھی خاموش نہیں گزرا ہر ٹائم روتے رہتے ہو۔ جاؤ دفع ہو جاؤ اپنے کم بخت باپ کے گھر.....

ولید کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کی سمجھ میں بالکل کچھ نہ آیا کہ آخر ماجرہ کیا ہے..... اور یہ ماریہ

کہاں ہے، اس کا لاڈلہ بیٹا رو رہا ہے اور ماں نجانے کہاں غائب ہے۔

اسی پریشانی اور سوچ میں اس کے ہاتھ سے مٹھائی اور فروٹ والا شاپر گر پڑا تو اس کی آواز سے شائستہ بیگم کے ہوش اڑ گئے تو وہ چاپلوسی کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ آؤ آؤ ولید بیٹا آؤ.....

بیٹھو ارے تم تو اچانک ہی آ گئے۔ بیٹا فون ہی کر لیا ہوتا۔

فون کر کے آتا تو شاید وہ سب نہ سن پاتا جو تھوڑی دیر پہلے میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا ہے۔

آپ ذرا یہ تو بتائیں کہ ماریہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو کون سے ہسپتال میں داخل ہے وہ۔ تاکہ میں اس کا پتہ کر لوں کیونکہ اگر وہ گھر میں ہوتی تو شہر یار کے اتنے رونے کے بعد اسے ضرور اٹھاتی۔

تب تک شائستہ اسے اٹھا چکی تھیں اور شاید ماریہ کے کانوں میں ولید کی آواز آ گئی تھی اس لیے وہ کمرے سے باہر نکلی مگر وہ اکیلی نہ تھی بلکہ زاہد بھی گھر پہ تھا اور ماریہ کے ساتھ ہی کمرے سے نکلا تھا۔

ولید کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ جب اس نے ماریہ کو فل میک اپ اور تیاری میں دیکھا جبکہ اس نے کبھی اتنا تیار ہوئے گھر میں ماریہ کو نہ دیکھا تھا۔

اچھا تو یہ ہے طبیعت کی خرابی۔

مجھ سے تو جس دن سے آئی ہو بات کرنا بھی مناسب نہ سمجھا اور یہاں رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں۔ اب تم خود ہی بتا دو کہ کیا ارادے ہیں اور تم کیا چاہتی ہو۔

ماریہ نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ اس نے شادی صرف ابا کے کہنے کے باعث کی تھی۔ اسے ولید میں نہ پہلے دلچسپی تھی نہ آج ہے اور نہ ہی آئندہ ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ خلع چاہتی ہے۔ شہر یار تمہارا بیٹا ہے۔ اسے تم ابھی یہاں سے لے جا سکتے ہو۔ اسے ولید سے وابستہ کسی بھی چیز سے قطعاً دلچسپی نہیں ہے اور یہ کہ وہ زاہد سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

ولید کے ساتھ ساتھ وحید صاحب بھی سب باتیں سن چکے تھے۔ وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئے تھے۔ انہیں اپنی بیٹی کے منہ سے ایسی باتیں سن کر جھٹکا لگا اور ہارٹ اٹیک ہونے سے وہ انتقال کر گئے۔ ولید نے اپنے معصوم بیٹے کو اٹھایا اور واپس گھر آ گیا۔

☆☆☆

رحمت بی بی نے اپنے پوتے کو آغوش میں لے لیا، ماں کا لمس ملا تو شہر یار چپ ہو گیا۔ ولید کو بہت دکھ پہنچا کہ اس کی محبت تو پاکیزہ تھی پھر اس میں ملاوٹ کا عنصر کہاں سے آ گیا۔ اسے ماریہ کی پہلی جھلک دیکھنا اور پھر اس کے ساتھ کھیتوں میں گزرے لمحات ہر وقت یاد آتے اور اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے بیٹے کی پرورش اچھے طریقے سے کرے گا اور دوسری شادی کبھی نہ کرے گا۔ اسے اپنی محبت کو زندہ رکھنا تھا۔ اس طرح وقت گزرتا رہا۔ ہر سال وہ اپنی شادی کی سالگرہ اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر مناتا اور اپنی محبت کو یاد کر کے روتا۔

☆☆☆

جب شہر یار پانچ سال کا ہوا تو رحمت بی اور 7 سال کی عمر ہوئی تو ریاض احمد اسے تنہا چھوڑ گئے۔

اس نے بینک کی جاب کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ روزانہ اسے ساتھ لے جاتا اور شہر میں اچھے سکول میں پڑھاتا اور شام کو ساتھ ہی واپس لے آتا۔

ماں باپ جب حیات تھے تو انہوں نے شادی کا بہت کہا مگر اس نے اس ٹاپک کو ہی کلوز کر دیا ہوا تھا۔

اب ماشاء اللہ سے شیری 20 سال کا ہو چکا تھا اور شہر میں پڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے پاپا سے ساری باتیں سن کر بہت افسردہ تھا۔ اس کی نظر میں اس کے پاپا کے کردار

میں ذرا بھی کھوٹ نہ تھی۔ پہلے اس کا من کرتا تھا کہ کاش زندگی میں کبھی ماں سے ملاقات ہو جائے مگر اب اس نے یہ بات ذہن سے نکال دی تھی۔

☆☆☆

موسم نہایت خوشگوار تھا۔ دونوں باپ بیٹا لان میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے تو ولید نے نہایت پیار سے بولا کہ بیٹا ابھی بے شک تم پڑھ رہے ہو مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔

اس گھر میں بھی خوشیاں آئیں۔ رونق ہو، جب سے اماں ابا کا انتقال ہوا ہے میں بہت تنہا ہو گیا ہوں۔

بابا میں ابھی شادی کی بات تو نہیں کرنا چاہتا مگر بابا مجھے اپنی کلاس فیلو زرینہ بہت پسند ہے۔ بابا وہ ایک مظلوم لڑکی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ اسے ایک دفعہ مل لیں تو ہوسکتا ہے وہ آپ کو پسند آ جائے۔ اور بابا پھر آپ کا جو فیصلہ ہو گا وہ مجھے قبول ہو گا ورنہ جو آپ کی پسند ہو گی وہ آپ کے بیٹے کے لیے قابل قبول ہو گی۔

☆☆☆

ٹھیک ہے بیٹا تم جب کہو میں اس کے گھر جانے کے لیے تیار ہوں۔ تم زرینہ بیٹی سے بات کر لو پھر مجھے بتانا۔

پھر اگلے روز جب وہ کالج پہنچا تو زرینہ اس کی منتظر تھی۔ اس نے آتے ہی بتایا کہ آج پھر بابا نے امی کو بہت مارا اور ماما کو بچاتے ہوئے مجھے بھی ڈنڈا لگ گیا تھا۔ جب زرینہ نے نقاب ہٹایا تو اس کے سر پہ کافی چوٹ آئی ہوئی تھی۔ شہریار نے بہت پریشان ہو کر اسے بابا کے ساتھ ہونے والی بات بتائی تو زرینہ نے کہا کہ شیری مجھے اس بات سے ذرا انکار نہیں۔ تم جب چاہو بابا کو بھیج دو۔ میں تو خود تم سے دور رہ کر خود کو تنہا محسوس کرتی ہوں۔

مگر مجھے اماں کی بہت فکر ہے اور پھر ایک نشئی کا کیا بھروسہ کہ وہ گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسا ویسا نہ کر دے کہ تمہارے بابا غلط تاثر لے کر واپس چلے جائیں اور ہم دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے دور ہو جائیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ وقت کا انتظار کیا جائے۔

☆☆☆

پھر اگلے تین دن تک زرینہ کالج نہ آ سکی۔ شہریار نے بہت انتظار کیا اور اگلے روز وہ زرینہ کے محلے میں گیا تو پتہ چلا کہ زرینہ کے باپ نے اس کی ماں کے اوپر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگا دی ہے۔

وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔ شہریار فوراً گھر آیا اور بابا کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور بابا کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچا تو زرینہ کو ہسپتال سے باہر سٹور سے دوائیں لیتے ہوئے ملی۔

شیری نے بابا کو زرینہ سے ملوایا اور پھر خود دوائیاں خرید کر وارڈ میں داخل ہوئے تو ایک لمحے میں بابا ماضی میں چلے گئے..... ان کا دل اچھل کر باہر آ گیا..... قدم پتھر کے ہو گئے..... سانس رک گئی..... وقت ٹھہر گیا.....

بیڈ پر نیم مردہ حالت میں کوئی اور نہیں اس کی محبت..... ماریہ پڑی تھی۔ ماریہ کی کھلی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

جبکہ شہریار بابا..... بابا پکار رہا تھا مگر..... بابا کو کچھ ہوش نہ تھا..... زرینہ اور شہریار کچھ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ آخر کیا معاملہ ہے۔ ولید کو اپنی محبت کی جھلک دِکھ جانے کی خوشی تھی یا اپنے بیٹے سے محبت چھن جانے کا دکھ..... کیونکہ اگر زرینہ ماریہ کی بیٹی تھی تو پھر وہ شیری کی دلہن کیسے بن سکتی تھی۔

وہ پتھر کی مورت بنا سوچ رہا تھا جبکہ زرینہ اور شہریار حیرانگی کی تصویر بنے ماریہ کو دیکھ رہے تھے۔ جس کے دونوں ہاتھ جڑے نا جانے کس سے معافی کے طلب گار تھے۔

☆☆☆

محبت کا جانشین

مجید احمد جائی

پیارے وطن کی حفاظت کے لیے سرحدوں پر
مامور نوجوان جب جام شہادت نوش فرماتے ہیں
تو ان کی ماؤں اور بیویوں کے سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں!

وطن کی محبت پر قربان ہونے والے نوجوان کی غمناک داستان

وقت نے بدل دیا ہے بہت لوگوں کا معیار ورنہ
ہم بھی وہ لوگ تھے جو دلوں میں بسا کرتے تھے

جب تم مسکراتی ہو ایسے لگتا ہے جیسے گلشن میں گلاب کھلے ہوں، جب لب کھلتے ہیں تو اندر سے سفید کرنیں پھوٹتی نظر آتی ہیں، دانت ایسے چمکتے ہیں جیسے نیلے آسمان پر ستارے جگمگا رہے ہوتے ہیں۔

احمد نے اپنی بیوی کے لبوں کو اپنی لمبی لمبی انگلیوں سے چھوتے ہوئے کہا۔

یہ سب تمہاری قربتیں ہیں، آپ کو پاکر تمام خوبیاں پالی ہیں۔ آپ کا پیار جو ملا تو میں اور حسین ہو گئی، مسکراہٹ خود دوڑی چلی آئی اور یہ بہاریں، یہ رونقیں، یہ خوشیاں سب تمہاری ہی وجہ سے ہیں۔ کائنات کا ہر ذرہ محبت کے وجود سے ہے، محبت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

احمد لفظوں کے تانے بانے جانتا تھا تو اُس کی بیوی ایمان بھی کم نہیں تھی۔ دونوں پڑھے لکھے تھے اور شعور کی

تمام حدیں جانتے تھے۔

احمد چھٹیاں گزارنے آیا تو دونوں میاں بیوی اپنی کمرے میں بیڈ پر لیٹے محبت بھری باتیں کر رہے تھے۔

احمد شرارتی طبیعت کا تھا، ماحول کو منٹ میں بدل دیتا تھا، اگر محفل میں اُداسی چھائی ہے تو ایسی بات کرتا کہ سب بے اختیار ہنس پڑتے اور کہیں خوشیوں کے شامیانے سجے ہوتے تو ایسی حرکت کرتا کہ سبھی کے چہرے مرجھائے ہوئے آم کی طرح لٹک جاتے۔ اب بھی باتوں باتوں میں احمد نے ایمان کو چھیڑتے ہوئے ایسا کچھ کہا کہ ایمان محبت کے مکے برسانے لگی۔ احمد مکے کھاتا جاتا اور ہنستا جاتا تھا۔

میاں بیوی کا رشتہ کتنا انمول ہوتا ہے۔ دونوں میں محبت رہے تو گھر گلشن بن جاتا ہے اور اگر ان دونوں میں محبت کا کوئی دُشمن آن ٹپکے تو یہی گھر اجڑ کر ویران کھنڈر بن جاتے ہیں۔ معاشرے میں ایسے ایسے فساد جنم لیتے ہیں جن کے خمیازے کئی نسلیں بھگتی ہیں۔

احمد اور ایمان کو ایک ہوئے لگ بھگ چھ سال گزر چکے تھے۔ دونوں میں محبت روز اول کی طرح قائم و دائم تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دونوں پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے تھے۔ زمانہ کے اتار چڑھاؤ سے خوب واقف تھے۔ چھ سالوں میں ایک دن، ایک پل ایسا نہیں آیا تھا جب اِن دونوں میں ناراضگی کی فضا پیدا ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اب تک اولاد سے نہیں نوازہ تھا۔ رب کی رضا میں راضی تھے ورنہ اہل محلّہ کی عورتوں نے ایمان کے کان بھرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی۔ ایمان ہمت ہار جاتی تو گھر کا سکون برباد ہو جاتا۔ ایمان کب چاہتی تھی کہ جنت کو جہنم بنایا جائے۔ احمد کا بھی یہی حال تھا، کئی دوست دوسری شادی کا مشورہ دیتے تو کئی یہاں تک آفر دیتے کہ دوسری شادی کا خرچ ہم ادا کریں گے۔ لیکن احمد، ایمان کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے سب کی سن تو لیتا تھا لیکن کرتا اپنے من کی تھا۔

احمد اور ایمان نے اپنے طور پر کئی ڈاکٹروں کے چکر لگائے تھے۔ چند ایک پیروں کے پاس بھی گئے لیکن ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر تھک ہار کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اب اتنی دولت کے مالک تو تھے نہیں کہ ہرایرے غیرے ڈاکٹر پر لوٹائے جاتے۔ اب سفید لباس میں ملبوس کالی بھیڑیں زیادہ وارد ہو گئیں ہیں اس لیے مسیحا کم اور شیطان زیادہ ہو گئے ہیں۔

جس کے گھر میں روٹی مشکل سے پکتی ہو وہ بھاری فیسیں کیسے ادا کرے اور تو اور لمبی لمبی ٹیسٹوں کی فہرستیں انسان کا دماغ خراب ہی تو کر دیتی ہیں۔ احمد اور ایمان نے ایک دوسرے پر اعتبار کیا اور رب کی رضا میں راضی ہو گئے۔ خلاف توقع دونوں میں پیار بھی بہت تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے تھے۔ دونوں کی مٹی زرخیز تھی۔ کیا ہوا اگر اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دولت سے نہیں نوازہ تھا۔ وہ توکل پر جیتے تھے ورنہ ایسا کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے کہ اتنے عرصے میں میاں بیوی میں فساد نہ ہوا ہو، کہیں قیدو اٹڈ آتا ہے تو کہیں دولت، لالچ کی ہوس۔

☆☆☆☆

احمد اور ایمان ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ ایمان ہاسٹل میں رہتی تھی اور احمد اپنے گھر سے یونیورسٹی جاتا تھا۔ دونوں کا آمنا سامنا ایک تقریری مقابلے کے پروگرام میں ہوا۔ احمد اپنے گروپ کا لیڈر تھا اور ایمان تقریر کا فن جانتی تھی اور کئی ایوارڈ جیت چکی تھی۔ احمد کو پوری اُمید تھی کہ اُس کا گروپ جیتے گا وہ خود بھی اچھی تقریر کرتا تھا۔

جب پروگرام شروع ہوا تو فی میل کی طرف سے ایمان تقریر سنانے کے لئے مائیک کے سامنے آئی۔ اُدھر ایمان نے مائیک سنبھالا اور اِدھر احمد نے دِل پر ہاتھ رکھ لیا۔ احمد دیدے پھاڑے ایمان کو دیکھنے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا جب احمد کسی لڑکی کو اس طرح دیکھ رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ کوئی لڑکی احمد کو اچھی نہیں لگی تھی بلکہ احمد نے کسی کو لفٹ ہی نہیں کرائی تھی۔ آج جب ایمان کو دیکھا تو اُس کا ایمان خراب ہونے لگا۔ اُس کی رگ رگ میں ایمان سما گئی۔ احمد، ایمان میں کھو گیا۔ ایمان کے لب و لہجے اور انداز بیان میں ایسی شیریں تھیں کہ دشمن بھی زیر ہونے لگے۔

ایمان کب کا مائیک چھوڑ کر جا چکی تھی، احمد اُسی کے خیالوں میں گم تھا۔ پھر یہ مقابلہ آخر اختتام پذیر ہوا اور مقابلہ کا رزلٹ الاؤنس کیا گیا تو ایمان اول انعام جیت چکی تھی۔ احمد بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے دل کھول کر داد دی۔ احمد آج پہلی بار دوسرے نمبر پر آیا تھا۔ وگرنہ ہر مقابلہ میں اول پوزیشن اُسی کی ہوتی۔ اُس دن سے احمد ہارتا ہی چلا گیا۔ پہلے مقابلہ ہارا پھر دل ہارا اور اپنا آپ ایمان کے آگے ہار گیا۔

اُس دن کے بعد دونوں ایک ساتھ دِکھنے لگے۔ ان دونوں کو ایک کرنے کا سہرا ہانیہ کے سر جاتا ہے۔ ہانیہ شرارتی اور شوخ چنچل والی لڑکی تھی۔ وہ محبت میں گھٹ گھٹ کر مرنے کو بیوقوفانہ عمل قرار دیتی تھی۔ خود تو محبت ہار چکی تھی بلکہ وہ ہار کر بھی جیت گئی تھی۔ جو مزہ محبت میں ہارنے کا ہے وہ محبت میں جیتنے کا نہیں ہے۔ وہ محبت کا ماتم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس لئے اُس نے اپنی محبت کا ماتم نہیں کیا تھا بلکہ لبوں پر مسکراہٹ سجالی تھی اور یہی مسکراہٹ دوسروں کو خوش کرنے کا مقصد بن گئی۔ تب سے ہانیہ دوسروں میں مسکراہٹ کا سبب بنتی ہے۔ دو دلوں کو جوڑنے کا فریضہ ادا کرتی ہے۔

دُنیا میں ایسے بہت سے لوگ مل جاتے ہیں جو دوسروں کے لئے جیتے ہیں۔ اپنی زندگی بھول کر دوسروں کی زندگیوں میں رنگ بھر دیتے ہیں۔ یہی لوگ عظیم ہوتے ہیں۔ انہی لوگوں کے دم سے دُنیا آباد ہے۔ ہانیہ اِنہی لوگوں میں سے تھی۔

ہمارا معاشرے آج کل کی محبت خاص کر یونیورسٹی کی محبت کو نہیں مانتا، اسے اہمیت نہیں دیتا۔ ایسی محبت پر ہزاروں پہرے دار بیٹھا دیئے جاتے ہیں۔ راہوں میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں محبت کا کوئی وقت، کوئی مقام نہیں ہوتا۔ اس کی کوئی ذات، کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔ محبت بس محبت ہوتی ہے جس کی کرنیں دِل کے خانوں سے پھوٹتی ہیں۔ محبت پاکیزہ جذبہ ہے، محبت میں پاکیزگی ہو تو اس جیسی عظیم کوئی شئے نہیں۔ محبت تو جینا سکھاتی ہے، برداشت کرنا، مقابلہ کرنا، حالات سے مقابلہ کرنا سکھاتی ہے۔ یہ رونقیں، یہ شوخیاں، یہ آبشاریں، پربت، گاتی فاختائیں محبت سے ہیں۔ محبت کا وجود نہ ہوتا تو کسی کا وجود نہ ہوتا۔ جس دن محبت اس جہاں سے اُٹھ جائے گی یہ دُنیا نہیں رہے گی، ویران کھنڈر، چٹیل میدان بن جائے گی۔

احمد اور ایمان کی محبت بے مثال تھی۔ نظروں میں سپنے تھے تو دلوں میں ارمانوں کی دُنیا آباد تھی۔ جس دن دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ لیتے اُن کا دن نہ چڑھتا تھا۔ دونوں ناشتہ اکٹھا کرتے تھے۔ ایمان ہاسٹل سے یونیورسٹی جلدی آجاتی اور احمد بھی گھر سے امی کے ہاتھ کے آلو کے پراٹھے بنوا کر آجاتا۔ دونوں کینٹین پر بیٹھ جاتے اور چائے کے ساتھ آلو والے پراٹھوں کا لطف لیتے۔ نظریں دیدار کی پیاس بجھاتیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں کی اسکرین میں مستقبل کے پلان چلنے لگتے۔ عہد و پیمان ہوتے۔ ساتھ جینے مرنے کے وعدے۔ ایک دوسرے کے لئے جی جان سے قربان ہونے کی باتیں ہوتی۔

ایمان! ایک دن آئے گا تم اپنے بچوں کے لئے آلو والے پراٹھے بناؤں گی اور میں ان کو اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گا۔

شیخ چیلی۔۔۔۔۔

ایمان، احمد کے جملے میں جواباً کہتی اور دونوں کے

قہقہے فضا میں بلند ہونے لگتے۔ دونوں ہنستے تو کہکشاں کا سماں پیدا ہوجاتا۔ دونوں کو اکٹھا دیکھ کر فضائیں رقص کرتی تھیں تو حاسدین نفرتوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر خود اپنا خون کرتے تھے۔

☆☆☆☆

احمد نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا تھا۔ ابھی وہ چھ ماہ کا بھی نہیں تھا کہ اُس کا باپ ایک محاذ پر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اُس کی ماں نے اُسے پالا پوسا تھا۔ اُس کی ماں کو ابھی تک وہ الفاظ یاد تھے جو احمد کی پیدائش پر اُس کے باپ نے کہے تھے۔ ''میرا بیٹا اُس دھرتی کا محافظ بنے گا اور دُشمن کو منہ توڑ جواب دے گا۔''

وہ الفاظ احمد کی ماں کے لئے یادیں بن گئی تھیں۔ وہ گھڑیاں، وہ سہانے پل پھر کبھی نہیں آئے تھے۔

ایک دن احمد، ایمان کو اپنے گھر لے آیا۔ احمد کی بوڑھی ماں اُس خوبصورت چہرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ وہ تھی بھی حسین۔ سڈول جسم، نین نقش سندر تھے۔ سرد علاقے سے تھی، اُس کے مزاج بھی ٹھنڈے تھے۔ رنگت دودھیا تھی۔ آنکھوں میں حیا تھی اور لبوں پر مسکراہٹ کے پھول سجے رہتے تھے۔ غصہ آتا نہیں تھا اور مایوس کبھی ہوئی نہیں تھی۔ پہلی ہی نظر میں احمد کی ماں کے دِل میں جگہ بنا گئی۔

ماں! اس مہ جبیں کو تیری بہو بنانا چاہتا ہوں۔

ماں صدقے واری..... میں قربان۔

ماں نے احمد کی پسند سن کر جی و جان سے اقرار کیا اور دُعائیں دینے لگی۔ احمد ہی تو اُس کی کل کائنات تھی۔ دونوں ماں، بیٹے ایک دوسرے کی زندگی کو دھکیل رہے تھے۔

اُدھر ایمان مشرقی حیاء کی چادر میں ڈوبی شرماتی جارہی تھی۔ احمد کی ماں نے سلائی کرتے کرتے احمد کو جوان کیا تھا۔ اب احمد اُس کا سہارا بنا ہوا تھا۔ شعور کی سیڑھیاں عبور کرنے لگا تو پڑھائی کے ساتھ ساتھ اس نے پارٹ ٹائم سیل مین کی جاب ڈھونڈ لی تھی۔ کم خرچ تھا، جو کمیشن بنتا، اس سے پڑھائی کے اخراجات بھی پورے ہو جاتے اور گھر کا چولہا بھی خوب جلتا۔ احمد محنتی تھا اور لگن سے کام کرتا تھا۔

احمد نے ایمان کو اپنے بارے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔ دھوکہ دینا اُس کی فطرت میں نہیں تھا۔ وہ چٹان جیسا مضبوط مرد تھا۔ اُس کے حوصلے بلند تھے۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب احمد، ایمان کی رضامندی کے ساتھ اپنی امی کو لے کر رشتہ لینے ایمان کے گھر پہنچ گیا۔ دو، تین ملاقاتوں میں ایمان کے گھر والے رشتہ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ یوں ایمان، احمد کی دُلہن بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس کے آنگن کو رونق بخشنے آ گئی۔

☆☆☆☆

زندگی نے رُخ بدلا اور ذمہ دارنہ زندگی شروع ہو گئی۔ ایمان گھر کے کاموں میں جتی رہتی اور احمد دن بھر شہر شہر گھوم کر کام کرتا رہتا۔ اس دوران کچھ عرصہ گزر گیا اور ایک دن ایک اخبار میں احمد نے آرمی جاب کا اشتہار دیکھا اور بسم اللہ کر کے اپنے ڈاکومنٹ جمع کرا دیئے۔ جو اُس نے پہلے سے تیار کر رکھے تھے۔

وہ دن خوشیوں بھرا تھا جب احمد کو آرمی کی طرف سے جاب لیٹر ملا۔ وہ سلیکٹ ہو گیا تھا۔ وہ لیٹر ہاتھوں میں تھامے اُچھلتا کودتا گھر پہنچا۔ ایماں کو بانہوں میں لے لیا۔ خوشی سے دیوانگی چھائی تھی۔ پھر بوڑھی ماں کے پاس جا پہنچا، قدم بوسی کی اور ماں نے اپنے گود میں پنا دی۔ کتنے لمحے وہ ماں کی ٹھنڈی گود کے سرور میں پڑ رہا۔ ماں نے ماتھا چوما اور اس دوران اُس کی آنکھوں سے نمکین پانی کے قطرے ٹپکنے لگے۔

ماں۔۔۔۔ تو رو رہی ہے۔

احمد کے گالوں پر جب ماں کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو قطرے بن کر گرے تو وہ تڑپ اُٹھا۔

پاگل میں رو کب رہی ہوں میں تو خوشی سے نہال ہو گئی ہوں یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ اُمید کے آنسو، آج رب تعالیٰ نے امتحان میں سرخرو کیا۔ میرے رب نے مجھے سرخرو کیا۔ تیرے باپ کا قول پورا ہوا۔ میرے رب نے میری لاج رکھ لی۔

میرے باپ کا قول۔۔۔؟

وہ کیسے۔۔۔؟

تیرے باپ نے تیری پیدائش پر کہا تھا کہ میرا بیٹا اس دھرتی کی حفاظت کرنے والا بنے گا۔ اُس نے مجھے کہا تھا۔ گل بخت اِسے فوجی بنانا ہے۔ کیونکہ اِس کی رگوں میں ایک فوجی کا خون ہے۔ تیرے باپ کے وہ الفاظ آج حقیقت کا روپ لے چکے ہیں۔ اُن کا قول پورا ہوا۔ میرے بیٹے سر کٹا دینا، دُشمن کے آگے جھکنا نہیں۔

☆☆☆☆

احمد نے جلد ہی آرمی کی ڈیوٹی جوائن کر لی اور دن لمحہ لمحہ گردش کرتے چلے گئے۔ یوں شادی کو چھ سال گزر گئے۔ وہ ہر تین ماہ بعد گھر چھٹی پر آتا۔ جب گھر آتا تو خوب رونق ہو جاتی۔ آنگن میں بہار گیت گانے لگتی۔ درودیوار خوشی سے چہک اُٹھتے۔ چھ سال بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کے آنگن میں چاند سے بیٹے کی صورت نعمت عطا کر دی۔ جب احمد کے بیٹے کی پیدائش ہوئی تو وہ اگلے مورچوں پر اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اس بار وہ چھٹی پر نہ آ سکا تھا۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ دونوں طرف کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی تھی اور حکومت کے اعلیٰ لوگ اس صورت حال کا حل نکالنے کے لئے کانفرنس کر رہے تھے۔ جلد ہی خطرے کے منڈلاتے بادل چھٹ گئے اور احمد جب چھ ماہ بعد گھر آیا تو اُس کے بیٹے کی قلقاریاں صحن میں گونجتی تھیں۔ وہ اپنے منے کو دیکھ کر بچوں کی طرح اُچھل پڑا۔ جیسے بچے اپنا من پسند کھلونا پا کر خوشی سے اُچھلتے ہیں۔ حسین وجمیل بچہ اُس کی نظروں کے سامنے اُسے دیکھ رہا تھا۔ احمد جتنے دن گھر

مہکتی کلیاں

☆ آنکھیں دنیا کی تمام عجائبات کا نظارہ کرتی ہیں لیکن اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتیں۔

☆ جب تک آپ نسل انسانی کو جذبہ حب الوطنی سے نجات نہیں دلائیں گے امن کا خواب خواب ہی رہے گا۔

☆ اگر تم بیس برس میں خوبصورت نہیں تیس برس میں طاقت ور نہیں چالیس سال میں دانا نہیں اور پچاس برس کی عمر میں دولت مند نہیں تو کبھی خوبصورت، طاقت ور، دانا اور دولت مند ہونے کی امید نہ کرنا۔

☆ کتنے ایسے ہیں جو آنے والے دن کا انتظار کرتے رہتے ہیں مگر اس تک نہیں پہنچتے۔

☆ دنیا میں وہی لوگ سر بلند رہتے ہیں جو تکبر کے تاج کو دور پھینک دیتے ہیں۔

☆ اپنی نظر میں وسعت پیدا کرو زندگی آسان ہو جائے گی۔

☆ وقت کی مثال کارواں سی ہے اگر کوئی پیچھے رہ گیا تو بس رہ گیا۔

☆ معیار ان کے بدلتے ہیں جن کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔

☆ جاہل دماغ سے زیادہ زبان استعمال کرتے ہیں۔

☆ محبت میں مصائب اس لیے آتے ہیں تاکہ ہر شخص محبت کا دعویٰ نہ کر سکے۔

☆ دنیا کی مثال ایک سانپ کی سی ہے جو چھونے میں نرم معلوم ہوتی ہے مگر اس کے اندر زہر بھرا ہوتا ہے۔

☆ مصیبت بہترین کسوٹی ہے جس پر دوست یار پرکھے جاتے ہیں۔

☆ جو شخص وعدہ خلاف ہے وہ ساری قوم کے لیے وجہ شرمندگی ہے۔

☆ توکل کے معنی یہ نہیں کہ آدمی حصول معاش کے لیے سعی وتدبیر نہ کرے ایسا خیال جاہلانہ ہے۔

(مسز نگہت غفار، کراچی)

رہا دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے۔ گھر میں ایک کھلونا آ گیا تھا جو دادی، ماں اور باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ سبھی اُس پر جان وارتے تھے۔

احمد چھٹیاں گزار کر واپس ڈیوٹی پر جا چکا تھا۔ اب موبائل فون کا دور شروع ہو چکا تھا۔ روز ایمان سے بات ہوتی۔ بیٹے کی گوں گوں سنتا، مسکراتا اور اُس سرور میں گھنٹوں گزار دیتا۔ احمد اور ایمان نے منے کی پہلی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کا پلان تیار کرنا شروع کر دیا۔ حماد کی پہلی سالگرہ خوب دھوم دھام سے منائیں گے۔ خوب موج مستی ہوگی محفلیں جمے گی۔

تیاریاں ہونے لگیں۔ روز مشورے ہونے لگے۔ دادی ماں کا نیا سوٹ بنوا لیا گیا۔ ایمان نے ڈھیروں شاپنگ کر لی۔ حماد کے لئے قیمتی قیمتی تحائف خرید لئے گئے۔ ادھر ایمان نے گفٹ کے انبار لگا دیئے تو اُدھر احمد بھی اپنے طور پر تحائف جمع کر چکا تھا۔ احمد نے مقررہ تاریخ کی چھٹیاں منظور بھی کرالی تھیں۔ گھر کو محل کی طرح سجا دیا گیا۔ ہر طرح کی تیاریاں مکمل کر لی گئی اور اب بس اُس گھڑی کا انتظار تھا جس دن حماد کی سالگرہ تھی۔

احمد نے اپنے دوستوں کو اور ایمان نے اپنی بہنوں اور رشتے داروں کو دعوت نامے دے دیئے تھے۔ حماد کی نانی، نانا، خالائیں سب ہی پر تول رہے تھے۔ سب ہی اُس گھڑی کے لئے بے تاب تھے۔ خوشیوں کے سورج کو دیکھنے کی سب کی خواہش تھی۔ دادی ماں بھی بہت خوش تھی۔ ایک طرف پوتے کی سالگرہ کی خوشی تو دوسری طرف بیٹے کے گھر آنے کی خوشی سے اُس کی بوڑھی ہڈیاں اس احساس سے جوان ہوتی نظر آتی تھیں۔

احمد ریل گاڑی سے گھر کو آ رہا تھا۔ اسی رات احمد کی ماں تہجد کی نماز پڑھ کر ابھی مصلی پر بیٹھی تھی۔ ایمان بھی خوب بن ٹھن گئی تھی۔ آج احمد گھر پہنچنے والا تھا۔ ایمان کی بہنیں رات سے ادھر آئی تھیں۔ رات بھر سے اس آنگن میں خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔

سحر پھوٹی اور صبح کا سورج منحوس خبر لے کر صحن میں اُترا۔ احمد جس ریل گاڑی میں سوار تھا اُس کو حادثہ پیش آ گیا۔ ریل کی پٹڑی پر زور کا دھماکہ ہوا تھا اور پٹڑی کے پرخچے اڑ گئے، اُدھر سے ریل گاڑی اپنی رفتار سے منزل کی طرف گامزن تھی۔ دھماکہ اچانک ہوا تھا اور ریل گاڑی کا رکنا ممکن نہیں تھا۔

دُشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں، ریل کی بوگیاں خون سے لت پت تھیں۔ انسانی اعضاء جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ کہیں کسی کا ہاتھ تو کہیں کسی کا بازو پڑا تھا۔ ہر طرف چیخ و پکار تھی۔

جب لاشوں اور زخمیوں کو ریل کی بوگیوں سے نکالا جا رہا تھا تو احمد کی لاش ملی۔ جس کے دائیں ہاتھ میں کھلونوں کا پیکٹ تھا۔ آنکھیں کھلی تھیں۔ لب آدھ کھلے تھے جیسے کہہ رہا ہو، میں اپنے باپ کی خواہش پوری نہ کر سکا لیکن میرا بیٹا ضرور میری روح کو قرار بخشے گا۔ احمد کی لاش جب گھر پہنچی تو گھر میں کہرام مچ گیا۔ سالگرہ کی خوشیاں ماتم میں بدل گئیں اور ننھا حماد گم صم لوگوں کے ہجوم کو تکتا رہا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ تین دن اس ننھے بچے نے ماں کا دودھ تک نہ پیا۔ وہ بھی اپنے باپ کا سوگ منا رہا تھا۔

اس واقعے کو گزرے کئی سال بیت گئے ہیں۔ حماد کی سالگرہ اس سال کے بعد ہر سال منائی جاتی ہے۔ حماد کی دادی، احمد کی وفات کے ایک ماہ بعد اللہ کو پیاری ہو گئی۔ حماد اب فوج میں ہے اور باپ کی طرح چٹان سے مضبوط جسم کا مالک اور نڈر ہے۔ شہادت کا جذبہ لئے وہ دُشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اگلے مورچوں پر ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہے۔ پھر وہ اپنے وطن کی سالگرہ منائے گا۔ اُس دن ملک کے کونے کونے میں امن کی فاختہ گیت گاتی ہوں گی۔

☆☆☆☆

بڑی اماں

جویریہ ضیاء

ہمیشہ کی طرح آج بھی داؤد کی آنکھ بڑی اماں کی اۓ ہاۓ سے کھلی تھی اور ابا جان بھی ہمیشہ کی طرح انہیں ملیاں دینے میں مشغول تھے۔ ہم سب جانتے ہیں آج ل کے لڑکوں کو یہ سب نوکری نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ امارے زمانے میں تو جاہل سے جاہل آدمی بھی کماؤ ہوتا لما۔ صرف تیرے ہی بیٹے کو نوکری نہیں دیتا کوئی، بڑی اماں طنز کے تیر چھوڑ رہی تھیں۔

بڑی اماں، آج کل بہت مقابلہ بازی ہے اور جیسے ہے تو میری اور مجید کی کمائی سے گھر چل ہی رہا ہے، ابا نے اپنی طرف سے پھر تسلی دینے کی کوشش کی۔

ہاں تو کب تک ایسے چلے گا؟ جوان بیٹوں کا باپ ہے تو، اپنے بیٹوں کو بول پڑھائی وڑھائی چھوڑ کر کوئی کام کاج لے بارے میں سوچیں۔ بجلی، گیس کے بل دیکھے ہیں؟ تیرا اپ قبر سے آ کر تو نہیں بھرے گا ناں!

بڑی اماں کا رونا دھونا ہر صبح کی طرح جاری تھا۔ چاچی ایک کپ چائے دے دیں، مجھے انٹرویو کے لیے نکلنا ہے۔ داؤد فریش ہو کر نیچے آ چکا تھا۔

بیٹا تجھے برا نہیں لگتا؟ سکینہ کو واقعی بہت برا لگ رہا تھا۔

نہیں چاچی، اب تو بڑی اماں کا روز کا ہی معمول ہے۔ ہم نے تو بچپن سے پیسے کی ہاۓ ہاۓ سنی ہے۔ جب چچا یا ابا کی نوکری چھوٹ جاتی تھی تو بھی بڑی اماں اتنے ہی ہنگامے کرتی تھیں۔ ارے چاچی چاۓ تو دے دیں تا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے اس عذاب سے باہر نکلوں......

☆☆☆

حاجرہ خاتون کے دو بیٹے جاوید اور مجید تھے، شوہر کا جوانی میں انتقال ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے اپنے بیٹوں کو میٹرک پاس کروایا تھا۔ حاجرہ خاتون انتہائی بدمزاج، اکھڑ اور ضدی تھیں۔ جو بات بول دیتیں وہ بات پتھر کی لکیر ہو

جاتی۔ ان کے گھر کا ایک پتا بھی ان کی مرضی سے نہیں ہلتا تھا۔ صرف اپنے گھر میں ہی نہیں بلکہ محلے بھر میں بڑی اماں کے نام سے مشہور تھیں۔

اپنے بڑے بیٹے کے لیے صالحہ کو دلہن بنا کر گھر میں لے آئیں تو وہ بھی بیٹوں کی طرح اطاعت گزار نکلیں۔ صالحہ فطرتاً سادہ اور کم گو تھیں۔ انہیں حاجرہ خاتون کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے میں وقت نہیں لگا۔ اس کے دو سال بعد ہی سکینہ کو بھی مجید کی دلہن بنا کر لایا گیا۔ وہ بھی بڑی اماں کی قسمت سے انتہائی سلیقہ شعار اور سادہ طبیعت کی مالک نکلی۔

یوں بڑی اماں مزید بڑی ہوگئیں اور ان کے مزاج میں مزید سختی آ گئی۔ جاوید اور صالحہ کے دو بیٹے بڑا داؤد اور چھوٹا سعود جبکہ مجید اور سکینہ کی دو بیٹیاں حائقہ اور فاکہہ تھیں۔

فاکہہ گھر کی آخری اولاد ہونے کی وجہ سے بڑی اماں کی چہیتی تھی۔ باقی پوتا پوتی کی حیثیت بھی باقی لوگوں کی طرح تھی۔ نا جانے کیوں بڑی اماں فاکہہ پر مہربان رہتی تھیں۔ فاکہہ کے کھانے پینے کا، کپڑوں کا خاص خیال رکھا جاتا، اس کی پڑھائی سرکاری سکول کی جگہ پرائیویٹ سکول سے ہو رہی تھی۔ حائقہ اور سعود تقریباً ہم عمر تھے اس لیے ان دونوں میں بہت دوستی تھی۔ داؤد ریزرو طبیعت کا مالک تھا۔ اس لیے کسی سے زیادہ فرینک نہیں تھا۔ جبکہ فاکہہ ہمیشہ چہکتی، ہنستی، مسکراتی گھر میں ہنگامے کرتی رہتی تھی۔

آج تو مجھے نوکری مل ہی جانی چاہیے۔ آخر کب تک ابا، بڑی اماں کی باتیں سنیں گے؟ یہی سوچوں میں آج ایک بار پھر داؤد انٹرویو کے لیے پہنچا تھا۔

وہ بھاگتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا، ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ اور چہرے کی خوشی دیکھ کر سب سمجھ ہی گئے تھے کہ آج داؤد اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر لوٹا ہے.....

یہ لیں بڑی اماں مٹھائی کھائیں، مجھے بہت ہی اچھی جاب ملی ہے۔ بہت اچھی جگہ اور بہت اچھے لوگ ہیں۔ ترقی کے بھی بہت مواقع آئیں گے۔

ماشاء اللہ میرا بیٹا بڑا ہو گیا ہے، صالحہ بیٹے کی بلائیں لے رہی تھیں۔

ہوں! یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اگر یہ خود چاہتا تو سال دو سال پہلے سے ہی کماؤ ہوتا۔ خیر مبارک ہو تمہیں لڑکے۔ ایک بار پھر بڑی اماں کے طنز کا نشانہ بنا تھا۔ صرف داؤد ہی نہیں حائقہ اور سعود بھی مسلسل عتاب کا نشانہ بنے رہتے تھے.....

رات میں کھانے کے وقت سب داؤد کو مبارک باد دے رہے تھے۔ بہت ہی خوشی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ داؤد اب تو بھی اپنی ساری تنخواہ میرے ہاتھ میں لا کر رکھے گا ہر مہینے۔ تیرے باپ اور چچا کی طرح میں تیرا جیب خرچ دے دوں گی۔ بڑی اماں نے خلاف توقع کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ تو ہر کسی کی کمائی پر اپنا حق سمجھتی تھیں۔

لیکن بڑی اماں جس طرح تایا ابا اور ابا کی کمائی پر آپ کا حق تھا ویسے ہی بھیا کی کمائی پر تائی اماں کا حق نہیں ہونا چاہیے کیا؟ حائقہ کے اچانک سوال پر سب چونکے۔

گستاخ لڑکی تو میرے سامنے بکواس کرے گی؟ تیری ہمت کیسے ہوئی یہ سب کہنے کی؟ دیکھ سکینہ تو نے یہ تربیت کی ہے اپنی اولاد کی؟ دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے ہمیشہ کی طرح سکینہ کو تربیت کے طعنے ملنے شروع ہو گئے تھے۔

ہاں جا رہی ہوں میں بڑی اماں۔ لیکن کب تک آپ ہمیں قیدی بنا کر رکھیں گی؟ ہم بھی انسان ہیں ہمیں بھی کھلی فضاء میں جینے کا حق ہے۔ دیکھئے گا ایک دن آپ کا یہ غرور ضرور مٹی ہو گا۔ یہ کہہ کر حائقہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پیچھے سعود بھی آ گیا۔

کیا ہوا یار؟ تم ایسے کیوں بولتی ہو۔ آج ہمارے ماں باپ کو منہ کھولنے کا حق نہیں ہے۔ تو ہم کون ہوتے ہیں یار؟ مت کیا کرو تم، تمہیں پتا تو ہے کہ اب ساری باتیں چچا چچی کو سننی پڑیں گی۔ سعود اسے پھر حقیقت بتانا چاہ رہا تھا۔

یار سعود میں کیا کروں مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتا۔ کب تک ہم ایسے زندگی گزاریں گے؟ کل کو ہماری شادی ہوگی۔ کیا ہمارے بچے بھی یہی ماحول دیکھیں گے؟

نہیں یار پلیز میں نہیں دیکھ سکتی مزید یہ سب۔ وہ رو رہی تھی۔

ارے نہیں یار میں تمہیں شادی کر کے کہیں دور لے جاؤں گا۔ اب ٹھیک ہے؟ وہ شرارت سے بولا تو وہ ہنس دی۔

بچپن سے حائقہ اور سعود نے کوئی دوسرا دوست بنایا ہی نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی تھے۔ اور یہ دوستی وقت کے ساتھ ساتھ محبت میں بدل گئی تھی اور گھر والے کسی حد تک دونوں کے بارے میں جانتے تھے اور کسی کو کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ سب صحیح وقت کے انتظار میں تھے.....

☆☆☆

بڑی اماں آپ نے بلایا مجھے اور مجید کو؟ جاوید کمرے میں داخل ہوتے ہوئے گویا ہوا.....

ہاں! اپنی بیویوں کو بھی بلواؤ مجھے کوئی بہت ضروری فیصلہ سنانا ہے۔

ہائیں اب کیا فیصلہ، سب کچھ تو امن ہے گھر میں۔ صالحہ، سکینہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

دیکھ تم دونوں کی اولادیں جوان ہوگئیں ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگلے ہفتے داؤد اور حائقہ کا نکاح ہے اور جیسے ہی داؤد اس قابل ہو جائے گا کہ وہ رخصتی لے سکے ہم رخصتی کروا دیں گے۔

بڑی اماں فیصلہ سنا کر جانے کا اشارہ کر چکی تھیں۔

لیکن اماں ابھی تو حائقہ بہت چھوٹی ہے اور داؤد تو حائقہ، فاکہہ کو بالکل سگی بہنوں کی طرح سمجھتا ہے۔ وہ نہیں مانے گا اور حائقہ بھی نہیں مانے گی۔ بچوں کو تھوڑا سوچنے کا وقت مل جاتا تو یہ بہتر نہیں ہوتا؟ سکینہ ایک سانس میں بول رہی تھیں۔

دیکھو بی بی ہمارے خاندان میں بچوں کو سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں دیا جاتا۔ ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے بچے بڑوں کی بات پر لبیک کہتے ہیں۔ بڑی اماں کہاں ماننے والی تھیں۔

لیکن بڑی اماں سکینہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے حائقہ بالکل بھی نہیں مانے گی اور اس میں تو بچپنا بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس بار صالحہ نے بھتیجی کی حمایت کی تھی۔

ہم جو کہہ رہے ہیں وہی ہوگا اور اسی وقت ہوگا۔ اگر بچے نہیں مانتے تو ان سے کہہ دینا کہ میرے بیٹے ابھی بھی ان کی بیویوں کو طلاق دے سکتے ہیں۔ اب نکلو یہاں سے، جا کر تیاریاں کرو۔ اگلے اتوار کو ہی نکاح ہوگا۔

صالحہ اور سکینہ ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں۔

ارے ماں بالکل نہیں میں تو حائقہ کو چھوٹی بہن کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ میں اسے اپنی بیوی کیسے بنا سکتا ہوں اور کیا ہم سعود اور حائقہ کے جو ایک دوسرے کے لیے احساسات رکھتے ہیں ان سے واقف نہیں ہیں؟ ایسے کیسے میں اپنے ہی بھائی کے ساتھ ایسا کر دوں اماں؟ مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔

بڑی اماں سے کہہ دیں۔ میری جگہ سعود سے کروا دیں، جہاں تک اس کی نوکری کی بات ہے میں نے اپنی کمپنی میں اس کے لیے بات کر لی ہے۔ داؤد اپنی بات ختم کر چکا تھا۔

بیٹا تیری دادی نے کہا ہے کہ اگر تم دونوں نے انکار کیا تو تیرا باپ مجھے طلاق دے دے گا۔ دیکھ تیرے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں اس عمر میں میرے ساتھ ایسا مت کر بیٹا! مان جا صالحہ بیگم رو رہی تھیں۔

ہاں داؤد اگر تو نے بڑی اماں کے خلاف جانے کی کوشش کی تو تیری ماں اس گھر سے باہر جائے گی۔ جاوید صاحب جوان دونوں کی باتیں سن رہے تھے خود بھی بول پڑے۔

لیکن ابا چاہے آپ کے بیٹے مر ہی کیوں نہ جائیں۔

داؤد نے پھر سوال کیا؟

ہاں! بالکل! میری بڑی اماں پر سب قربان ہیں، جاوید صاحب یہ کہہ کر جا چکے تھے۔

حائقہ کی بھی یہی حالت تھی۔ سکینہ ہر بات سمجھا رہی تھی لیکن حائقہ ماننے کو تیار نہ تھی۔ اماں میں سعود کو پسند کرتی ہوں، میں کیسے اس کو دھوکہ دے سکتی ہوں؟ پلیز اماں آپ لوگ ایسا نہیں کریں۔

بیٹا تیرا باپ مجھے بھی گھر سے نکال دے گا اور تجھے بھی۔ مان جا میری گڑیا! ہم سب کٹھ پتلیاں ہیں اس گھر میں۔ داؤد بہت اچھا ہے، تجھے بہت خوش رکھے گا۔ سکینہ اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

اماں مجھے یقین ہے داؤد بھیا کسی بھی لڑکی کو بہت خوش رکھیں گے۔ لیکن وہ لڑکی میں نہیں بننا چاہتی۔ اماں آپ بڑی اماں سے بات کریں ناں۔

بیٹا تو نے اٹھارہ سال گزارے ہیں اس گھر میں تجھے پتا ہے سب اس گھر کے حالات۔ اگر تو اس عمر میں اپنی اماں کو گھر سے نکلتا دیکھ سکتی ہے تو خود جا کر بات کر لے۔ ہمارے بس میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم تجھے سمجھا سکتے ہیں۔ تیرے باپ یا داوی کو نہیں۔ جا خود کوشش کر لے اگر ہمت ہے تو۔

سکینہ رو رو کر بیٹی کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔

ٹھیک ہے اماں میں تیار ہوں۔ لیکن شادی ابھی نہیں کروں گی۔

ٹھیک ہے بیٹی! خوش رہ ہمیشہ، سکینہ بیٹی کو بوسہ دے کر کمرے سے جا چکی تھیں۔

بھیا تم اور حائقہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ سعود پریشانی کے عالم میں بول رہا تھا۔ نہیں میرے بھائی میں بہت مجبور ہوں اور حائقہ بھی۔ تم سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے لیکن اماں کی زندگی کا سوال ہے۔ مجھے معاف کر دے میرے بھائی، تیرے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔

نہیں بھیا مجھے یقین ہے آپ کی بات پر اللہ سب بہتر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو بہت خوش رکھے۔ سعود داؤد کے گلے لگ کر کہہ رہا تھا۔

نکاح کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ لیکن سوائے بڑی اماں اور فاکہہ کے کوئی بھی خوش نظر نہیں آ رہا تھا۔ فاکہہ کیوں خوش نہ ہوتی اس کی بہن اور داؤد بھیا کا نکاح تھا۔ صرف فاکہہ چہک رہی تھی۔ نکاح کا دن بھی آ گیا تھا۔ آج بھی گھر میں کوئی شور وغل اور خوشی کا سماں نہ تھا۔ حائقہ تیار ہو چکی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ پر سلور کام کیا ہوا تھا۔ ساتھ نازک جیولری میں حائقہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

سعود آج پورے دن سے ہی گھر میں موجود نہ تھا۔ داؤد کو آج حائقہ ہمیشہ سے کچھ زیادہ ہی پیاری لگ رہی تھی۔ داؤد نے پہلی بار حائقہ کو اتنی غور سے دیکھا تھا۔ حائقہ لگ بھی اتنی حسین رہی تھی کہ اس کو غور سے دیکھا جائے۔ نکاح کی تقریب خیر سے مکمل ہوئی تو بڑی اماں کی جان میں جان آئی۔

اب حائقہ مجید، حائقہ داؤد بن چکی تھی۔ سب مطمئن لگ رہے تھے۔ فاکہہ آج کچھ زیادہ ہی خوش تھی۔ حائقہ سے زیادہ کامدار لہنگا پہن کر ہر کام میں آگے آگے رہی تھی۔

گو کہ گھر میں زندگی تبدیل ہو چکی تھی لیکن باوجود اس کے کوئی بھی نہ بدلہ تھا۔ داؤد ابھی بھی ویسا ہی ریزرو تھا اور حائقہ مزید خاموش ہو چکی تھی۔ اب صرف ضرورت کے وقت کمرے سے باہر آتی پھر کمرے میں ہی رہتی۔

اس کے لیے اس نئے رشتے میں کوئی چارم نہ تھا۔ سعود نے خود کو بہت بزی کر لیا تھا۔ اب زیادہ تر گھر سے باہر رہتا تھا اور اگر گھر میں آتا بھی تو کمرے میں بند رہتا۔ کسی سے بات بھی نہ کرتا۔ داؤد بھی اب بھائی سے کوئی بات نہ کرتا۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی کہ بھائی کو کوئی دلاسہ ہی دے دے۔

☆☆☆

وقت گزرتا گیا حائقہ اپنی پڑھائی مکمل کر چکی تھی۔ داؤد کا کام بھی جم چکا تھا۔ سعود قدرے نارمل ہو گیا تھا۔ فاکہہ

نے بہ مشکل انٹر کر کے گھر والوں پر احسان کیا تھا۔ گھر میں ایک بار پھر امن تھا کہ بڑی اماں کی طرف ایک بار پھر بلاوا آیا تھا۔

جاوید، صالحہ اور مجید، سکینہ ایک بار پھر بڑی اماں کے دربار میں حاضر تھے۔ دیکھو بھئی داؤد اب اس قابل ہو گیا ہے کہ رخصتی لے سکے، اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اگلے مہینے حائقہ اور داؤد کی شادی کر دیں گے۔ ویسے بھی نکاح اتنے سالوں تک رکھنا اچھی بات نہیں اور اس کے ساتھ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ فاکہہ اور سعود کی بھی منگنی کر دی جائے بلکہ منگنی کی تو اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے ان کا نکاح کرانا ہی بہتر ہے۔ اگر جاوید اس کی رخصتی کروانے کو بھی تیار ہے تو یہ اور اچھی بات ہے۔

بڑی اماں کہہ کر کچھ دیر کو رکیں لیکن بڑی اماں میں نے تو کچھ تیاری ہی نہیں کی ہے۔ اور میرے پاس اتنا پیسہ تو نہیں کہ دونوں بیٹیوں کو ایک ساتھ نپٹا سکوں۔ اور ویسے بھی فاکہہ کا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کتنی نخرے والی ہے۔ وہ نا جانے سعود سے شادی کرے یا نہیں۔ مجید نے اپنی ساری پریشانیاں بیان کر ڈالیں۔

جاوید کون سا تجھ سے جہیز لے گا۔ دونوں بھائیوں کے حالات ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ جو ہے، جیسا ہے کی بنیاد پر شادی ہو گی۔ اور جہاں تک فاکہہ کی بات ہے تو وہ کبھی بھی انکار نہیں کرے گی۔ اس گھر میں ہوا بھی میری مرضی سے چلتی ہے بیٹا! بڑی اماں غرور کی حدوں پر تھیں۔

ٹھیک ہے بڑی اماں اگر آپ کی رضا یہی ہے تو ہم سعود اور فاکہہ کا نکاح کر دیتے ہیں۔ تھوڑے عرصے بعد رخصتی لے لیں گے۔

آپ کیا کہتی ہیں؟ جاوید نے سوال کیا۔

ہاں ٹھیک ہے۔ اس گھر کی بہوئیں تو یہی بنیں گی۔ میں کسی باہر کی عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔

اگلے مہینے شادی ہونی ہے۔ اب تم لوگ جا کر تیاریاں کرو اور بہوؤں بات سنو! بیٹیوں کے کہنے پر کوئی فضول خرچی نہیں کرنا۔ ایک ایک روپے کا حساب چاہیے مجھے۔ جاوید اوپر والا کمرہ صاف کروا لے داؤد کے لیے۔ فاکہہ کے لیے میں اس کی پسند کا کمرہ بنوا دوں گی۔

اگر ایسی بات ہے اماں تو پھر حائقہ سے بھی پوچھ لیا جائے اس بار سکینہ بولی تھی۔

میرے پاس فالتو پیسہ نہیں ہے کہ ہر کسی کا فرمائشی پروگرام سنوں اور ویسے بھی میں بہوؤں کو بولنے کا حق نہیں دیتی۔ سکینہ بی بی...... جاؤ اب تم لوگ!

بڑی اماں آرڈر دے کر فراغت میں آ گئیں تھیں۔ اب ایک مرحلہ سعود کو راضی کرنے کا تھا لیکن خلاف توقع سعود نے بغیر کسی ضد اور بحث کے حامی بھر لی تھی جیسا کہ وہ یہ ہی چاہ رہا تھا اور بڑی اماں نے اس کا کام آسان کر دیا ہو۔

سکینہ اور مجید بہت زیادہ خوش تھے کیونکہ ان کی بیٹیاں دور نہیں جانے والی تھیں۔ صالحہ اور جاوید بھی کسی حد تک مطمئن تھے۔ دیکھی بھالی سیدھی سادی بہوئیں مل رہی تھیں۔ ان سب میں فاکہہ بہت خوش تھی شاید کسی ڈرامے کی اسٹوری کی طرح وہ اس گھر کی بھی کہانی سمجھتی تھی۔ بڑے کزن سے بڑی بہن اور چھوٹے کزن سے اس کی شادی ہونے جا رہی تھی۔

آج دونوں بہنیں مایوں بیٹھ چکی تھیں۔ سب لوگ اپنے کاموں میں بزی تھے۔ فاکہہ کی کچھ سہیلیاں صحن میں بیٹھ کر گانے گا رہی تھیں۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تو سب نے دروازے کی طرف دیکھا۔ جہاں سعود کھڑا تھا۔ لیکن یہ کیا؟ سعود اکیلا تو نہیں تھا سعود کے ساتھ بیس بائیس سالہ خوبصورت سی دلہن کھڑی تھی۔ لال رنگ کا کامدار جوڑا اور ساتھ میں بھاری جیولری میں اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ سعود نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔

کون ہے یہ لڑکی؟ تیرے ساتھ کیا کر رہی ہے؟ بڑی اماں نے دھاڑنا شروع کیا تو سب گھر والے بھی جمع ہو گئے۔

بڑی اماں غصے سے کانپ رہی تھیں۔ لیکن سعود ان کو اگنور کرتے ہوئے صالحہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔

اماں یہ صباحت ہے۔ ہم ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتے ہیں۔ پچھلے ایک سال سے جانتے ہیں ایک دوسرے کو۔ یہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرے اور حائقہ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ آج میں نے اس سے نکاح کرلیا ہے۔

دراصل میں تو برباد کر دیا گیا تھا، کسی کی ضد نے مجھے اور حائقہ کو جدا کر دیا تھا لیکن مجھے اب ہر کسی سے بدلہ لینا تھا۔ اماں اگر میں آپ لوگوں کو بتاتا تو بھی آپ کو میری بات کا یقین نہیں آتا۔

آپ لوگوں کو کیا لگتا ہے چاچی کہ مجھے اور حائقہ کو جدا کرنے کا فیصلہ صرف بڑی اماں کا تھا؟ نہیں! یہ سب فاکہہ نے کیا تھا۔ مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنے سے دماغ میں اتنا زہر کیسے آسکتا ہے۔ لیکن یہ کچھ غلط بھی نہ ہوگا کیونکہ اس پر سایہ تو بڑی اماں کا تھا۔

میں بارہا سب کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن کسی کو سمجھ نہ آیا۔ آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ وہ حائقہ اور بھیا کے لیے خوش تھی نکاح پر؟ نہیں وہ اس لیے خوش تھی کہ اس کا راستہ صاف ہوگیا تھا۔ میں اس کو مل جاتا لیکن فاکہہ، میں بھیا نہیں ہوں جو بڑی اماں کی دھمکیوں سے ڈر جاؤں۔ میں سعود جاوید ہوں۔ کسی سے نہیں ڈرتا۔ صباحت میری بیوی ہے اور اس کو ہی پورے حقوق ملیں گے۔ تم کو تو پیر کی جوتی سمجھتا ہوں۔

سعود بولے جا رہا تھا اور سب خاموشی سے بت بنے کھڑے تھے۔ بڑی اماں ٹوٹ گیا آپ کا تکبر؟ آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کی مرضی کے بغیر اس گھر میں ہوا بھی نہیں چلتی؟ میں نے توڑ ڈالا آپ کا غرور بھیا اور حائقہ کے رشتے سے پہلے آپ کی چہیتی نے جو آپ سے باتیں کی تھیں وہ سب میں نے سن لی تھیں۔

اس دن ہی طے کرلیا تھا کہ کبھی نہ کبھی اس طرح آپ دونوں کا غرور مٹی میں ملا دوں گا اور دیکھیں آج آپ کو بھی میں نے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ فاکہہ تم میں اور حائقہ میں کتنا فرق ہے۔ ایک ہر کسی کے بارے میں سوچتی ہے سب کا اچھا چاہتی ہے اور تم صرف اپنے بارے میں سوچتی ہو۔

تم کیا سمجھتی تھیں کہ دوسروں کو دکھ دینے والا خوش رہ سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اماں اگر آپ مجھے گھر سے نکالنا چاہیں تو نکال دیں مجھے گلہ نہیں ہوگا۔ کم سے کم میں نے اس گھر کی ایک غیر ضروری روایت تو توڑ دی ہے۔ اس بات کی خوشی ہمیشہ رہے گی۔ کہہ کر جیسے ہی سعود نے پیچھے دیکھا بڑی اماں دل پر ہاتھ رکھے تخت پر ڈھیر تھیں۔

آئی ایم سوری ان کی ایج زیادہ ہونے کی وجہ سے اتنا سیریس اٹیک برداشت نہیں کر پائیں۔ ڈاکٹر کہہ کر جا چکا تھا۔ یا اللہ یہ شادی والے گھر میں کیسا حادثہ ہوگیا۔ سعود تو نے یہ کیا کر دیا؟ چلے جا تو...... یہاں سے صالحہ بیٹے کو حکم دے رہی تھیں۔

اماں میں چلا جاتا ہوں۔ لیکن اگر بڑی اماں نے ہمیں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق دیا ہوتا تو آج یہ دن نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج اپنا غرور و تکبر ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکیں۔ انہیں ان کے اعمال کی سزا ملی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہوگا تو آپ لوگوں کے دل میری طرف سے پگھل جائیں گے۔ لیکن مجھے فاکہہ اور بڑی اماں کے ساتھ یہ کرنا بہت ضروری تھا۔ ہو سکے تو آپ لوگ مجھے ضرور معاف کر دینا۔

آج بڑی اماں کا دسواں تھا۔ حائقہ کی سادگی سے رخصتی کردی گئی تھی۔ سعود کو معاف کر دیا گیا تھا اور صباحت کو بھی بہو کا درجہ مل چکا تھا۔ سعود کو مطمئن اور خوش دیکھ کر حائقہ بھی مطمئن ہوگئی تھی۔ داؤد کو دل میں مکمل جگہ دے چکی تھی اور فاکہہ سب کچھ کر کے بھی آج خالی ہاتھ تھی اور لوگوں کی نفرتیں برداشت کرنا اس کا مقدر بن چکا تھا۔

☆☆☆

شاید وہ کبھی کہہ دے

ایس۔ امتیاز احمد

ناز نعم میں پلنا اس کی قسمت میں نہ تھا۔ ورنہ تو اس کے باپ نے یہ سوچ کر اس کا نام ناز رکھا کہ پہلی اولاد ہے ہاتھوں ہاتھ رہے گی وہ۔ بہت امیر نہ تھا مگر ہاتھ کا ہنر کبھی بھوکا نہیں سونے دیتا۔ لکڑی کے کھلونوں پر بیل بوٹے اتارنا اس کا پیشہ بھی تھا اور مشغلہ بھی۔ ہاتھ میں غضب کی صفائی اور نفاست تھی۔ اسی طرح طبیعت کا بھی نفیس آدمی تھا۔ ایک ذرا فضول خرچی کی بری عادت نے اسے دو پیسے جوڑنے نہ دیئے۔

شادی کے وقت بھی یار دوستوں سے ادھار لے کر کام چلایا بیوی قسمت سے محبت کرنے والی ملی۔ اس نے سب سے پہلے شادی کا قرضہ اتروایا۔ پھر ہونے والے بچے کے لیے کچھ پیسے جوڑے۔ اگر حالات یونہی چلتے رہتے تو ناز یقیناً اچھے کھاتے پیتے گھرانے میں پلتی۔ تقدیر کا ڈسا لاکھ سے خاک ہو جاتا ہے۔

ناز خاک میں لوٹنے کا نصیب لے کر آئی تھی۔ ماں کے درد بھی پورے طرح ٹھیک نہ ہونے پائے تھے کہ باپ کی لاش گھر میں آ گئی۔ کام کرتے میں دکان کی چھت اس پر آ گری۔ اس کے ساتھ دو کاریگر بھی موت کی نیند سو گئے۔ اس وقت ناز کی ماں کے پاس اس کی کچھ رشتہ دار عورتیں بیٹھی بیٹی کے اچھے نصیب ہونے کی دعائیں دے رہی تھیں کہ محلے میں شور سا ہوا اور اس کی ماں کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔

لوگوں کو تو خبر سنانے کی جلدی ہوتی ہے چاہے خبر اچھی ہو یا بری۔ سب سے پہلے محلے کی دائی اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے بچوں کا غول ناز کی ماں نے شوہر کی خون میں بھیگی ٹوپی دیکھی جو اس کے پڑوسی محمود کے ہاتھ میں تھی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

یوں ناز دو دن کی عمر میں یتیم ہو گئی۔ ماں کو بمشکل

ہوش آیا مگر اپنے کھوئے حواس نہ جگا سکی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناز کو تکتی اور مٹھی بھر بھر کے خاک اس پر ڈالنے لگی۔ خدا ترس لوگوں نے بچی کو اس سے دور رکھا۔ ہمدردی اور رحم کے جذبات ہلکے پڑے تو وہ گھنٹوں ماں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتی۔ نہ اسے کبھی وقت پر دودھ ملا نہ کوئی اور چیز۔ پھر بھی سخت جان کا یہ عالم تھا کہ لوٹتی پوٹتی گھٹنوں بھی چلنے لگی۔ اپنے لیے رزق تلاش کرنا آ گیا۔

ماں کی دیوانگی بھی ایک ڈگر پکڑ چکی تھی۔ وہ اپنی بچی سے کچھ کچھ مانوس ہو گئی۔ کھانا اب بھی محلے والے ہی دیتے تھے۔ اس کی دکان بیچ باچ کے جو کچھ ملا اسے بھی ماں بیٹیوں پر خرچ کر دیا۔ مکان تو تھا ہی کرائے کا جو کبھی دیا جاتا کبھی نہیں۔ یوں سمجھ لو کہ باقاعدہ ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آنے دی۔

محلے میں ایک ایک گھر اسے دونوں وقت کی روٹی باری باری پہنچا جاتا۔ مرنا تو ناز کی قسمت میں تھا ہی نہیں ٹائیفائیڈ ہوا..... خارش میں مہینوں بدن گلا، کن پھیڑے نکلے، مگر وہ ان سب موذی امراض سے بچتی بچاتی عمر کی سیڑھیاں پھلانگتی گئی۔

دس برس پلک جھپکتے میں گزر گئے۔ اچھی بھلی صحت مند بچی نظر آنے لگی۔ چہرے پر معصومیت کی گہری چھاپ تھی انداز میں جھجک۔ اگر کوئی گہری نظر سے دیکھتا تو اس کا ماضی جھانک سکتا تھا ورنہ بظاہر دیکھنے میں یہ عام بچوں سے مختلف ہرگز نہیں تھی۔ گندی رنگت باپ کی طرح فن کاروں جیسے نازک ہاتھ پیر، پھرتیلا چست بدن، رگ رگ پھڑکتی نظر آتی تھی۔

اس بچے کو دھکا دیا، اسے چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹا یہ اس کے روز مرہ کے مشاغل تھے۔ پاگل ماں کی بے سہارا اولاد ہونے کی رعایت اسے ملی ہوئی تھی۔ بہت سے اسے سخت لہجے میں ڈانٹ دیتے تھے لیکن اسے مارنے کی ہمت کسی نے نہیں کی۔

یتیم بچی کی آہ کون لے محلے والوں کو تو اس کے بھلے کا اتنا خیال رہتا تھا کہ دو چار نے مل کر فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے یہ جوان ہو کر محلے کے جوان اوباش چھوکروں کے ہتھے چڑھے اس کا بچپن میں ہی بیاہ کر دو۔ خبطی ماں کب تک اس کی نگرانی کرے گی۔ جب سکیم بنی تو لڑکا بھی ڈھونڈ لیا گیا۔ کسی کو اس دس سالہ بچی کے اندر کا پتہ نہ تھا یہ جو معصوم آنکھوں میں ہزاروں رنگین بلبلے ایسے پیارے پیارے خواب سجائے بیٹھی تھی۔ دنیا والوں کے نزدیک ایک لاوارث اور قابل رحم بچی تھی۔ جس کا بھلا کسی بھی نتھو خان کے پلے باندھ دینے سے ہو سکتا تھا۔

ناز نے باپ کا سا آرٹسٹ ذہن پایا تھا خوبصورت کھلونے پیاری پیاری مورتیں اس کے دل کو لبھاتی تھیں۔ دیر تک وہ انہیں تکتی اس کے ذہن و دل کے دریچوں میں یہ پیاری پیاری چیزیں اترتی چلی جاتیں۔ مگر اس کے ذہن کا حسن کسی نے نہ جھانکا تھا۔ جب محلے والوں نے کہیں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کے ایک آنکھ والا بدصورت سا آدمی اس کے لیے منتخب کیا تب وہ شادی بیاہ کو محض گڑیوں کا کھیل سمجھتی تھی۔ اس نے کالا چشمہ چڑھائے اس کالے بھدے آدمی کو روز روز محلے والوں کے ساتھ اپنے گھر آتے دیکھا تو جل کے دل ہی دل میں بولی۔

''توبہ اللہ ایسے کالے آدمی سے تو میں اپنی گڑیا کا بیاہ بھی کبھی نہ کروں گی۔''

اس کی پاگل ماں نے محلے والوں کے اصرار پر اس کو نکاح میں باندھ دیا۔ اسے کھیلنے کودنے پکڑ کر لائے۔ لال جوڑا دولہا صاحب لائے تھے۔ اسے پہنایا تو وہ اچنبھے میں پڑ گئی۔ دو چار لوگ اکٹھے ہوئے۔ اس کا سر پکڑ کر جھکا دیا تو نکاح بھی ہو گیا۔ طے یہ تھا کہ نکاح کے دو برس بعد رخصتی ہو گی لیکن وقت پر کانا بکھر گیا۔ کہنے لگا۔

''اس کی ماں پاگل ہے بڑی ہونے تک اس کی

گرانی کون کرے گا۔ اسے ابھی رخصت کردو۔''

لوگوں نے سمجھایا کہ اس عورت کا بیٹی کے سوا اور کوئی سہارا نہیں اور پھر ناز ابھی ذرا سی تو ہے اسے لے کر تمہیں ملے گا بھی کیا۔ کانا ان باتوں کا جواب سوچ کر آیا تھا کہنے لگا۔

''میں اس کی ماں کو بھی ساتھ رکھوں گا۔ بس مجھے زمانے پر اعتبار نہیں میری بیوی میری نظروں کے سامنے پلے بڑھے۔''

اب اس کی بات کا کیا جواب تھا۔ گھر میں تالا ڈال نار اور اس کی ماں دوسرے محلے سدھاریں کانے میاں ننھی سی دلہن کا ہاتھ پکڑے خوش خوش گھر میں داخل ہوئے۔ زندگی بدکاریوں میں گزری تھی اب تک کوئی اپنی لڑکی دینے پر تیار نہ ہوا تھا۔ مفت بیٹھے بٹھائے بیوی ملی تو اس کا خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس سے پہلے اسے پیسے خرچ کرنے پڑتے تھے۔ تب بھی ٹکے ٹکے کی بیسوائیں اسے اپنے اشاروں پر نچواتی تھیں۔ کیا مجال جو کبھی کالے میاں پوری طرح سیراب ہو کر کوٹھے سے اترتے ہوں۔

منکوحہ پر اپنے سارے ارمان نکالنے کے منصوبے بناتے کانے میاں گھر پہنچے گھر کی بڑی بوڑھیوں کے احتجاج کے باوجود ناز کا پلنگ اپنے کمرے میں لگوایا۔ ناز ان باتوں سے بے خبر حیرت سے اس شخص کو تکے جا رہی تھی۔ جو پہلے عینک لگا کے تو قدرے غنیمت بھی لگتا تھا مگر اب تو اسے دیکھ کر آنکھیں بند کرنے کو جی چاہنے لگا تھا۔

تیل سے پلی ہوئی نوکدار مونچھیں جس کے دونوں سروں کو خم دینے میں مدت کی محنت نظر آتی تھی۔ بائیں گال پر گہرا نیلا نشان اور اسی طرف کی آنکھ خالی گڑھے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی اکلوتی آنکھ ہوس کے ڈروں سے ٹریفک کی لال بتی کی طرح چمک رہی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ جونہی واپس پلٹا۔ نیم غنودگی میں تپتے ہاتھوں کی لمس پا کر ناز ایک دم اٹھ بیٹھی۔ اندھیرے میں آنکھوں کا لال سگنل اپنے قریب پا کر وہ چیخ مار کر کھڑی ہو گئی۔ اسے کچھ کچھ یاد تھا کہ وہ اپنی ماں کے پاس لیٹی تھی۔ اس کی ماں بار بار یہی کہے جا رہی تھی۔ ابھی یہ بچی ہے۔ کچھ تو رحم کرو۔ شاید اسے کوئی ماں کے پہلو سے اٹھانا چاہ رہا تھا۔ مگر اس کی ماں نے اپنی گرفت مضبوط کر دی تھی۔ وہ پھر بے خبر سو گئی۔ اس کے بعد اس اندھیرے میں اسے کون لے آیا۔ اس کا ننھا سا ذہن پڑوسن کی سنائی ہوئی اس کہانی میں جا الجھا کہ کس طرح ایک کانا دیو شہزادی کو اٹھا کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ اس کی آنکھ سے ہر وقت سرخ چنگاریاں اڑتی رہتی تھیں۔ بالکل اسی طرح اس کے ساتھ ہی اس نے دوسری چیخ ماری اور اس کی پاگل ماں نے باہر سے دروازہ پیٹ دیا۔ میری بچی کو باہر نکالو یہ مر جائے گی وہ بے بسی سے چلا رہی تھی۔ کانے کی ماں نے اسے بالوں سے پکڑا اور گھسیٹتی ہوئی اندر کمرے میں لے گئی۔

''اگر ایسا ہی بیٹی کا خیال تھا تو نکاح کیوں کیا؟'' وہ دیر تک اندھیری کوٹھڑی میں چلاتی رہی، مگر کسی نے دروازہ نہ کھولا کہ وہ ناز کو دیو کی قید سے رہائی دلا سکتی۔ ادھر ناز کے بچپن نے اس ظلم کو جھیلنے سے قطعی انکار کر دیا۔ کانے میاں کی من مانیاں درندگی کی حدیں چھونے لگیں، وہ جتنا سسکتی کانے میاں اسے اتنی ہی اذیت دیتے۔ ذہن کا احتجاج تو شاید جھیل بھی لیتی مگر جسم کے انکار نے اسے موت کی سی گہری نیند میں دھکا دے دیا۔ اسے بے جان سا ہوتے دیکھ کر کانے میاں سٹپٹا گئے۔

صبح چار ساڑھے چار کا وقت تھا۔ دروازہ کھولا اپنی ماں کا سوتے میں انگوٹھا ہلایا، وہ ہڑبڑا کر اٹھیں اور اس کے گھبرائے چہرے سے سب کچھ سمجھ گئیں۔ گھبرائی گھبرائی اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ یہاں ناز کا ننھا جسم درندگی کی منہ بولتی تصویر بنا ہوا تھا۔ گھبرا گھبرا کے نبضیں ٹٹولیں۔ ہزار ہزار بیٹے کو کوسنے دیئے کہ کم بخت کہا تھا دو

چار سال صبر کر لے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ناز کو ہسپتال لے جایا جاتا۔

صبح صبح کانے میاں اپنی بے ہوش دلہن کو گودی میں بھرے جناح ہسپتال جا پہنچے پیچھے پیچھے ناز کی ماں روتی پیٹتی آئی۔ بے چاری کی زندگی تھی بچ گئی..... ورنہ ڈاکٹر تو کیس دیکھتے ہی مایوس ہو گئے تھے۔ ہفتہ بھر ہسپتال میں نت نئی تکلیفیں اٹھانے کے بعد ناز واپس آئی تو اس کی ماں نے کانے کو گالیاں دے دے کر محلہ اکٹھا کر لیا وہ کسی طور ناز کو اس کے ساتھ رکھنے پر آمادہ نہ تھیں۔ محلے میں کانے میاں اس واقعے سے خاصے مشہور ہو چکے تھے محلے والوں نے بھی ناز کی ماں کا ساتھ دیا۔ اس کی ساس کا موقف تھا کہ لڑکی بدچلن ہے۔ میں خود ایسی لڑکی کو گھر رکھنے پر آمادہ نہیں۔ مار پیٹ ہوئی اس طرح دس سالہ ناز بیگم سسرال سے بدچلنی کا الزام اور جسمانی کرب کا بھیانک تجربہ لیے واپس اپنے گھر آ گئیں اس کی ماں نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے تالا کھولا اور ذرا دیر میں گھر کا صحن محلے والوں سے بھر گیا۔ سب کے سب بے چین تھے کہ ان کی واپسی کیوں ہوئی۔ وجہ معلوم ہونے پر ہائے ہائے کرتے گھر لوٹ گئے۔

اب بھی لوگوں کو اس بدنصیب گھر سے ہمدردی تھی۔ بڑے بزرگ گئے۔ کانے میاں کو گھیر گھار کر ساتھ لائے۔ مقدمے کی دھمکی دی۔ بڑی مشکل سے کانا خرچہ دینے پر راضی ہوا اور طے یہ پایا کہ جوان ہونے تک ناز اس گھر میں ماں کے ساتھ رہے گی۔ بلوغت تک کانے میاں دونوں ماں بیٹیوں کا خرچہ دیتے رہیں گے۔

دو سال اور سرک گئے اس کی ماں بیمار پڑ گئی۔ جسمانی بیماری نے ذہنی بیماری کو دوگنا کر دیا۔ پہلے خرچہ باقاعدگی سے ملتا رہا۔ سال بعد وہ بند ہو گیا ناز گھروں میں کام کر کے اپنا اور ماں کا پیٹ بھرتی تھی۔ اب اسے دنیا سمجھنے کا شعور آ چلا تھا۔ ماں کی روز بروز بگڑتی حالت نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ محلے میں جاتی تو خیر خواہ مشورہ دیتے اب تم اپنے میاں کے پاس چلی جاؤ۔ تمہاری ماں کو کچھ ہو گیا تو کوئی سہارا دینے والا نہ رہے گا۔ یہ بات ٹھیک ہی تھی۔ ماں کے علاج کے لیے روزانہ پیسے کہاں سے آتے۔ بہت سوچ کر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اب اسے اپنے شوہر کے ہاں جانا ہی چاہیے۔

اس نے جانے کا تذکرہ کیا تو اس کے شوہر کو لوگ بلا لائے۔ وہ بہت دنوں بیوی سے لاتعلق رہا تھا۔ ڈھائی تین سال میں ناز خاصی بدل چکی تھی۔ جوانی کی دہلیز پر پہنچ کر یوں بھی لڑکی کے چہرے پر شگوفے سے کھل جاتے ہیں۔ پھر ناز تو بھی گندمی رنگ کی صحت مند لڑکی۔

کانے میاں پھر سے اسے سینے سے لگانے کے لیے بے چین ہو گئے پچھلی دفعہ کی زیادتی اور لوگوں کی لعنت ملامت انہیں یاد تھی دل میں بیوی کے لیے ذرا سی کدورت باقی تھی۔ جس کی سزا انہوں نے یہ دی کہ وہ ناز کی ماں کو ساتھ لے جانے پر تیار نہ ہوئے۔ بیمار عورت کو بیٹی سے جدا کرنا ظلم تھا، لیکن اسے یہ کون سمجھاتا۔ پڑوس کی ایک بزرگ عورت نے اس کی تیمار داری اپنے ذمے لی۔ وہ ہر صورت میں ناز کو اس کے گھر بھجوانا چاہتی تھیں۔ تاکہ محلے کے اوباش چھوکروں کی اٹھتی نظروں کا نشانہ بننے سے بچ جائے۔

حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ناز کو ماں کا ساتھ ایسے موقع پر چھوڑنا پڑا جب اسے اس کی ضرورت تھی۔ شوہر کے سامنے ناک نیچی ہو ہی چکی تھی یہ شرط بھی منظور کی..... اور سسرال آ گئی۔ یہاں آئے چند روز ہی گزرے تھے کہ اس کی ماں بخار میں جلتی ہوئی ملنے آ پہنچی۔ اس کی ماں تا نے اسے پلنگ پر بے بسی کی موت مرنے نہ دیا۔ بیمار ماں کی صورت دیکھ کر ناز سے ضبط نہ ہوا وہ اس سے لپٹ کر رو پڑی۔ خاوند کے آنے سے پہلے پہلے اس نے بمشکل اسے گھر سے رخصت کیا۔

بیٹی کی جدائی نے اسے ایک پل چین سے نہ رہنے

ایا۔ دوسرے روز پھر صبح ہی صبح دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ ناز کا سسر جو کل اسے دیکھ دیکھ کر خون کے گھونٹ بھرتا رہا تھا پھر سے دروازے پر کھڑا دیکھ کر غصے سے اس کی طرف جھپٹا۔ غریب کو اس بری طرح پیٹا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر آ رہی۔

ناز ''ماں'' کہہ کر اسے سنبھالنے دوڑی لیکن اس کے شوہر نے راستہ روک لیا، دونوں باپ بیٹوں نے بے ہوش عورت کو کندھے پر ڈالا۔ اور باہر نکل گئے۔ ناز سے یہ کہا گیا کہ اسے گھر چھوڑ آتے ہیں بعد میں محلے کے بچوں نے بتایا کہ وہ دیر تک نیم کے نیچے لیٹی رہی..... ہوش آنے پر ایک طرف کو چل دی۔

اس دن کے بعد ناز نے اپنی ماں کی شکل پھر نہ دیکھی۔ وہ گھر واپس بھی نہ گئی اور کبھی دوبارہ بیٹی کے سسرال بھی نہیں آئی۔ اب بھری دنیا میں ناز اکیلی تھی۔ اس کے شوہر نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر ماں کے لیے ٹسوے بہانے ہیں تو اپنے گھر واپس لوٹ جا۔

ناز کے لیے اب سبھی دروازے بند ہو چکے تھے اس در کو چھوڑ کے وہ اور کہاں جاتی۔ ماں کی یاد میں ابلنے والے سبھی آنسو اس نے اپنے سینے میں روک لیے۔ شوہر نے ساس سسر کی خوشنودی میں اپنی ذات کو یکسر بھلا دیا..... کام میں سدا سے تیز تھی..... گھر کی اینٹ اینٹ چمکانے کے بعد جو وقت ملتا، وہ ساس کی کنگھی چوٹی اور سسر کی سر کی مالش میں گزر جاتا۔ رات آتی تو شہر کی جسمانی بھوک کا نوالہ بننے کے لیے خود کو آمادہ کرتی۔ تھکن سے چور بدن پر ہل سے چل جاتے۔ بچپن میں جس فعل سے نفرت اس کے لاشعور میں بس گئی تھی وہی کھیل بھیانک صورتوں میں متعدد بار کھیلا جاتا۔

بارہا ایسا ہوا کہ اس نے رو کر احتجاج کیا اور شوہر نے دروازہ کھول کر اسے باہر گلی میں نکال دیا کہ جا جس یار کی طلب ہے اسی کے پاس چلی جا۔ وہ کم بخت جنونی ایسا تھا کہ گھنٹوں اس کی سسکیاں سن کر بھی دروازہ نہ کھولتا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے ہلکی ہلکی ہچکیوں سے روتی رہتی اور وہ اندر مزے سے بیڑی پیتا رہتا۔ اسے تجربہ ہو چکا تھا کہ جس رات ناز کو یہ سزا دیتا وہ ہفتہ بھر اس کی زیادتیوں پر اف نہ کرتی۔

ایک ایسی رات کا ذکر ہے۔ اس روز وہ ساس سے بری طرح پٹی تھی۔ چوٹ نے اس کا بدن پھوڑا بنا رکھا تھا۔ ایسے میں اسے اپنے شوہر کی دست درازیاں انتہائی ظالمانہ فعل لگیں۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور زور زور سے رونے لگی۔ آدھی رات کا وقت تھا کانے نے اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا اور دھکے دے کر دروازے سے باہر دھکیل دیا۔ ناز دیوار سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔ اس کے گالوں پر بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔ لاکھ ضبط کے باوجود اس کی ہچکیاں تیز ہوتی گئیں۔ سسکی لیتے لیتے وہ ایک دم چونک گئی۔ کسی نے اندھیرے میں اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ ڈر کے وہ دو قدم پیچھے ہٹی ایک اونچے لمبے قد کے ہیولے نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ گھبرا کے چیخ مارنے والی تھی کہ اس کی نظروں نے پہچان لیا یہ رات کی ڈیوٹی کا سپاہی ہے۔ پھر بھی وہ سہم کر دیوار سے چپکی رہی۔ سپاہی نے اسے خوف زدہ دیکھ کر ہمدرد لہجے میں پوچھا۔

''تیرا باپ کون ہے؟''

باپ کے نام نے اس کے زخموں کو جیسے کھرچ دیا۔ سپاہی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''تو ہر تیسرے چوتھے روز اسی گلی میں کھڑی روتی ہے تیرے ظالم ماں باپ کون ہیں جو جوان لڑکی کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔''

ناز نے روتے روتے بتایا کہ ''وہ شوہر کے ظلم کا نشانہ بنی ہوئی ہے ماں باپ زندہ ہوتے تو رونا ہی کیا تھا۔''

سپاہی محبت سے بولا۔ ''بہن میں قسم کھاتا ہوں تم پر کوئی آنچ یا الزام نہ آنے دوں گا تو اسی وقت میرے گھر

چل صبح تیرے میاں کو تھانے بلا کر فیصلہ کرادوں گا۔''

نازیوں بھی اس زندگی سے بے زار تھی۔ ایک سہارا ملا تو اس کے ساتھ ہولی سپاہی اسے اپنے کوارٹر میں لے گیا، جہاں اس کی بیوی نے اس کی دکھ بھری داستان سن کر اسے تسلی دی۔ رات تقریباً گزر چکی تھی۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ صبح چائے سے فارغ ہو کر اس نے تفصیل سے اس کی کہانی سنی کہنے لگا۔

''ایسے آدمی کے پاس تو ساری زندگی کیسے گزارے گی۔ بہتر ہے تو اس سے خلاصی کر کے اپنی محنت کی کمائی سے گزارا کر۔''

نازدل سے یہی چاہتی تھی۔ تین سال کے عرصے میں وہ ایک دن بھی خوش نہ رہی تھی۔ رحم دل آدمی نے اپنی کوششوں سے اسے شوہر کے چنگل سے آزاد کروا دیا اور کہنے لگا۔

''لے بہن میرا کام بس اتنا تھا کہ تجھے اس جہنم سے نکال دوں اب تو اپنے کسی رشتہ دار یا جاننے والے کے پاس چلی جا۔''

نازکیا کہتی بات بھی ٹھیک تھی۔ اس کی بیوی اپنے میکے جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ بیوی کی غیر موجودگی میں نازکا رہنا لوگوں کو مشکوک کر دیتا۔ وہ اپنے محسن کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ گھر سے چپ چاپ نکلی اور سڑک پر آ کھڑی ہوئی۔

اب وہ کہاں جائے واپس اپنے محلے جانے کا ارادہ اس نے کب کا چھوڑ دیا تھا۔ ماں کے بغیر کسی بھی جگہ رہنا اس کے لیے برابر تھا۔ بچپن سے اس کے دل میں ریڈیو میں کام کرنے کی خواہش رہی تھی۔ باپ کی طرح اس میں فنکارانہ جوہر تھے جو مصائب کے ہاتھوں بری طرح کچلے گئے تھے۔ اب آزادی ملی تو قدم سیدھے ریڈیو اسٹیشن کی جانب اٹھ گئے۔ راستہ آتا نہیں تھا بسوں میں دھکے کھاتی پوچھتی پوچھتی بندر روڈ پر آ ہی گئی۔

سامنے ریڈیو سٹیشن کی عمارت تھی۔ اب اس بھکاری جیسے روپ میں اندر کیسے جائے۔ گیٹ پر کھڑی حسرت سے اندر آنے جانے والوں کو دیکھنے لگی۔ اس کے بالکل قریب ایک رکشا رکا مہربان سی صورت والا ایک آدمی اترا..... نازلپک کے اس کے پاس پہنچی۔ رکشے والے کو پیسے دے کر اس آدمی نے میلے کچیلے کپڑوں میں مسکین عورت والی اس لڑکی کو دیکھا تو بھکاری سمجھ کر سکہ بڑھا دیا۔ نازنے فوراً اپنے قدم پیچھے کر لیے جیسے کسی نجس چیز کو دیکھ لیا ہو۔ وہ شخص مسکرایا۔

''کیا روپیہ چاہیے؟''

نازرک رک کر بولی۔ ''مجھے پیسے نہیں چاہیے مجھے آپ سلیم صاحب سے ملوا دیں۔'' یہ نام اس کے ذہن میں بچپن سے اٹکا ہوا تھا۔

سلیم کا نام سن کر وہ شخص ذرا چونکا بولا۔ ''کیوں تجھے اس سے کیا کام ہے؟''

نازنے سوچا اس سے بہتر موقع پھر شاید نہ ملے بولی۔ ''مجھے ڈراموں میں کام کرنا ہے سلیم صاحب بھی ڈراموں میں کام کرتے ہیں ناں وہ میری مدد کریں گے۔''

اس عجیب وغریب لڑکی کے شوق پر وہ بے ساختگی سے ہنس دیا۔ ٹالنے کے لیے بولا۔

''اچھا اچھا تجھے سلیم صاحب سے بھی ملوا دیں گے کام بھی دلا دیں گے مگر بدھ کو آنا تیرا آڈیشن ہوگا۔ اپنا پتہ دیتی جا تجھے بلا لیں گے۔''

نازپتہ دینے کے نام سے گھبرا گئی اور بولی۔ ''میں پتہ نہیں دوں گی۔''

اب اس شخص کو کھوج ہوئی کہنے لگا۔ ''گھر سے چھپ کے آئی ہے کیا؟''

نازبولی۔ ''نہیں''

اس شخص نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''پھر اس گھبراہٹ کا کیا مطلب؟''

اب نازکو حقیقت حال بتانا پڑی۔ جلدی جلدی

بولی۔ ''میرے والدین مر چکے ہیں شوہر سے طلاق ہو چکی ہے۔ میرا کوئی گھر ور نہیں پتہ کس کا دوں۔''

دنیا نیک لوگوں سے ابھی خالی نہیں ہوئی۔ اس لڑکی کے استقلال نے چند لمحوں میں ہی اس آدمی کو متاثر کر دیا۔ نرمی سے کہنے لگا۔

''میں تجھے کام ضرور دلا دوں گا، مگر اب تو جائے گی کہاں؟ اور پھر تجھے نہیں پتہ ہے زمانے میں کسی کا بھروسہ نہیں، کسی سے شادی کر کے گھر بسا لیتی تو زیادہ عزت سے روٹی ملتی۔''

ناز اس بات کا کیا جواب دیتی، پیروں سے زمین کریدنے لگی۔ اس آدمی نے اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر کے ٹیکسی روکی کہنے لگا۔

''اس وقت تو میرے گھر چل..... میری دو بہنیں اور ہیں تیسری تو.....''

ناز چپ چاپ ٹیکسی میں بیٹھ گئی کہ اس شخص کی نیک نیتی اس کے ہر انداز سے ٹپک رہی تھی پھر بھی وہ ڈر رہی تھی کہ قسمت کوئی نیا گل نہ کھلا دے۔ سوسائٹی کے ایک متوسط علاقے میں اس کا گھر تھا۔ گھر میں چار افراد تھے۔ دو جوان بہنیں ایک سوتیلا لڑکا ایک معمر بیوی۔

ناز سے کسی نے زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی۔ غالباً اس شخص نے سب کو صورتحال سمجھا دی تھی۔ شام کو پہلی دفعہ اس کے سوتیلے بیٹے شاہد نے اس سے بات کی کہنے لگا۔

''تم ریڈیو پر کام کیوں کرنا چاہتی ہو؟''

ناز دھیمے لہجے میں بولی۔ ''تاکہ کسی پر بوجھ نہ بن سکوں۔'' اس کی بات سن کر شاہد قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ بولا۔ وہاں جو تم غیر مردوں کے نخروں کا بوجھ اٹھاؤ گی..... وہ برداشت کر لو گی؟''

ناز نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ جتنی جلد ممکن ہو سکا وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر ان لوگوں کے احسانات کا بدلہ چکا دے گی۔ لیکن شاہد تو اس کا سایہ بن گیا۔ دو ہی دن میں وہ اس سے خاصا بے تکلف ہو گیا۔ وہ رات بستر پر لیٹی تو چپکے سے اس کے پاس آ بیٹھا..... گھر کے سب افراد سو چکے تھے۔ ناز ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ بولی۔

''آپ.....''

شاہد ہنس کر کہنے لگا۔ ''تمہارے بھلے کی بات کہنے آیا ہوں کل ابا میاں تمہیں آڈیشن کے لیے لے جا رہے ہیں اور میں نہیں چاہتا تم وہاں کام کرو۔ تم سی بے سہارا لڑکیاں دنیا کے ہاتھوں کھلونا بن جاتی ہیں اور تم جانتی نہیں کہ لوگ وہاں کے متعلق کیا کیا کہتے ہیں۔''

ناز بولی۔ ''پھر میں کیا کروں اور کہاں نوکری کروں۔ پڑھ لیتی ہوں، لیکن مجھے تو لکھنا تک نہیں آتا مجھے کون کام دے گا۔''

شاہد کی آواز میں جذباتی کپکپاہٹ گھل گئی کہنے لگا۔ ''ناز تو ابھی سولہ سترہ برس کی بچی ہے کہاں تک زمانے کی ٹھوکریں کھائے گی۔ اگر عزت سے رہنا چاہے، تو میں تیرا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ اگر تو واقعی شریف لڑکی ہے۔ تو میری پیش کش کو کبھی نہیں ٹھکرائے گی، زمانے کی گندگی میں لتھڑنا چاہتی ہے تو کل سے میں تجھ سے بات نہیں کروں گا۔''

ناز کی رگوں میں شریف ماں باپ کا خون تھا۔ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی معاشرے میں پڑھی لکھی شریف لڑکیوں جیسا مقام پا چکی ہوتی۔ اب جو قدرت خود مہربان ہو کر اس کا کھویا مقام دینا چاہتی ہے تو وہ اسے ٹھکرائے کیوں۔ ناز نے جیسے ہی رضا مندی کے لیے گردن جھکائی شاہد نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اقرار محبت کے لمحات نے اس سے مزاحمت کی قوت چھین لی تھی..... اور پھر وہ آج نہیں کل اس کی عزت بننے والی ہے چپ چاپ خود کو شاہد کے جذباتی طوفان کے حوالے کر دیا۔

صبح ہوئی تو سب نے دیکھا وہ نئی نویلی دلہن کی طرح شاہد سے شرما رہی تھی۔ شاہد کی چھیڑ چھاڑ بھی اب زیادہ ہی

بڑھ چلی تھی۔ اس تبدیلی کو محسوس کرنے والا اس کا منہ بولا بھائی چونک گیا۔ اس نے ناز کو ریڈیو اسٹیشن لے جانے کے لیے تیار ہونے کا کہا تو ناز نے صاف انکار کر دیا۔ شاہد کا پڑھایا ہوا سبق دہراتے ہوئے بولی۔

''بھائی جان آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں زندگی بھر اس کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ مگر اب میں ریڈیو میں کام نہیں کروں گی۔ میں نے شریفانہ زندگی پسند کر لی ہے۔''

اس وقت شاہد بھی سر جھکائے آ کھڑا ہوا کہنے لگا۔ ''آپ ناز کو کام کرنے پر مجبور نہ کریں، اسے میں سہارا دینے پر تیار ہوں۔''

گھر کے ہر فرد کو جیسے کرنٹ چھو گیا۔ غریب شخص بوکھلا اٹھا کہ وہ اس لڑکی کو اس لیے تو گھر نہیں لایا تھا کہ وہ گھر کے سکون کو تہہ و بالا کر دے گرج کر بولا۔

''تم دونوں میرا گھر چھوڑ دو، جہاں چاہو جا کے منہ کالا کرو۔ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

شاہد نے ناز کا ہاتھ پکڑا اور باہر آ گیا۔ رکشا لیا اور سیدھے اسٹیشن پہنچے۔ حیدر آباد کا ٹکٹ لیا اور چند گھنٹوں میں دونوں حیدر آباد جا پہنچے کچھ دنوں کسی دوست کے گھر رکھا بعد میں چھوٹا سا گھر کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ ناز کسی طرح جلد از جلد نکاح کرنا چاہتی تھی مگر شاہد کا موقف تھا کہ امی ابا راضی ہو جائیں پھر ڈھنگ سے شادی کریں گے۔ دو ڈھائی مہینوں میں ناز کا پاؤں بھاری ہو گیا، وہ پھر شاہد سے الجھ پڑی کہ خدارا اس ہونے والے بچے کو ''حرامی'' کہلوانے سے بچا لو۔ شاہد ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

''تو نے اپنے جو حالات مجھے بتائے ہیں اس سپاہی نے صرف کورٹ سے اجازت نامہ لے کر تجھے تیرے شوہر سے آزاد کرا دیا۔ اس بات سے میں الجھن میں ہوں کہ شرعی طور پر تیری طلاق نہیں ہوئی۔ میں کوشش کر کے تجھے شرعی طلاق دلوا دوں تب ہماری شادی ہو سکے گی۔ ورنہ یہ شادی کسی طور پر جائز نہ ہو سکے گی۔''

بھولی لڑکی اس عیاری کو بھی وفا سمجھی۔ ایک دن نہ دو دن پورے دو برس شاہد نے اس کے ساتھ گزارے۔ ایک لڑکی ہوئی پھر لڑکا ہوا۔ دو بچوں کے بعد شاہد نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''تجھ پر اعتبار کرنے کو دل نہیں مانتا، میں تجھ سے کیسے شادی کروں۔'' اور اس دل نہ ماننے کے کھیل میں ناز کی جوانی اٹھارہ انیس برس کی عمر میں ہی ڈھل گئی۔ رات دن کی سوچوں نے اسے ذہنی اور جسمانی طور پر کھوکھلا کر دیا۔ وہ اکیلی ہوتی تو بربادی کو اپنی تقدیر سمجھ کر زندگی کا زہر پیئے جاتی۔

مگر اب سوال ان دو بچوں کا تھا۔ جنہیں ان حالات میں ناز سے بھی بھیانک اور بدتر مستقبل ملے گا۔ وہ اکیلی عورت کہاں ان کے راستے کے پتھر کانٹے ہٹائے گی۔ جب کہ ابھی اس کے اپنے آگے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں۔ اور کون جانے شاہد اسے انہی حالات میں کتنے کھلونے اور دے جائے۔ اب وہ مہینے میں ایک آدھ بار آتا ہے۔ اپنا مردانہ حق وصول کر کے چند روپے ہاتھ پر رکھ کر چلا جاتا ہے۔ اب وہ صاف کہہ چکا تھا کہ ''شادی بیاہ کا خیال دل سے نکال دو۔''

پھر بھی ناز اسے اپنے پاس آنے سے منع نہیں کر سکتی کہ وہ اس کا محبوب بنا..... پھر اس کے بچوں کا باپ..... وہ کس دل سے اسے آنے سے روک دے۔ جب کہ دال پانی کے لیے چند پیسوں کا بھی وہی سہارا ہے۔ وہ عزت دار بننے کے خواب دیکھتی تھی اور ذلت بھری زندگی کا شکار ہو گئی۔ مگر اب بھی اس کی امید پر جی رہی ہے شاید..... شاید شاہد آج کہہ دے کہ:

''ناز میں مولوی اور گواہ لے آیا ہوں، تو آج سے دین اور دنیا کی نظروں میں بھی میری بیوی ہے۔''

کون جانے شاہد کی اس امید کے سہارے اس کن کن خارزاروں میں اور گھسیٹے گا۔

☆☆☆

کاپر نیل پالش

ریحانہ آفتاب

پہلا تاثر ہی آخری تاثر ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی
پہلا تاثر آخری تاثر نہیں ہوتا کیونکہ جسے ہم
جانچ رہے ہوتے ہیں وہ کسی پریشانی، خوف
گھبراہٹ اور غصے میں بھی ہوسکتا ہے

پیار اور محبت کی کشتی میں سوار دو پریمیوں کی کہانی

جو تکلف کی حد سے نہ آگے بڑھی
وہ ملاقات بھی داستاں بن گئی

آبگینے میر جونہی نیل پالش لیے پلٹی آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہونے والے شخص سے بری طرح ٹکرا گئی۔

''ہائے اللہ!'' اک لمحے کو حواس ہی جاتے رہے۔ سر پکڑے وہ تحیر سے نیچے ٹوٹی ہوئی نیل پالش کی بوتل کو دیکھ رہی تھی۔ نازک بوتل ٹکر لگتے ہی اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی اور اب فرش پہ بکھری پڑی تھی۔ غصے کی شدید لہر اٹھی تھی۔ مٹھیاں بھینچ کے وہ غصہ سے ٹکرانے والے شخص کو دیکھنے لگی۔ کافی کلر کی شرٹ میں آنکھوں پہ ڈارک گلاسز چڑھائے انتہائی جاذب نظر شخص کو وہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ویری سوری! میرے پرفیومز پیک کر

دیئے۔'' اک نظر فرش پہ بکھری بوتل اور دوسری اس پہ ڈال کر وہ دو فقرے ادا کر کے سیلز مین سے استفسار کرنے لگا۔

''نقصان بھی کر دیا اور سوری بھی یوں کر رہا ہے جیسے احسانِ عظیم کر رہا ہو۔'' اس کی بے نیازی نے آبگینے میر کو چراغ پا کر دیا۔

''آپ کی بصارت تو ٹھیک ہے ناں......!'' اس کے تلملا کر کہنے پہ وہ شخص یوں چونک کے مڑا جیسے کہہ رہا ہو آپ ابھی تک یہیں موجود ہیں۔ اس کے پرسکون انداز نے اس کا غصہ دو چند کر دیا۔ اک بار پھر نیل پالش کا غم رلانے لگا۔

''الحمد للہ سلامت ہے!'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''آپ کی آنکھوں پہ تو اندھیرا چھایا ہوا ہے جب ہی آپ کو ساڑھے پانچ فٹ کی لڑکی دکھائی نہیں دی۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اس کے سکون کو درہم برہم کر دے۔

''دیکھیں میم! زیادہ سیخ پا ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ دوسری نیل پالش لے لیں۔ پے منٹ میں کر دوں گا۔'' اس کے ناگوار لہجے نے جیسے اسے آگ لگا دی۔

''کسی بگڑے۔ ہوئے باپ کی بگڑی اولاد معلوم ہوتے ہیں۔''

''آپ حد میں رہ کر بات کریں۔'' اب کے وہ اسے غصہ دلانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

''انہیں مطلوبہ نیل پالش دے دو۔'' انداز ایسا تھا جیسے جلد سے جلد اسے نظروں سے دور کرنا مقصود ہو۔ وہ سیلز مین سے مخاطب ہوا جو تماشائی بنا کھڑا تھا۔

''سوری سر، یہ آخری ہی پیس تھا ان کے مطلوبہ کا پر نیل پالش کا۔'' سیلز مین نے لاچاری سے کہا۔

''یہ پیسے رکھ لیں آپ!'' اس نے اپنا والٹ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ تو جیسے توے پہ جا بیٹھی۔

''سمجھ کیا رکھا ہے آپ نے خود کو، اک تو میرا نقصان کر دیا۔ شرمندہ نظر آنے کی بجائے آپ اکڑ دکھا رہے ہیں، اگر دوسری ہوتی تو میں خود نا خرید لیتی پچیس دکانیں ڈھونڈنے کے بعد یہ مطلوبہ کلر ملا تھا اور آپ......'' وہ آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

''دیکھیے محترمہ......'' اس کے تمتماتے چہرے پہ نے اک ناگوار نظر ڈالی۔

''مجھے مت دکھائیں بلکہ آپ۔'' سنیں، یہ پیسوں کا رعب اپنی جیسی کے سامنے ڈالیے گا۔ کیا معلوم حرام کے ہیں یا حلال کے۔'' بہت کوفت بھرے انداز میں اس شخص نے سانس لی تھی۔ سیلز مین کو پرفیومز کی پے منٹ کر کے وہ شانِ بے نیازی سے چلا گیا۔ وہ متواتر اسے برا بھلا کہہ رہی تھی۔

''یا اللہ آبگینے کیا ہوا؟'' دوسری شاپ سے عینا لوٹی تو آبگینے سے تحیر سے پوچھنے لگی۔

''کیسا جاہل اور اجڈ شخص ہے۔'' وہ اب تک کھول رہی تھی۔

''کون؟'' عینا نے آس پاس نظر دوڑائی۔

''چلا گیا۔ اتنی مشکلوں سے نیل پالش ملی تھی مگر اس اندھے نے توڑ دی۔''

''اوہ نو......!'' عینا کو بھی افسوس ہوا۔

''دوسری لے لیتے ہیں۔''

''میرا دماغ خراب نہ کرو عینا، پہلے ہی خراب کر دیا ہے اس گھٹیا انسان نے...... تمہارے شہر میں نہ چیزیں ڈھنگ کی ملتی ہیں نہ لوگ۔'' وہ تلملا کے شاپ سے باہر نکلنے لگی تو عینا نے چپ سادھ لی۔

☆☆☆

''ہو گئی شاپنگ...... کیا کیا لیا؟'' وہ دونوں کامن روم میں چلی آئی تھیں۔ جب نتاشا نے سوال کیا۔

''کچھ خاص نہیں......'' شاپنگ بیگز سائیڈ پہ رکھ کر عینا صوفے پہ بیٹھ گئی۔

''تمہاری نیل پالش مل گئی آبگینے؟'' نتاشا نے اس کے بگڑے موڈ کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ملی بھی اور نہیں بھی۔'' کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے عینا نے کہا۔

''مطلب؟'' مطربہ نے نیلز فائل کرتے گفتگو میں حصہ لیا۔

''موڈ بہت خراب لگ رہا ہے، خیریت.....'' اوینہ نے بھی لب کشائی کی۔ اس نے جیسے نا بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''مت چھیڑو اسے بازار میں ''جنگ'' کر کے آرہی ہے۔'' عینا نے زیرلب مسکراتے ہوئے اس کے پھولے منہ کو دیکھا۔

''جنگ..... یہ تو بہت امن پسند ہے، اجنبی سے یوں بھی بحث کرنا گناہ تصور کرتی ہے بارگینگ سے بچنے کے لیے منہ مانگی قیمت دیتی ہے۔ پھر جنگ کی نوبت کیوں آئی.....؟'' وداجو اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی اس نے تحیر کا اظہار کیا۔

''تقریباً ساری شاپس کھنگالنے کے بعد اسے مطلوبہ نیل پالش ملی تھی اور کسی محترم سے یہ اس بری طرح ٹکرائیں کہ نیل پالش ٹوٹ گئی اور اتفاق سے واحد شاپ پہ وہ واحد پیس تھا۔''

''مائے گاڈ! کیا افسانوی ٹکر ہے، آبگینے دیکھنے میں کیسا تھا؟'' افسانوں کی رسیا نزہت نے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نزہت پلیز میں پہلے ہی اپ سیٹ ہوں، بے کار میں، میں اپنی آدھی چیزیں گھر ہی بھول آئی۔ نام کو بڑا شہر ہے کراچی مگر مطلوبہ چیز مل کے نہیں دیتی..... آج مایوں کا فنکشن میں کیسے اٹینڈ کروں گی۔ اس کے بنا تو میں کوئی نیل پینٹ استعمال ہی نہیں کرسکتی۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

سب ہی اس کے کا پر نیل پالش کے ''عشق'' سے باخبر تھے۔ جسے کبھی کوئی اور نیل پینٹ استعمال کی تو عشق بدنام ہوجائے گا۔

''سارا قصور اس منحوس اندھے شخص کا ہے۔ لینڈ لارڈ کی اولاد۔ سوری بھی یوں کر رہا تھا جیسے میری پشتوں پہ احسان کر رہا ہو۔ بدتمیز جاہل اجڈ۔'' اسے پھر اس شخص کا کوفت بھرا انداز اور بے نیازی یاد آئی تو کھول اٹھی۔ سب ہی زیرلب مسکرا کے اس کا تمتماتا ہوا چہرا دیکھ رہے تھے۔

''میرا شدت سے دل چاہ رہا ہے کہ ابھی وہ نظر آجائے اور میں اس کا حشر کردوں۔''

''عینا! تمہیں چھوٹی چاچی بلا رہی ہیں۔'' مردانہ آواز پہ سب ہی چونک کے مڑے تھے۔ آبگینے کے لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔ امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی دوبارہ ملاقات ہوجائے گی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر اک پل کو ٹھٹکا تھا۔ آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی رمق جھلکی تھی پھر وہ پیغام دے کر چلتا بنا۔

''یہ تمہیں کیا ہوگیا؟'' سب ہی اس کی تخریب کارانہ گفتگو پہ حیران بیٹھی تھیں۔ اب جو اسے اپسیٹ بنا دیکھا تو حیرانگی کا مظاہرہ کیا۔

''غصے کی زیادتی نے اس کے حواس سلب کر دیئے ہیں۔'' عینا جواب دیتی باہر جانے لگی۔

''پانچ بج چکے ہیں اور تم سب یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہو، رسم مغرب کے بعد ہوگی۔ فٹافٹ تیار ہوجاؤ۔ یوں بھی تین چار گھنٹے تو تم لوگوں کو چاہیے۔ ہری اپ۔'' عینا کی بھابی نے آکر سب کو اطلاع دی اور وقت کا احساس ہوتے ہی سب دوڑ لگا چکی تھیں۔

''مغرب سے پہلے سب بمشکل تیار ہوئی تھیں۔ تائی امی رسم کے لیے سب کو کئی بار پیغام بھجوا چکی تھیں۔ مگر آخری وقت تک کوئی پرفیوم کی بوتل ڈھونڈ رہی تھی تو کوئی جوتا ڈھونڈو مہم میں مصروف تھی۔ تائی امی سب کو

خود ڈانٹ کر ساتھ لے گئی تھیں۔

رسم کی یوں بھی جلدی تھی کہ دولہا اور دلہن والے ایک ہی گھر میں رہائش رکھتے تھے۔ بڑے چاچا کے فرزند نیک ارجمند شارع اور چاچا کی بڑی دختر نیک اختر رامین رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے جا رہے تھے۔ گھر کی خاموشی بتا رہی تھی کہ سب لڑکیاں اور لڑکے لان میں تشریف لے جا چکے ہیں۔

عینا کو اس نے کنگن رکھنے دیئے تھے مگر جانے وہ کہاں رکھ گئی تھی۔ گھر تو یوں نقشہ پیش کر رہا تھا جیسے آفت زدگان کے لیے امداد آیا رکھا ہو۔ کوئی بھی چیز جگہ پہ نہیں تھی۔ لاؤنج میں کھوجتی نظریں دوڑا کے آخری آس لیے وہ کچن میں آئی۔ فریج کا جائزہ لیا تو اسے کنگن نظر آ گئے۔ زرد پھولوں کا کنگن وہ بڑے سلیقے سے کلائی میں ڈال رہی تھی۔ جب سیٹی کی دھن قریب ہی سنائی دی۔ زرد اور براؤن امتزاج کے سوٹ اور تین گز کے ہم رنگ دوپٹے میں زرد پھولوں کے کنگن ڈالتے دیکھ کے وہ شخص دروازے میں ہی رک گیا تھا۔ زرد پھول کالے گھٹاؤں سے بال میں سج کے حسین منظر پیش کر رہے تھے۔ اس کے سجے سنورے روپ پہ اک نظر ڈال کے وہ ملازمہ کو مخاطب کر چکا تھا۔

''بوا پلیز ایک کپ اچھی سی کافی بنا دیں۔''

''کچھ کھانے کو دوں۔ دوپہر کو بھی آپ نے کھانا نہیں کھایا۔'' کافی کی بوتل کھولتے بوا نے محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''اب بھوک نہیں رہی، آپ صرف کافی دے دیں۔ تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔'' وہ ایزی ہو کر چھوٹی سی ڈائننگ چیئر پہ بیٹھ گیا۔ بوا سے یوں مخاطب تھا جیسے کوئی اور موجود ہی نا ہو۔

''صبح سے آپ محنت بھی تو بہت کر رہے ہیں۔'' بوا نے جانثار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کو کتنی بار کہا ہے مجھے تم کہا کریں گود میں کھلایا ہے آپ نے، مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' وہ بچے کی طرح بسورنے لگا تو آبگینے نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وائٹ کلف لگے شلوار سوٹ میں براؤن شال اسٹائل سے ڈالے خوبصورت ہیئر اسٹائل کے ساتھ معصومیت سے مسکراتے دیکھ کے آبگینے کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس کی بات پہ بوا ہمیشہ کی طرح مسکرا دیں۔

''رسم شروع ہو گئی؟'' بوا پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں ہونے والی ہے۔ آپ جائیں ماما آپ کو بلا رہی ہیں۔'' مگ لبوں سے لگاتے ہوئے غیر ارادی طور پہ نظر آبگینے کی طرف اٹھ گئیں۔ آنکھوں میں سوالات سمٹ آئے تھے۔

''بوا! پلیز اسے بند کر دیں۔'' کافی دیر کی کوشش کے بعد وہ دونوں کنگن والے ہاتھ بوا کے سامنے پھیلائے۔ بوا پلٹ کے کنگن بند کرنے لگیں۔

''تھینک یو سو مچ بوا۔'' زبردست طریقے سے وش کرتے ہوئے وہ بے ساختہ ان کے گال چھو گئی۔ بوا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ کل کی آئی ہوئی یہ لڑکی ایسے بی ہیو کر رہی تھی۔ جیسے بہت محبت ہو۔ اخبار کا گولہ بناتے ہوئے وہ ڈسٹ بن میں ڈال کر اس کے قریب سے گزر گئی۔ اس کی نظریں بے اختیار اس کے لمبے تراشیدہ ناخنوں پہ پڑی تھیں۔ چمکتے ناخن دیکھ کے وہ تحیر سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

''بوا یہ کون ہیں؟'' وہ الجھن دور کرنا چاہ رہا تھا۔

''عینا بیٹی کی کزن ہیں خالہ کی بیٹی۔'' اسلام آباد والی.....؟'' وہ چونک کے پوچھ رہا تھا۔

''جی..... بہت کم آنا ہوتا ہے ان کا۔ میرا خیال ہے سات سال پہلے آئی تھیں۔ جب سعدیہ اور وہاب صاحب کی شادی ہوئی تھی، ہر سال تو بچے خود اسلام آباد چلے جاتے ہیں اس لیے یہ کم ہی آتی ہیں اور آپ نے بھی تو کافی عرصہ بعد دیکھا ہے۔ اب تو بڑی ہو گئی ہیں۔''

''ہوں.....'' اس نے ہنکارا بھر کے گگ سنک میں رکھا۔

☆☆☆

اس نے لان میں قدم رکھا تو آنکھیں لان کی چکا چوند سے چندھیا گئیں۔ ان کی چھب ہی نرالی تھی۔ سرسبز و شاداب شجر کے سینے پہ روشنی مسکرا رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے طائرانہ نگاہ ڈال رہی تھی۔

''کہاں رہ گئی تھیں۔'' عینا اس تک آئی۔ اس کا ہاتھ پکڑے آگے چلنے لگی۔ خاندان دوست احباب جمع تھے۔ عینا کی بیچ محفل میں ایسی حرکت پہ سب ہی دیکھ رہے تھے۔

''عینا ہاتھ چھوڑو، سب دیکھ رہے ہیں۔'' لوگوں کی نظروں سے خفت محسوس کر کے اس نے ہاتھ کھینچا مگر عینا نے رامین کے پاس اسٹیج پہ بٹھا کر ہی دم لیا۔ ہنسی مذاق میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ پچوشن اس وقت دلچسپ ہوگئی جب سارے لڑکوں کی جھرمٹ میں شارع بھی آ کر انجوائے کرنے لگا۔ تائی اماں نے ڈانٹا بھی مگر سارے شیطان کے پوتے بنے بیٹھے تھے، انہیں منا ہی لیا۔ کزنز کی سپورٹ پہ شارع بھی راجہ اندر بنا بیٹھا تھا۔ شارع کی سائیڈ سے لڑکے رامین کو تنگ کر رہے تھے تو لڑکیاں بھی جم کے کھینچائی کر رہی تھیں۔

مہمان کھانا کھا رہے تھے۔ جب سارے کزنز اسٹیج پر براجمان ہو گئے۔

''لان کو اتنے زبردست طریقے سے سجایا گیا ہے اور اس کی سجاوٹ میں اتنی نفاست ہے کہ یقیناً کسی دل والے نے یہ کام خوبصورتی سے کیا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے ڈیکوریٹ کرنے والے کو سلیوٹ کروں۔'' وہ پاس بیٹھی عینا سے اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ واقعی لان میں بس چاند، تاروں کی کمی تھی۔ متاثر کن لہجے میں وہ ماحول کی سحر انگیزی میں ڈوب کے کہہ رہی تھی۔ مگر آواز اتنی دھیمی ہرگز نہیں تھی کہ کزنز پارٹی نے نا سنا بلکہ اس کی بات مکمل ہوئی ہی تھی کہ سب بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھے۔ وہ باری باری سب کے چہرے دیکھنے لگی۔

''کیا کسی کی تعریف کرنا گناہ ہے؟ میں نے کچھ غلط کہا۔'' وہ برا مان گئی۔

''بالکل نہیں بلکہ ہم تو آپ کی ''پہنچ'' پہ ہنس رہے تھے ماشاء اللہ کتنا صحیح تجزیہ ہے۔ دل والے''

''اب ہر کوئی تمہاری طرح اپنا دل ہتھیلی پہ لیے جو نہیں پھرتا۔'' مشرف کی بات پہ کسی نے گل فشانی کی تھی۔ فضا میں قہقہے گونجنے لگے تھے۔

''کسی کی خوبی کی تعریف کرنا کوئی بری بات تو نہیں مجھے اچھا لگا۔ اس لیے کہہ دیا۔ بائی دا وے کون سے سجاوٹ والوں کو بلایا تھا۔''

''کیوں آپ نے ہاتھ چومنا ہے؟'' عیاد کی بات پر پھر اک قہقہہ بلند ہوا تھا۔

''ہاں'' اس نے جل کر کہا۔ سب نے تماشا ہی لگا دیا تھا۔

''پھر تو یہ رہے وہ حضرت جو خیر سے اب تک ''دل والے'' بھی ہیں اور عنقریب یا بدیر ہمیں نظر تو نہیں آ رہا کہ..... پھر کیا خیال ہے اپنے لفظوں پہ قائم ہیں۔'' احمر کہتے ہوئے شوخی سے سامنے سے ہٹ گیا۔ اور احمر کے پیچھے جس شخص پہ اس کی نظر پڑی وہ خود کو کوس کے رہ گئی۔ ضرورت کیا تھی اتنی برملا تعریف کی۔ لیکن جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آ سکتا تھا۔ اسی طرح اس کے الفاظ لوٹ نہیں سکتے تھے۔

''اپنی قدردان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ایشان جاہ'' نظیر اسے چھیڑ رہا تھا۔

''شٹ اپ!'' چہرے پہ ناگواری کے گہرے تاثرات تھے۔ وہ سب کے سامنے پھیکی پڑ گئی۔

''برا مت ماننا آ بگینے، ایشان بھائی بہت اچھے ہیں۔'' جانے کس نے اس کی دلجوئی کی تھی۔ وہ پھیکی مسکراہٹ لبوں پہ سجا گئی۔

''واقعی لان تو آج کشمیر سا خوبصورت لگ رہا ہے۔تم شاید آج پہلی بار ملی ہو ان سے۔'' نتاشا نے اندازہ لگایا۔

''شاید'' وہ اس موضوع سے بھاگنا چاہ رہی تھی۔

''دراصل ایشان بھائی تایا ابو کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں شروع سے ہی اپنی نانی کے پاس سوئٹزرلینڈ میں رہے۔وہیں پلے بڑھے،سال میں اک آدھ چکر لگ جاتا تھا۔سعدیہ بھابی یعنی اپنی بہن کی شادی میں آئے تھے اور پچھلے سال نانی کے انتقال کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے پاکستان چلے آئے۔'' عینا نے تفصیل گوش گزار کی اور وہ اسے بتا نہ سکی کہ یہی وہ شخص ہے جس سے شاپ پہ مڈبھیڑ ہوئی تھی۔اسے شدید غصہ نہیں آتا تھا۔وہ تو بہت ٹھنڈے مزاج کی تھی۔مگر جس وجہ سے اسے غصہ آیا تھا وہ چیز بڑی پاور فل تھی۔اب وقت گزرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس نے ناحق اتنی باتیں سنا دی تھیں۔اسے تو ہمیشہ سے دوسروں کی پڑی رہتی تھی۔ناراض ہونے والے سے جب تک معذرت نہ کر لیتی،روٹھنے والے کو منا نہ لیتی اسے سکون نہیں ملتا تھا۔مگر اس کے سرد تاثرات دیکھ کے اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی کچھ کہنے سننے کی۔وہ بھی چہرے پہ Don,t Disturb کا پوسٹر چپکائے پھرتا تھا۔

☆☆☆

''آبگینے بیٹا! دیکھنا کچن میں بوا ہوں تو ان سے کہنا میرے لیے چائے بھیج دیں۔'' وہ گزر رہی تھی جب تائی امی نے اپنے کمرے سے آواز دی۔

''جی میں کہہ دیتی ہوں۔'' وہ سر ہلاتی کچن میں آ گئی۔مگر بوا کہیں نظر نہیں آئی تو وہ خود ہی چائے بنانے کھڑی ہو گئی۔جب تک بوا کو ڈھونڈتی اتنی دیر میں چائے بھی بن جاتی۔

''تائی امی چائے!'' وہ مگ لیے کھڑی تھی۔

''آہ! رکھ دو بیٹا۔'' اک کراہ کے ساتھ وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوا تائی امی!'' وہ فکرمندی سے ان کا سست چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''سر میں شدید درد ہے بیٹا۔لگتا ہے بی پی بڑھ گیا ہے۔''

''آپ نے بد پرہیزی کی ہو گی۔'' وہ اندازہ لگانے لگی۔

''گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے۔سو طرح کے کام ہیں اور میں پرہیزی پکواؤں۔'' تائی امی کو سب کی فکر تھی جس کی وجہ سے وہ خود کو نظر انداز کر گئی تھیں۔

''یہ کیا بات ہوئی۔اچھا آپ کے لیے پرہیزی کھانا میں پکا دوں گی۔اس وقت تو لائیں آپ کا سر دبا دوں۔'' وہ بستر پہ چڑھ کے آرام سے بیٹھ گئی۔

''ارے نہیں بیٹا رہنے دو،چائے پی لوں گی تو آرام آ جائے گا۔''

''بالکل نہیں۔'' اپنی ہمدردانہ فطرت سے مجبور ہو کر منع کرنے کے باوجود روغن بادام سے مساج کرنے لگی۔بی پی کی ٹیبلٹ دی جو وہ شادی کی جھنجھٹ میں نہیں لے رہی تھیں۔وہ اب ان کی پیشانی ہولے ہولے دبا رہی تھی۔انہیں بہت سکون مل رہا تھا۔

''ماما میری بلیک شرٹ نہیں مل رہی۔'' وہ عجلت میں اندر آیا تھا۔حیرانی سے آبگینے نے دوپٹا اٹھا کر گلے میں ڈالا تھا۔لڑکیاں نیچے ہال میں ڈھول بجا رہی تھیں۔صرف ماں کی موجودگی محسوس کر کے چلا آیا تھا مگر اب بلیک جینز،بلیک بنیان میں اس کے سامنے خجل سا ہو گیا۔

''مومو سے پوچھ لو اسے استری کرنے کو دی تھی۔'' تائی امی نے ملازمہ کا نام لیا۔

''آپ کو کیا ہوا؟'' آبگینے کی طرف دیکھنے سے بھی پرہیز کر رہا تھا۔

''کچھ نہیں۔سر میں درد ہو رہا تھا مگر بڑا اثر ہے

آ بگینے کے ہاتھ میں..... درد بھی اس کی پوروں کی نرمی سے جیسے ہار گیا۔'' تائی امی محبت سے اس کے ہاتھ لبوں سے لگا گئیں تو اس کے چہرے پہ حیا آمیز رنگ بکھر گئے۔

''اب ٹھیک ہیں آپ..... کہیں تو ڈاکٹر کو بلا لوں۔'' وہ متفکر تھا۔

''ارے نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' تائی امی نے یقین دلایا تو وہ مطمئن ہو کر واپس مڑ گیا۔ آ بگینے کی نظر اس کی پشت پہ جم گئی تھی۔

☆☆☆

ہال میں اس وقت افراتفری کا سا سماں تھا۔ لڑکیاں اصول پیٹ پیٹ کے گا رہی تھیں۔ نتاشا سب کو مہندی لگا رہی تھی۔ کل مہندی کی تقریب تھی۔ مہندی لگانے کے ساتھ ساتھ وہ ان کی آواز میں اپنی آواز بھی ملا رہی تھی۔ نزہت کسی افسانے میں بری طرح مگن تھی مگر ٹکٹکی لگانا نہیں بھول رہی تھی۔

''آ بگینے تم بھی میدان میں آؤ ناں.....!'' مطربہ کی بات پہ وہ بدکی۔

''جی نہیں.....''

''پلیز یار.....!''

''ارے نہیں بھئی.....'' وہ بری طرح بوکھلا گئی۔

''پھر صوفے پہ بیٹھے بیٹھے کیوں مٹک رہی ہو۔'' نتاشا کی نظر بڑی تیز تھی۔

''اتنی خوشامد تو کوئی غیر بھی نہیں کرواتا۔'' ودا نے جیسے امیوشنل بلیک میلنگ کی حد کر دی۔ وہ سب کو گھورنے لگی۔ ساری ہم عمر کزنز تھیں وہ تیار ہو گئی۔

''کون سا گانا بجاؤں؟'' نزہت ڈی جے بنی ہوئی تھی۔

''کوئی بھی لگا لو۔'' وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوئے ہوئے انداز تو ایسا ہے جیسے ہر اک گانے پہ عبور ہو۔'' اوینہ نے چھیڑا تو وہ کھل کر مسکرائی۔ سونگ پلے ہوا تو اس کے قدم خود بخود تھرکنے لگے۔

کب چھپ کے میں گھوی گلی گلی
کہیں ملا نہیں میرا پیا
کلی کھل کے نہیں دی کلی کلی
پر کھلا نہیں میرا جیا
میری اتنی کہانی
میری ہے یہ پریشانی
کبھی آئے کوئی آئے کوئی بولے میں نے دل دیا
ڈھونڈ رہی ہوں میں ایسا دیوانہ
تھوڑا سا پگلا، تھوڑا سیانا

اس کے ہر انداز سے مشتاقی چھلک رہی تھی اور گانے کے اینڈ میں جب وہ چہرے پر بے ساختہ ہاتھ رکھ گئی تو سب ہی حیران ہوئیں۔

''اوہ نو.....!'' اس کی نظر ہال کے دوسرے دروازے پہ پڑیں تو سارا اعتماد جاتا رہا۔ سارے کزنز دروازے میں ''ٹنگے'' ہوئے تھے اور سب سے بڑھ کے ایشان جاہ جو گزر رہا تھا اور کسی نے اسے بھی پکڑ کے کھڑا کر دیا تھا کہ دیکھو..... لڑکیوں نے بھی اسی سمت دیکھا تھا۔ تمام کزنز اسی دم ایک دوسرے کو دھکیل کے اندر داخل ہوئے۔

''کتنا زبردست کیا تم نے، کیا ہی ایشوریہ نے پرفارمنس دی ہو گی۔'' مشرف کے ساتھ سب ہی کے مختلف جملے گونجے بمشکل نظریں اٹھا کے اس نے ہلا کو دیکھا اور اس کی نظریں ایسا انداز لیے ہوئے تھیں کہ وہ بھاگ کے ہال سے نکل گئی۔

☆☆☆

سب اسے مہندی لگانے کو بلا رہی تھیں۔ تائی امی کا پرہیزی کھانا ٹرے میں رکھے عجلت میں نکلی تھی تب ہی اندر آتے ایشان جاہ سے بری طرح ٹکرا گئی۔

''ٹکرانے کا بہت شوق ہے آپ کو.....؟'' عجب

جلتا لہجہ تھا۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ اس شخص نے پہلی بار اس سے کوئی بات کی تھی۔

''آج سوری کون کہے گا۔'' اس کے لہجے کی تپش اسے اپنے دل میں محسوس ہوئی۔

''سوری.....!'' اس نے دھیمی آواز سے کہا۔ وہ خاموشی سے سائیڈ پر ہو گیا۔ تائی امی کو کھانا دے کر وہ ہال میں چلی آئی۔

''آؤ آپی تم بھی مہندی لگا لو۔'' مطربہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

''تم لوگ لگا لو۔ میں بعد میں لگا لوں گی۔'' وہ بجھے دل سے صوفے کی پشت پہ انگلیاں پھیرنے لگی۔

''کیا ہوا بڑی ڈل لگ رہی ہو۔''

''ماما، پاپا یاد آرہے ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا جو میں بھی ان کے ساتھ بارات والے روز آتی۔''

''ہم دھکے دے کر اسی وقت نکال دیتے۔'' ودا نے جل کر کہا تھا۔ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

''کوئی مسئلہ ہے آپ کیلئے؟'' عینا کھوجتی نظریں اس کے چہرے پہ جما دیں۔

''Nothing میں سونے جا رہی ہوں۔'' اس سے پہلے کہ اس کی دلگرفتی کو وہ کوئی معنی پہناتیں وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب نے ناسمجھ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا اور وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے لان کے سنگی بینچ پہ جا کے بیٹھ گئی۔

عجب ایک بے کلی دھیرے دھیرے اسے اپنے حصار میں لے رہی تھی۔ دل جیسے بجھ سا گیا تھا۔ سرسبز لان بھی اسے اجاڑ ویران خالی خالی لگ رہا تھا۔ اس دل گرفتی کی وجہ وہ خود سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کوئی ایسا سرا نہیں مل رہا تھا کہ وہ اپنی اداسی کی وجہ جان پاتی۔ دل میں جیسے کوئی ہولے ہولے چٹکی کاٹ رہا تھا۔ بے چینی حد سے بڑھ گئی تھی۔ بے قراری زیر لب مسکرا رہی تھی۔ اس کیفیت سے پیچھا چھڑانے کو اس نے دونوں کنپٹیوں پر انگلیاں رکھ کے دبائی اور پرسکون ہونے کو آنکھ میچ لی۔ جس تیزی سے آنکھیں موندی تھی اسی تیزی سے اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

دھڑکنوں کی رفتار ریس میں شامل گھوڑے کی طرح تیزی سے جاری تھیں۔ آنکھوں میں تحیر آ جما تھا۔ دائیں بائیں نفی میں سر ہلاتی وہ سخت متعجب نظر آ رہی تھی۔ کچھ لمحے پہلے آنکھوں کی پتلیوں میں جو شخص لہرایا تھا اس نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

''تو کیا میں.....'' ''نہیں.....'' اضطرابی انداز میں بازو سینے پہ لپیٹے وہ لان میں چکر لگا رہی تھی۔

''ایسا نہیں ہو سکتا میرے ساتھ۔'' زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ چہرا دونوں ہاتھوں میں چھپائے رو پڑی۔ اس راہ پہ چل نکلنے پہ دل کو ڈپٹ رہی تھی۔ خود کو لعن طعن کر رہی تھی۔ بچی نہیں تھی جو اس شخص کو جان نا پاتی۔

انداز میں اس کی موجودگی کو برداشت کرتا تھا۔ ابھی کل ہی تو وہ سب کے درمیان بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اچانک وہ چلی آئی تو وہ یوں اٹھ کے بھاگا جیسے ایک بھی سانس اس کی موجودگی میں گراں ہے۔ سب نے محسوس نہیں کیا۔ مگر اسے یہ سب بہت محسوس ہوا تھا۔

''آپ یہاں چہل قدمی فرما رہی ہیں اور پورے گھر میں آپ کو ڈھونڈا جا رہا ہے۔'' برہم لہجہ قریب ہی سنائی دیا۔ اس نے ڈر کے چہرے سے ہاتھ ہٹایا۔ بھیگی گھنیری پلکیں اس کے سامنے تھیں۔ الجھن بھری نظریں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھیں۔ رخ موڑ کر سسکیاں لیتے وہ دوپٹے سے رخسار خشک کرنے لگی۔ اچانک اس کے سامنے آ جانے پہ لب کچل کے رہ گئے۔

''آپ کی ماما کی کال ہے۔ آپ کا سیل فون اندر بج رہا ہے۔'' اس نے پیغام دیا تو وہ خاموشی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

شام کو مہندی کا فنکشن تھا۔ کل چونکہ بارات تھی اس لیے سب کو ہی چوڑیاں میچنگ جوتی اور جیولری کی یاد ستانے لگی۔ یوں سب ہی جانے کو تیار ہوگئیں۔ سب نے اس سے بھی کہا تو وہ نیل پینٹ لینے کے خیال سے تیار ہوگئی۔ خالی نیلو دیکھ کے اسے اپنا ہاتھ اجنبی لگ رہا تھا۔ سب تیار ہو چکے تھے۔ سعدیہ بھابی تائی امی سے اجازت لے چکی تھیں اور اب بیٹا میاں جی کو پکڑائے وہ بھی تیار تھیں۔

''تم آگے بیٹھو گی؟'' اسے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے دیکھ کے وداچینی۔

''کیا مضائقہ ہے۔ ویسے بھی مجھے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھنا اور اپنی پسند کا سونگ سنتے ہوئے سفر کرنا اچھا لگتا ہے۔'' اس نے سرمئی پجیرو کا دروازہ کھٹاک سے بند کیا۔

''کہیں ڈرائیور کو یہ خوش فہمی نہ ہو جائے تم گانا اسے سنا رہی ہو۔'' نزہت نے چھیڑا۔

''زوار خان کو اتنی زبردست خوش فہمی نہیں ہوسکتی۔ آخر اس کی بیٹی جتنی ہوں۔'' وہ بھلا کہاں ہار ماننے والی تھی۔ یوں بھی ماما سے بات کر کے موڈ بہت خوشگوار تھا۔ سونگ لگا کر اس نے ساؤنڈ بڑھا دیا۔

دہلیز پہ میرے دل کی جو رکھے ہیں تو نے قدم
تیرے نام پہ میری زندگی لکھ دی میرے ہم دم

سر سیٹ سے ٹکائے آنکھیں میچے وہ بول گنگنا رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے کسی نے کھٹاک سے دروازہ بند کیا تھا۔ فطری امر تھا کہ وہ ڈرائیور کی طرف دیکھتی اور ڈرائیونگ سیٹ پہ ایشان جاہ کو دیکھتے ہی وہ یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو۔ نجانے اس سے ایسی بے وقوفانہ حرکتیں کیوں سرزد ہوتی تھیں۔ اگر اسے خبر ہوتی کہ ایشان جاہ ساتھ جا رہا ہے تو کبھی فرنٹ سیٹ کا رخ نہ کرتی مگر اب..... زندگی میں اس نے پہلی بار خود کو بے بس محسوس کیا۔

''کیوں آبی اب ڈرائیور کو خوش فہمی تو ہوسکتی ہے ناں.....'' ودا کی بات پہ سب ہنس پڑی تھیں۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل کے رہ گئی۔ ایشان جاہ نے سونگ کھٹ سے بند کر دیا۔

''ایشان بند کیوں کر دیا اتنی تو اچھی چوائس ہے آبی کی۔'' سعدیہ بھابی کی بات نے اسے اور شرمندہ کر دیا۔ ایشان نے بنا کچھ کہے مرر میں اسے دیکھا تھا اور آبگینے کو زمین پھٹ جانے والا محاورہ شدت سے یاد آنے لگا۔ بھینچے لب کے ساتھ وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خواہ مخواہ بھیگ رہی تھیں۔ گیئر پہ اس کا سفید آنچل پڑا تھا۔

''جب سنبھال نہیں سکتیں تو پورا تھان لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' دوپٹہ اٹھا کر اس کی گود میں پھینکتے ہوئے اس نے سرد لہجے میں کہا تھا اور وہ لب کاٹ کے رہ گئی۔ کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ باقی سب اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔ قریبی مال پہ گاڑی رکی تھی۔ سب اپنی مطلوبہ شاپس کی طرف بڑھی تھیں۔

''آبی تم نے نیل پینٹ لی؟'' مطربہ کو اس کا چپ چپ انداز تحیر میں مبتلا کر رہا تھا۔

''نہیں.....'' اس کا دل بے ساختہ رونے کو چاہنے لگا۔

''آؤ لے لیتے ہیں۔'' عینا ہاتھ پکڑے اسی شاپ کی طرف بڑھی۔

''السلام علیکم سر.....!'' سیلز مین نے ایشان سے مصافحہ کیا کیونکہ وہ اپنی ہر ضرورت کی چیز یہیں سے لیتا تھا۔ عینا، آبگینے کا مطلوبہ نمبر بتانے لگی تو سیلز مین چونک کے دونوں کی صورت باری باری دیکھنے لگا۔ تین دن پہلے کا واقعہ کوئی اتنا پرانا تو نہیں تھا۔ ایشان کو اس کی نظروں سے کوفت ہونے لگی تھی۔

''تھینکس ٹو اللہ مل گئی۔'' عینا خوشی سے چلائی۔

سب نے یوں شکر ادا کیا جیسے کوئی محاذ فتح کر لیا ہو۔ نیل پینٹ ہاتھ میں لیے وہ اسے یوں گھور رہی تھی جیسے وہی فساد کی جڑ ہو۔ سب ہی اپنی اپنی چیزیں لے کر پجیرو تک آئیں۔

''ارے تم پیچھے کہاں جا رہی ہو، تمہیں تو آگے بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔'' نزہت حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

''ضروری نہیں سب کچھ، ہر وقت اچھا لگے۔'' زخمی مسکراہٹ لبوں پہ آ کے دم توڑ گئی تھی۔ سب ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگیں۔ اس نے بھی ایک نظر اس کے پھیکے چہرے پہ ڈالی تھی اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ کتنا دکھ دیتا ہے اس وقت یہ احساس کہ جسے آپ چاہ رہے ہیں وہی آپ کی موجودگی سے خائف ہے۔ آپ کا وجود ناقابل برداشت ہے۔ یہ جان کر کتنا دکھ ہوتا ہے اس وقت۔ درد بہت شدید تھا۔ ہلکی ہلکی ٹیسیں دل میں چٹکیاں کاٹ رہی تھیں۔ سب کی نظر بچا کر اس نے آنکھیں صاف کی تھیں۔

☆☆☆

''ایشان! تمہیں آبگینے کیسی لگتی ہے؟''

''کیوں ماما؟'' سمجھ تو گیا تھا مگر انجان بن کے پوچھنے لگا۔

''اچھا اب بنو مت زیادہ۔ خوبصورت ہے۔ خوب سیرت ہے۔ محبت بھرا دل رکھتی ہے۔ شادی کے بعد ایک گھر میں رہتے ہوئے سعیہ بیٹی ہونے کے باوجود بہت دور لگتی ہے، مگر آبگینے نے چند دنوں میں دل میں گھر کر لیا۔

''تو اسی لیے خدمتیں ہو رہی تھیں۔'' اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

''ایشان! خبردار جو تم نے اس معصوم کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا کہا۔''

''آپ کو برا لگا تو معافی چاہتا ہوں۔'' لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

''خوب جوڑی سجے گی تم دونوں کی۔ میں چاہتی ہوں......''

''مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتا ماما بھلے اس میں لاکھ کوالٹیز ہوں مگر وہ میرے معیار پہ کھری نہیں اترتی۔ میں اس سے کوئی بھی تعلق استوار کرنے کی خواہش نہیں رکھتا۔'' اٹل لہجے میں کہتے ہوئے وہ باہر نکلا تھا اور دیوار سے پشت ٹکائے وہ بالکنی کی اوٹ میں جھٹ سے ہو گئی تھی۔

''تف ہے آبگینے میر تم نے ایشان جاہ جیسے شخص کو دل میں داخل ہونے دیا۔'' نہایت خاموشی سے آنسو بہتے چلے گئے۔ بن کھلے پھولوں کی موت پہ ماتم کرتے اس نے بے دردی سے رخسار رگڑ ڈالے۔

مہندی کا فنکشن عروج پہ تھا۔ وہ اس شخص کو جتانا نہیں چاہتی تھی کہ اس نے اس کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ اندر ایک حشر برپا تھا مگر چہرے پہ سمندر جیسا سکون تھا۔ ''مہندی کی خوشبو سے'' پہ کزنز کے ساتھ بھنگڑا کرتے ہوئے اسے یہ شخص دنیا کا قابل نفرین شخص لگا۔ مگر حیران کن بات تھی۔ وہ اس سے نفرت نہیں کر سکتی تھی۔ بیک وقت دو جذبے دل میں تو نہیں رہتے۔

☆☆☆

رت جگا کرنے کے باعث سب دن چڑھے تک سو رہے تھے۔ مگر اس کی آنکھیں نیند سے خالی تھیں۔

میری آنکھوں کے سمندر میں جلن کیسی ہے
آج پھر دل کو تڑپنے کی لگن کیسی ہے

''ابھی تو میں نے نئی نویلی محبت کو محسوس کرنا شروع ہی کیا تھا کہ

''آبگینے تمہاری ماما اور پاپا آئے ہیں۔'' ادینہ بتا کے جا چکی تھی۔

دوپٹہ ہاتھ میں پکڑے وہ یوں بھاگی جیسے قفس میں تازہ ہوا کی نوید ملی ہو۔ اچانک سامنے آتے ایشان جاہ سے بڑی زبردست ٹکر ہو جاتی اگر وہ دیوار تھام کر خود کو

روک نا پاتی۔

''یہ گھر ہے ریس کورس نہیں۔'' کھلے بالوں اور ہاتھ میں دوپٹے کا ایک سرا پکڑے اس نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ گھر جوان لڑکوں سے بھرا پڑا تھا۔ مگر وہ تو ماما، پاپا کی خوشی میں سب بھولے بیٹھی تھی۔

''شٹ اپ، مائے اون بزنس!'' اس کے سرد لہجے پہ وہ مروت کو ایک سائیڈ رکھ کے تلخ لہجے میں کہہ گئی تھی۔ حیران کھڑے ایشان جاہ پہ تمسخرانہ نگاہ ڈال کے آگے نکل گئی۔ البتہ دوپٹہ وجود پہ پھیلا لیا تھا۔

☆☆☆

بارات آنے ہی والی تھی۔ تقریباً تمام ہی افراد میرج ہال پہنچ چکے تھے۔ ایشان جاہ تمام کمرے لاک کر رہا تھا۔ غیر ارادی طور پہ اس کی نظر سامنے اٹھ گئی تھی۔ وہ یوں ٹھٹکا جیسے چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا ہو۔ سامنے سے جدید تراش خراش کے کاپر سوٹ میں حسین میک اپ کیے وہ آ رہی تھی۔ آرٹی فیشل گولڈ، ڈائمنڈ کی بجائے اس نے پھولوں کا زیور پہن رکھا تھا۔ موتیا کے کنگن، بالے اور گجروں نے اس کے روپ کو جلا بخش دی تھی۔ سارے مہنگے گہنے ایک طرف ہو کر بھی قدرتی چیزوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے جو روپ اسے ان پھولوں نے بخشا تھا وہ یقیناً دنیا کی مہنگی سے مہنگی چیز عطا نہیں کر سکتی تھی۔ زمین نے جیسے اس کے پیر جکڑ لیے تھے۔ وہ مبہوت ہو کے اسے دیکھے گیا۔ اس کے وجود سے پھوٹتی روشنی دل میں گھر کرتی محسوس ہوئی۔ بلیک پینٹ شرٹ اور مسٹرڈ جیکٹ میں وہ بھی بڑا چارمنگ لگ رہا تھا۔ وہ نظریں چرا کے مین گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''آپ گئی نہیں؟'' وہ بھی نکل رہا تھا قدم ملاتے ہوئے اس تک آیا۔

''آپ کی بصارت تو ٹھیک ہے ناں۔'' وہ تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ڈائمنڈ کی نوز پن پل بھر کو چمکی تھی۔

(اور کتنے تیر ہیں تمہارے ترکش میں) اسے پہلی بار اس پہ غصہ نہیں آیا اور جب بولا تو اپنا نرم لہجہ اسے خود بھی حیران کر گیا۔

''کیسے جائیں گی باقی سب تو جا چکے ہیں۔'' اس کے نرم لہجے پہ آبگینے نے اسے چونک کے دیکھا تھا۔

''مشرف کے ساتھ۔''

''وہ تو جا چکا ہے۔''

''اوہ نو.....!'' اس کے بتانے پہ اسے افسوس ہوا۔

''آیئے..... وہ آگے بڑھ گیا۔ یہ دیکھے بنا کہ وہ پیچھے آ رہی ہے یا نہیں۔''

''اس میں.....؟'' اسپورٹس بائیک کو وہ تحیر سے دیکھ رہی تھی۔

''جی ساری گاڑیاں جا چکی ہیں۔ اپنی پرابلم.....!'' انفارم کر کے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو عجیب نظروں سے اسپورٹس بائیک اور اپنے حلیے کو دیکھ رہی تھی۔

''Nothing'' مرتے کیا نا کرتے کہ مصداق بائیک اسٹارٹ ہونے پہ وہ اس کے پیچھے سمٹ کے بیٹھ گئی۔ بائیک کی کھلی سواری میں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی دوپٹہ کیسے سنبھالے بالوں کی شریر لٹوں کو کیسے قابو کرے۔ خود کو کیسے سنبھالے۔ ایشان جاہ اس کی پریشانی بھانپ گیا تھا۔ اس لیے اسپیڈ کم کر دی۔ ممنونیت بھری نظروں سے اس نے اس کی پشت دیکھی تھی۔ ''ڈریم'' کی خوشبو اس کے جسم سے پھوٹ رہی تھی۔ سر جھٹک کے اس نے سڑک پہ نظریں جما دیں۔ خوش فہمیوں کے گہرے دلدل سے وہ نکل آئی تھی۔ دل بے ساختہ مچلا تھا مگر اس نے ڈپٹ کے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

بارات آ چکی تھی لڑکیاں اسٹیشن دینے کو تیار کھڑی تھیں۔ وہ بھی ان میں شامل ہو گئی۔ اسے محسوس ہوا تھا

وہ بنا شکریہ ادا کیے بنا کچھ کہے چلی آئی ہے۔

''بھاڑ میں جائے میرز.....!'' اس نے سر جھٹکا۔

نکاح بہ خیر و خوبی انجام پا چکا تھا۔ مہمان کھانا کھا رہے تھے اور اچھے میزبان کی طرح ٹھیک سے کھایئے گا، اور لیں۔'' اس قسم کے جملے بول بول کے سب کے منہ دکھنے لگے تھے۔

''دفع کرو کون سا سب ہمارے کہنے پہ کھا رہے ہیں ہم نا بھی لیں تو بھی ''فل'' کر کے جائیں گے۔'' ودا کی بات پہ وہ ہنس پڑی تب ہی روشنی کا جھما کا محسوس ہوا۔ وہ کئی بار نوٹ کر چکی تھی مگر ڈھونڈنے سے بھی کوئی ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

''آبی مووی میکر رامین باجی کو کلوز اپ لینا چاہ رہا ہے جا کے دیکھ آؤ نکاح کے بعد ان کے منہ کا جغرافیہ ''ٹھیک ہے ناں.....'' عینا عجلت میں پیغام دے کر چلی گئی تھی۔ وہ آگے بڑھی تھی اسی دم ایک بار پھر روشنی کا جھما کا ہوا تھا۔ معاً وہ پلٹی تھی اور خود سے تھوڑے فاصلے پہ کھڑے مشرف کے دوست آدرش کے قریب آئی۔ روشنی کے جھماکے کے بعد وہ جب پلٹتی تھی اسے صرف یہی شخص دکھائی دیتا تھا اس کے شک کو تقویت ملی۔ وہ اس کے قریب چلی آئی۔

''اپنا سیل فون دکھائیں گے۔'' وہ تو اس کے چلے آنے پہ ہی خجل ہو گیا تھا۔ آبگینے نے ہاتھ بڑھا کر اس کا سیل فون جھپٹنے کے انداز سے لے لیا۔ اور اس کا شک یقین میں بدل گیا اس کی کئی تصویریں سیل فون میں قید تھیں۔ اسے گھورتے وہ تصویریں ڈیلیٹ کرنے لگی۔

''آپ کو کسی نے یہ نہیں سکھایا کہ کسی بھی کام سے پہلے پرمیشن لینا ضروری ہے۔ شکل سے پڑھے لکھے لگتے ہیں ایک غیر لڑکی کی تصویر اس کی مرضی کے خلاف اتارتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آئی۔ امید ہے آپ کسی بھی ایسی حرکت سے پہلے سوچیں گے۔'' غصے سے گھورتے اس نے سیل فون اس کی طرف بڑھایا۔ وہ تو اس کا ٹھنڈا لہجہ سن کر ہی جم گیا تھا۔ اسے آبگینے سے اتنی بہادری کی امید نہیں تھی۔ وہ سیل فون تھما کے پلٹی تھی اور اپنے پیچھے ایشان جاہ کو دیکھ کے ایک پل کو ٹھٹکی مگر اگلے ہی پل وہ ڈریسنگ روم کی طرف قدم بڑھا چکی تھی۔

''آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ آپ جا سکتے ہیں۔'' انتہائی سرد لہجہ آدرش کے ہوش اڑا گیا۔

''ایشان بھائی۔''

"I say get out with in a movement"

☆☆☆

سہانی گہری شام ہر طرف رقص کر رہی تھی۔ اپنے لان میں ٹہلتے ہوئے وہ کراچی پہنچی ہوئی تھی۔ سب کو سوچتے سوچتے تان اس ستم گر پہ آ کے ٹوٹی تھی۔

ولیمے کے اگلے ہی روز ماما، پاپا جانے لگے تو وہ بھی ان کے ساتھ واپس آ گئی۔ سب ہی اس کی واپسی کا سن کے خفا ہوئے تھے مگر اسے ڈر تھا اس نے اپنے گرد جو سخت خول چڑھا رکھا ہے وہ کہیں اتر نہ جائے۔ جب دل ٹوٹ چکا ہے تو کیا ضروری ہے کہ توڑنے والے کو خوش ہونے کا موقع دیا جائے؟ اس کے سامنے رویا جائے.....؟ اسی لیے وہ چلی آئی۔

مگر اندر ایک خلاء سا پیدا ہو گیا تھا۔ جیسے اس کا سب کچھ کراچی کے اس بڑے سے گھر میں چھوٹ گیا ہو۔ ماما کئی بار اسے ٹٹول چکی تھیں کہ وہ بدل گئی ہے مگر وہ خوبصورتی سے انہیں ٹال رہی تھی۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔ نیند تو جیسے اس ستم گر کی آنکھوں نے چھین لی تھی۔ وہ بے دلی سے کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی جب ماما کمرے میں آئیں۔

''جاگ رہی ہو آبی!''

''جی ماما!'' اس نے اٹھ کر کتاب سائیڈ پہ رکھی۔

اس وقت آمد ''بے وجہ'' نہیں تھی یہ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی۔

''آبی! کراچی سے ایشان جاہ کا پروپوزل آیا ہے تمہارے لیے۔''

ماما نے شاید کوئی میزائل دے مارا تھا۔ وہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

''صبح فون آیا تھا آپا کا۔ ان کی بڑی جٹھانی بات کررہی تھیں۔ رشتہ تو ہر لحاظ سے قابل قبول ہے مجھے اور تمہارے پاپا کو ایشان جاہ پسند ہے باقی تم سوچ لو۔ پھر جواب دے دینا۔ اوکے..... سو جاؤ اب۔'' ماما اپنی بات مکمل کر کے سونے کی تلقین کر کے پلٹنے لگی تھیں۔ جب کسی خیال سے جاگ کے اس نے انہیں پکارا۔

''ماما.....!''

''جی بیٹا.....!''

''آپ انکار کردیں۔''

''واٹ.....!'' ماما بری طرح چونکی تھیں۔

''جی آپ انکار کردیں۔'' اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

''بہت اچھا پروپوزل ہے آبی، تم سوچ لو، مجھے کل جواب دے دینا۔'' ماما نے سمجھانا چاہا۔

''میرا جواب کل بھی یہ ہی ہوگا ماما۔'' ماما نے الجھن بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

''تو میں تمہارا فائنل جواب سمجھوں؟''

''جی.....!'' اس کا لہجہ اٹل تھا۔

''اوکے.....!'' ماما چلی گئی تھیں اور آنسو چپکے سے اس کے عارضوں پہ بہہ نکلے تھے۔

☆☆☆

آبگینے کے انکار پہ سب ششدر رہ گئے تھے۔ عینا نے تو فوراً فون کھڑکایا تھا۔

''تم نے انکار کیوں کیا آبی؟''

''کیا مطلب، مجھے انکار کا کوئی حق نہیں ہے؟'' اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

تمنا

میں تیری چھاؤں میں پروان چڑھوں اپنی
آنکھوں پر تیرے ہاتھ کا سایہ کر کے تیرے ہمراہ میں
سورج کی تمازت دیکھوں اس سے آگے نہیں سوچا
دل نے

پھر بھی احوال یہ ہے
اک بھروسہ ہے کہ دل سبز کیے رکھتا ہے
ایک دھڑکا ہے کہ خوں سرد کیے رکھتا ہے

(انتخاب: سیما انصار، مظفر گڑھ)

''بالکل ہے، مگر اتنے پرکشش پروپوزل پہ۔'' عینا حیران تھی۔

''تمہارا کزن ہے سائیڈ تو لو گی۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''شٹ اپ آبی، جتنی تم عزیز ہو اتنا ہی ایشان بھائی بھی..... تم دونوں کی جوڑی بہت اچھی لگے گی۔ کیوں کر رہی ہو تم انکار..... کیا کوئی اور ہے جس نے تمہارے دل تک رسائی حاصل کر لی ہے؟'' عینا ہر حال میں انکار کی وجہ جاننا چاہ رہی تھی۔

''ہاں.....!'' اس نے جھوٹ بول کر جان چھڑانا چاہا۔

''مجھے چلانے کی کوشش فضول ہے میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں، مجھے شک نہیں یقین ہے تم ایشان بھائی کو چاہنے لگی تھیں۔'' عینا کہہ رہی تھی اور وہ خاموش رہ گئی تھی۔ دل میں رہنے والوں سے جھوٹ بولنا کتنا دشوار ہوتا ہے کوئی اس سے پوچھتا۔ اس کی خاموشی نے عینا کے یقین کو تقویت دی۔

''میں تمہارے انکار کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔ جب تمہارے دل کی مراد پوری ہو رہی ہے تو انکاری کیوں ہو؟''

''تم ایشان جاہ سے پوچھ لو۔ وہ بہتر انداز میں

جواب دے سکتے ہیں۔'' فون رکھا جا چکا تھا۔ عینا متحیر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ایشان جاہ کو ہر جگہ ڈھونڈنے کے بعد وہ اسے لان میں سوچوں میں گم ملا تھا۔

''ایشان بھائی! آبی نے انکار کیوں کیا؟'' اس کی اچانک آمد اور سوال پہ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یہ سوال تو تمہیں آبی سے کرنا چاہیے تھا۔ بڑھی ہوئی شیو میں وہ بہت نڈھال انداز میں کہہ رہا تھا۔

''کیا تھا اس نے کہا ہے جواب آپ دیں گے۔'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''ایشان بھائی! روز اول سے آپ کا رویہ آبی کے ساتھ ''نارمل'' نہیں تھا۔ اس کی کوئی تو ''وجہ'' ہو گی۔ ایشان لب کچل کے رہ گیا تھا۔

''پہلے آپ راضی نہیں ہو رہے تھے اور اب آبی کی طرف سے انکار ہے مگر مجھے یقین ہے وہ اپنے فیصلے سے خود مطمئن نہیں ہے۔ ہو گی بھی کیسے.....'' عینا کی گہری نظروں سے ایشان جاہ پزل ہوا تھا۔ اس سے کچھ چھپانا اسے فضول لگا۔ باہم مشورے سے شاید کوئی سبیل نکل ہی آتی۔

''تم جانتی ہو میرا پہلا تاثر ہی آخری تاثر ہوتا ہے یہ ایمان کی حد تک یقین کرتا ہوں۔ مجھے کھلی ڈلی لڑکیاں کبھی اچھی نہیں لگیں۔ بازار میں بارگینگ کرتے فون نمبرز کے تبادلے کرنے والی لڑکیاں سیلز مین کی چرب زبانی سے ''خوش'' ہو جاتی ہیں۔ وہ سوچتی ہیں سیلز مین بہت اچھا ہے۔ لیکن اگر وہی لڑکیاں پیٹھ پیچھے لڑکوں کے جملے سن لیں تو شاید کبھی ادھر کا رخ نا کریں۔ ہر انجانے اور اجنبی شخص سے فری ہونے والی لڑکیاں مجھے کبھی اچھی نہیں لگیں۔ ایک عجیب طرح کی ٹینشن ہوتی ہے انہیں دیکھ کے۔ شاپ میں آبگینے سے ٹکر ہوئی اور اس کی نیل پینٹ ٹوٹ گئی۔ میں نے سوری بھی کہا مگر وہ لڑنے لگی۔ مجھے وہ بھی ان ہی لڑکیوں جیسی لگی۔

''آپ ٹکرائے تھے آبی سے.....'' قطع کلام کر کے عینا چیخی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بہت افسوس ہے ایشان بھائی کہ آپ آبی کے بارے میں ایسا سوچتے ہیں۔ وہ اتنے دن یہاں رہی اس کی ریزرو فطرت سے بھی آپ واقف ہو چکے ہوں گے اور رہی لڑنے جھگڑنے کی بات تو ہر انسان اپنے نقصان پہ غصے کا اظہار کرتا ہے اور پھر وہ نیل پینٹ تو اسے بہت عزیز بھی تھی۔ کسی پسندیدہ چیز کے نقصان پہ چراغ پا ہونے سے کیا اس کا شمار بھی عام لڑکیوں میں ہو گیا؟'' عینا بری طرح لتاڑ رہی تھی۔

''آدرش کا کیس آپ کے سامنے ہے۔ ویسے والے روز وہ اک اور لڑکے کو دھتکار چکی ہے۔''

''پلیز عینا! میری آنکھوں سے پردے سمٹ گئے ہیں۔ تب ہی تو میں نے ماما کو پرپوزل بھیجنے کی بات کی تھی۔'' وہ ہارے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''وہ آپ کو چاہنے لگی ہے ایشان بھائی مگر آپ کے رویے نے اس سے یہ فیصلہ کروایا ہے۔''

''واقعی.....!'' وہ حیران تھا۔

☆☆☆

وہی دن تھے، وہی رات، چاند اور سورج بھی ٹائم پہ نکلتے تھے۔ گھڑی بھی اپنے سرکل میں گھومتی رہتی تھی۔ موسم بہار کا تھا مگر اس کے اندر جیسے پتے جھڑ کا موسم چھا گیا تھا۔ سوکھے پتوں کی کرچ کرچ دل کے کسی کونے میں متواتر ہو رہی تھی۔

نیال تو ہمیشہ سے اس کی ساتھی تھی۔ اکلوتی اولاد ہونا بھی عذاب ہوتا ہے۔ کوئی بہن بھائی نہیں جس سے دل کی بات کی جائے۔ ماں لاکھ دوست ہو مگر اک حجاب کا پردہ ہمیشہ سرسراتا ہے۔ کراچی میں بھرا پڑا گھر دیکھ کے وہ کتنی خوش ہوئی تھی۔ دل نے خواہش کی تھی یہاں بس جانے کی مگر دل..... زندگی تو پہلے ہی اداس تھی مگر

اب تو بڑی پھیکی اور بے کیف ہو گئی تھی۔ اندر کے خالی پن کا احساس اسے بری طرح کچوکے لگاتا تھا۔ انکار کے بعد تو اسے پر سکون ہو جانا چاہیے تھا مگر سکون اور اطمینان تو اس سے روٹھ گئے تھے۔ بے قراری، بے سکونی اور اضطراب کا موسم آکے ٹھہر گیا تھا۔ ساری زندگی ایک ایسے شخص کے ساتھ کیسے گزر سکتی تھی جو اسے دیکھتے ہی لب بھینچ لیتا تھا۔ جس کی تیوری کے بل میں ان گنت اضافہ ہو جاتا تھا۔ تائی امی کی خوشی کے لیے وہ قربانی دے رہا تھا تو وہ کیوں رلتی۔ یہ درد تو برداشت کی حد میں ہے کہ وہ اس کا نہیں ہے اگر شادی کے بعد یہ ہی سچوئشن ہو گی تو کیا وہ قبول کر لے گی؟ کبھی نہیں نظر کے پاس رہ کر دل سے دور رہنا بہت اذیت دیتا ہے۔ دل کے پاس ہو کر نظر کی دوری اتنا نہیں ستاتی۔

تنہائی اس کی بانہوں میں سما چکی تھی۔ کینوس اور رنگوں نے اسے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔ لیپ ٹاپ اس کی نرم پوروں کے لمس کا منتظر تھا۔ پودے اس کی بے اعتنائی پہ روٹھ کر مرجھا رہے تھے۔ کتابیں ریک پہ پڑی منہ اینٹھ رہی تھیں۔ مگر اسے تو جیسے خود کی خبر نہیں تھی۔ اپنے ہی ہاتھوں اس نے اپنا خواب محل روند دیا تھا اور اب کوئی آس، کوئی امید خواب دریچوں سے اندر نہیں آرہی تھی۔ اجنبی روکھا پھیکا چند دنوں کا بے نام سا تعلق تھا۔ کوئی دعدے وعید نہیں ہوئے تھے۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں نہیں کھائی تھیں؟ پھر بھی دل ہر آہٹ پہ کان بن جاتا تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا اس کے انکار پہ اس نے شکرانے کے نفل پڑھے ہوں گے۔

دل کے آنگن میں تیز چبھتی دھوپ پھیل گئی تھی۔

جس میں اس کی ذات اس کا دل جل رہا تھا۔

☆☆☆

میں تجھے بھول کے بھولوں بھی تو بھولوں کیسے
تو کہ اک خواب ہے میں لب کو چھولوں کیسے
تیری تصویر سے مانوس ہے آنکھیں میری
میں کسی اور کو سوچوں بھی تو سوچوں کیسے

نجانے گیت کے بولوں میں ایسا کیا تھا کہ دل گداز ہو گیا۔ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے وہ سسک کے رونے لگی تھی۔ ضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے تھے۔

سب میں شامل ہو مگر سب سے جدا لگتی ہو
آج تم ہم سے نہیں خود سے خفا لگتی ہو

آواز پہ اس نے جھٹکے سے ہاتھ چہرے سے ہٹائے تھے ایشان جاہ اس کے مقابل بیٹھا تھا۔

"آپ......!" اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ تب ہی تو اس نے لب دانتوں سے کاٹا تھا مگر آہ زور سے کٹ گئی تھی۔

"سی" کی آواز پہ ایشان جاہ کے لبوں پہ بڑی دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"میں خواب نہیں حقیقت ہوں۔" دھیرے سے کہا تھا۔

"آپ یوں اچانک...... کیسے ہیں سب؟" اس کے حواس تو اسے دیکھ کے ہی ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

"آپ کے گھر میں آئے بیٹھے ہیں جا کے مل لیں۔" اس نے بھر پور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سب آئے ہیں؟" حیرت و خوشی سے اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھتے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اندر جانے کے لیے اس نے قدم اٹھایا مگر اگلے ہی پل ٹھٹک گئی۔

تحیر بھری آنکھوں سے اس نے ایشان جاہ کو دیکھا۔ جس نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"بڑے خاص مقصد کے لیے آئے بیٹھے ہیں اور میں چاہتا ہوں ہم باہر یہ تمام گلے شکوے مٹا دیں تو مستقبل کی بدمزگی سے بچ سکتے ہیں۔"

وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس کی نظروں سے بھانپ گیا کہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔

"بڑے ہمارے رشتے کی بات کرنے آئے ہیں اور میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔"

''کیوں ، میں آپ کے معیار پہ کھری کب اتری۔'' وہ روانی میں کہہ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''مجھے شک تھا تم نے میری اور ماما کی گفتگو سن لی تھی۔'' وہ خفت سے ناخنوں کو دیکھنے لگی۔

''بڑی تیز ہو تم۔ بدلہ لے لیا اب تو ہاں کر دو گی؟''

''نہیں.....!''

''کیوں.....؟''

''میری مرضی!''

''آبی ایکچولی میں بلیو کرتا تھا کہ پہلا تاثر ہی آخری تاثر ہوتا ہے۔ تمہارا پہلا تاثر بھی کچھ اچھا نہیں پڑا تھا۔ میں مانتا ہوں میری سوچ غلط تھی۔ میرا رویہ تم سے صرف اسی لیے خراب تھا لیکن اب میں جان گیا ہوں پہلا تاثر آخری نہیں ہوتا۔ مے بی جسے ہم جانچ رہے ہیں وہ کسی پریشانی، خوف گھبراہٹ، غصے میں ہو سکتا ہے۔ جس میں عقل سلیم بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ میرے رویے سے تم ہرٹ ہوئیں، میں معذرت کرنے کو بھی تیار ہوں تمہیں اب بھی میری باتوں پہ یقین نہیں.....؟'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اب میں اپنی محبت کا تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔'' وہ سخت بے بس نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے ایک خوبصورت گفٹ پیک اس کی طرف بڑھا کر گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ کاپر کلر کے سوٹ میں الجھے سلجھے بالوں کے ساتھ بھی وہ ہوش اڑا دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

''کیا ہے اس میں؟''

''کھول کے دیکھ لو۔''

اس نے احتیاط سے ریپر اتارا۔

''ارے.....!'' اندر ڈھیر ساری کاپر نیل پالش دیکھ کے اس کی حیرت اور خوشی بھری آواز نکلی۔

''ازالے کے طور پہ لے کے آیا ہوں، اب تو ہاں کر دو گی۔'' بے ساختہ مسکراتے ہوئے وہ پرسکون ہو گئی تھی۔ ''تمہارے نیلز تو صاف ہیں۔ کیا نیل پالش ختم ہو گئی؟'' وہ چھیڑ رہا تھا۔

''میں نے نماز پنج گانہ ادا کرنا شروع کر دی ہے۔''

''واہ! پھر تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہی۔''

''کبھی کبھی چلتا ہے۔ آیئے اندر چلتے ہیں۔'' مسرور سا وہ بھی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔ ''نماز کے بعد دعا میں مجھے مانگتی تھیں جو اللہ نے مجھے بھیج دیا۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔ پلکیں جھکا کر اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تھا مگر اس کے چہرے کے رنگوں سے سب جان گیا تھا۔

''اب تو دوستی ہے ناں.....!''

''کرنا پڑے گی۔''

''کیوں؟''

کل جس نے توڑی تھی بوتل خفا ہوا تھا مجھ پہ
آج وہ دے رہا ہے تحفہ کاپر نیل پالش کا

''تم شاعرہ تو کبھی نہیں تھیں۔'' اس کے شعر پڑھنے پہ بے ساختہ حیرانگی کا اظہار کیا۔

''کراچی کی ہوا ہی ایسی ہے سب سکھا دیتی ہے۔''

''ویسے تم نے ٹھیک کہا تھا۔ میری بصارت واقعی ٹھیک نہیں ہے تب ہی تو تم پہ دل ہار بیٹھا۔'' وہ شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''مجھ جیسے بے ڈھنگے، اجڈ شخص کے ساتھ تمام عمر گزار لو گی۔''

''کیا سارے بدلے آج ہی لیں گے۔'' وہ بری طرح جھینپ گئی۔ دونوں نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔ جہاں خوشیاں ان کی منتظر تھیں۔

☆☆☆

خانہ بدوش

مقصود احمد بلوچ

احمد علی کی گاؤں سے باہر ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ وہ گاؤں کا ایک بہت ہی بڑا جاگیردار تھا۔ نوکر چاکر اس کے ڈیرے پر کام کرتے تھے۔ احمد علی جاگیردار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی نرم دل اور اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ خاص کر وہ غریب لوگوں کا بہت خیال کرتا۔

گاؤں کے لوگ احمد علی کی بہت عزت کرتے تھے۔ گاؤں کے اندر کسی کا بھی کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ احمد علی کے پاس آتے اور پھر احمد علی ان کی اچھے طریقے سے بات سنتا اور ان کا مسئلہ حل کرتا، اتنی دولت عزت نوکر چاکر ہونے کے باوجود بھی احمد علی اولاد کی دولت سے محروم تھا۔ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ اے میرے رب مجھے اولاد جیسی نعمت عطا کرے۔ میرے جانے کے بعد میری اس جاگیر کا کوئی تو وارث ہو۔ بس وہ ہر وقت یہی دعا کرتا۔ غریب لوگوں میں خیرات تقسیم کرتا اور ان سے اولاد جیسی نعمت کی دعائیں لیتا۔

اللہ پاک کی ذات بہت بڑی بے نیاز ہے۔ آخر کار احمد علی کی دعائیں رنگ لائیں اور اس کے گھر میں ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹے کی پیدائش پر ہر سو خوشیاں منائی گئیں۔ خیرات تقسیم کی گئی اور احمد علی نے اپنے بیٹے کی پیدائش پر گھر میں جشن کا سماں پیدا کیا اور پورے گاؤں کو دعوت دی۔ گاؤں کے سب لوگ آئے اور انہوں نے احمد علی کو اس کے بیٹے کی پیدائش پر مبارک باد دی۔

اسی طرح وقت اپنی محور رفتار رہا اور وہ دن بھی آ گیا جب احمد علی کا بیٹا ایک سال کا ہو گیا تھا اور اس دن اس کی سالگرہ

تھی۔ احمد علی نے اپنے بیٹے کی پہلی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی۔ پوری حویلی کو برقی روشنی سے سجایا گیا۔ بیٹے کی سالگرہ کے لیے ایک بہت بڑا کیک لایا گیا حتیٰ کہ پورا گھر غبارے اور رنگ برنگی لائٹوں سے سجایا گیا۔ اس کے علاوہ غریب لوگوں میں کھانا تقسیم کیا گیا۔

اس دن احمد علی بہت خوش تھا کیونکہ اس دن اس کے بیٹے کی پہلی سالگرہ تھی۔ احمد علی نے اپنے بیٹے کا نام منصور علی رکھا تھا۔ اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ احمد علی ہر سال اپنے بیٹے منصور علی کی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے کرتا۔

جب منصور علی پانچ سال کا ہوا تو اسے شہر کے بہترین سکول میں داخل کروایا گیا۔ ہر طرح سے منصور علی کا بہت خیال رکھا جاتا۔ کیونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ پوری حویلی کی آنکھوں کا تارا تھا۔ پوری حویلی میں منصور علی سے لوگ بہت پیار محبت کرتے تھے۔

وقت اپنے ساتھ پر لگا کر اڑتا رہا اور وہ وقت بھی آ گیا جب منصور علی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔ منصور علی بالکل اپنے باپ کی طرح تھا اور حویلی میں اپنے تمام نوکروں سے بہت ہی محبت سے پیش آتا اور غریب لوگوں کی دل کھول کر مدد کرتا۔ احمد علی اپنے بیٹے منصور علی کی اس عادت سے بہت خوش تھا کہ میرا بیٹا بہت ہی نیک دل انسان ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ احمد علی کی حویلی سے تھوڑا ہٹ کر کچھ زمین خالی پڑی تھی۔ وہاں پر ایک خانہ بدوش فیملی آ کر اپنی ایک جھونپڑی لگا کر بیٹھ گئی۔ جب احمد علی کو پتہ چلا تو اس نے ان کے ایک بندے کو بلا کر کچھ راشن وغیرہ بھی دیا اور اس سے کہا جب تک آپ لوگوں کا دل کرے۔ آپ یہاں رہ سکتے ہو۔ آپ لوگوں کو کوئی منع نہیں کرے گا۔ اس بندے نے جس کا نام فرید تھا۔ اس نے احمد علی کو بہت ساری دعائیں دیں۔ اس جھونپڑی میں فرید کے علاوہ اس کی بیوی ایک بیٹا اور ایک ہی بیٹی جس کا نام انوری تھا۔ یہ چار لوگ رہتے تھے۔

انوری بڑی تھی اور اس کا بھائی جس کا نام کرامت تھا وہ چھوٹا تھا۔ مٹی کے کھلونے بنا کر انہیں خوب صورت رنگ دے کر گلی گلی میں جا کر بچوں میں فروخت کر کے شام ڈھلے وہ اپنی جھونپڑی میں واپس آتے اور جو رقم کماتے اس سے اپنے کھانے پینے کی چیزیں لے آتے اور اپنے پیٹ کے دوزخ کو بھرتے اور پھر رات کے ٹائم اپنی سو جاتے۔

مٹی کے کھلونے بنا کر بیچنا بس یہی ان کی روزی روٹی تھی۔ انوری اور اس کا باپ فرید وہ دونوں اس جھونپڑی میں رہتے اور مٹی تیار کر کے ان کے کھلونے بناتے۔ انوری کی ماں اور اس کا بھائی کرامت یہ دونوں ماں بیٹا کھلونے لے کر مختلف گاؤں میں جاتے رنگ برنگے کھلونے دیکھ کر بچے بہت خوش ہوتے اور پھر وہ کھلونے لینے کے لیے کوئی بچہ اپنے گھر سے آٹے کا تھال لے کر آتا تو کوئی بچہ اپنے گھر سے ٹین ڈبہ لے کر آتا اور وہ انہیں ان کے بدلے میں مٹی کے وہ رنگ برنگے کھلونے دیتے۔

انوری ایک خانہ بدوش ضرور تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انوری کو بہت حسن دیا تھا۔ موٹی موٹی کالی آنکھیں جسم تھا کہ اتنا پرکشش کہ جو بھی انوری کو دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ پتلی کمر سانولی رنگت اور انوری جب مسکراتی تو موتی بکھرتے۔ غریب ہونا کوئی جرم تو نہیں ہے۔ یہ امیری غریبی یہ سب تو میرے اس مالک کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کو کیا ملا یہ سب مقدر کی بات ہے۔

صبح ہوتے ہی انوری کی ماں اور اس کا بھائی کرامت اپنی روزی کی تلاش میں گھر سے نکل جاتے۔ دن کے ٹائم پیچھے اس جھونپڑی میں انوری اور اس کا باپ فرید ہوتے انوری مٹی تیار کرنے کے لیے احمد علی کی حویلی سے پانی بھر کر لاتی اور انوری کا باپ مٹی تیار کر کے کھلونے بناتا۔ بس یہی ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ اسی طرح وقت بے پروا اپنی مست اڑان میں رہا۔

ایک دن معمول کے مطابق انوری جب حویلی سے پانی کی بالٹی لے کر واپس آ رہی تھی تو احمد علی کے بیٹے منصور

علی کی نظر اچانک انوری پر پڑی تو منصور علی پر کچھ دیر کے لیے تو سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر جب اس سکتہ سے نکلا تو اس وقت انوری کافی دور جا چکی تھی۔ منصور علی پاس کھڑے اپنے ایک نوکر سے پوچھنے لگا یار یہ لڑکی کون ہے اور کہاں سے پانی بھرنے کے لیے آتی ہے۔

صاحب جی آپ کو نہیں پتہ؟ وہ جو سامنے جھونپڑی ہے ناں یہ لڑکی وہاں سے آتی ہے۔ انوری نام ہے اس کا۔ مٹی کے کھلونے بنا کر انہیں بیچ کر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ جب سے منصور علی نے اس لڑکی کو دیکھا تو اس کے بعد ان کا بہت خیال کرنے لگا۔ کبھی صبح کا ناشتہ کبھی رات کا کھانا منصور علی اپنے نوکر کے ہاتھ میں دے کر کہتا کہ یہ کھانا اس جھونپڑی میں دے کر آؤ۔

کبھی کبھی وہ خود بھی جا کر ان کو کچھ نہ کچھ پیسے بھی دے دیتا۔ وہ لوگ بہت خوش ہوتے اور منصور علی کو دعائیں دیتے۔ انوری جب بھی حویلی سے پانی بھرنے جاتی۔ تو منصور چوری چوری انوری کو دیکھتا۔ لیکن انوری اس بات سے بے خبر تھی کہ کوئی اس کی نظروں کا طواف کرتا ہے۔ اب انوری کو چھپ چھپ کر دیکھنا منصور علی کا معمول بن گیا تھا۔ وہ اس سے ہر قسم کی بات بھی کر سکتا تھا لیکن یہ سب کچھ کرنا وہ اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ میں ایک جاگیردار کا بیٹا ہوں۔ اگر مجھے کسی نے انوری سے بات کرتے دیکھ لیا تو حویلی کے لوگ اور گاؤں والے کیا سوچیں گے۔ بس یہی سوچ کر وہ خاموش ہو جاتا۔

وقت تھا کہ دھیرے دھیرے سرکتا رہا۔ انوری مکمل طور پر منصور علی کے دل و دماغ پر راج کرنے لگی۔ منصور انوری سے بے پناہ محبت کرنے لگا۔ کہتے ہیں ناں کہ عشق چھپائے نہیں چھپتا اور جب کسی سے ہوتا ہے وہ نہ رنگ و نسل، ذات پات، امیری و غریبی اسے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس منصور کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ لیکن منصور دل ہی دل میں انوری کو چاہنے لگا۔ اس کی ہر ایک ادا پہ مرتا۔

بس انوری جب بھی پانی بھرنے آتی تو منصور وہاں پہلے سے ہی موجود ہوتا۔ وہ منصور علی کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیتی۔ اب تو انوری کو بھی یہ بات محسوس ہونے لگی تھی کہ منصور علی اسے چھپ چھپ کر دیکھتا ہے اور منصور علی بھی حویلی کے لوگوں سے بچ بچا کر کبھی کبھار انوری کا حال چال پوچھ لیتا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ انوری پورے دو دن پانی لینے کے لیے حویلی نہ گئی تو منصور علی کافی پریشان ہوا کہ اللہ خیر کرے انوری کیوں نہیں آئی۔ اس نے اپنے ایک نوکر کے ذریعے پتہ کروایا تو معلوم ہوا کہ انوری تو دو دن سے بستر مرگ پر پڑی ہے۔

نوکر کی یہ بات سنتے ہی منصور علی تو کانپ گیا۔ اس کے دل میں ایک تڑپ سی پیدا ہوئی اور پھر اس سے رہا نہ گیا اور وہ کچھ دیر کے بعد اس جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ اور جب وہ جھونپڑی میں داخل ہوا تو انوری زمین پر نیچے ایک دری کے اوپر لیٹی ہوئی تھی۔ انوری نے جب منصور کو دیکھا تو ڈر گئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

انوری اب طبیعت کیسی ہے آپ کی اور کیا ہوا ہے آپ کو..... انوری ڈرتے ہوئے وہ جی مجھے بخار ہو گیا تھا..... دھوپ میں کام وغیرہ کرتی ہوں ناں..... شاید اس وجہ سے۔

منصور نے آج پہلی دفعہ اسے یوں جی بھر کر دیکھا تھا اور منصور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ ''واہ میرے سوہنیا ربا'' کیا صورت بنائی آپ نے، اتنے میں انوری کا باپ فرید بھی آ گیا۔ منصور نے اسے کچھ پیسے دیتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ وہ فوراً ڈاکٹر کے پاس جائے اور انوری کے لیے دوا لے کر آئے.....

ٹھیک ہے چھوٹے صاحب میں ابھی جاتا ہوں..... منصور چاہتے ہوئے بھی زیادہ دیر وہاں نہ رکا..... دو سے تین دن اور گزر جانے کے بعد انوری ٹھیک ہو گئی۔ محبت کی آگ اب دونوں طرف بھڑک رہی تھی۔ لیکن محبت کا اظہار

کرنا۔ دونوں کے لیے بہت مشکل تھا۔ کیونکہ انوری ڈرتی تھی کہ اگر میں نے اس طرح کی کوئی بات منصور سے کردی تو ہوسکتا ہے وہ میری اس بات کا برا مان جائے کہ جھونپڑی میں رہنے والی ایک لڑکی..... جاگیردار سے محبت کرے۔

نہیں نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا اور منصور کو حویلی اور گاؤں کے لوگوں کا خوف تھا کہ وہ کیا سوچیں گے کہ اتنا بڑا جاگیردار ایک مٹی کے کھلونے بنانے والی سے محبت کرتا ہے لیکن اسے دوسرے لمحے یہ بھی خیال آتا کہ وہ انوری مٹی کے کھلونے تو ضرور بناتی ہے۔ لیکن انسانیت کے ناطے وہ ایک انسان تو ہے اور ویسے بھی کسی سے محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔ بس اس طرح کے خیالات دونوں کے دماغ میں چل رہے تھے۔

جب سے انوری نے یہ بات محسوس کی تھی کہ منصور علی اسے بڑے غور سے دیکھتا ہے اس کا خیال رکھتا ہے تب سے انوری نے کھلونے بنانا ختم کردیئے تھے۔ بس وہ پانی لاکر اپنے باپ کو دے دیتی باقی سب کچھ اس کا باپ ہی کرتا اور انوری اپنے آپ کو ہر وقت صاف ستھرا رکھتی..... اس کے کپڑے چاہے پرانے ہی ہوتے مگر صاف ستھرے ہوتے۔ وہ اکثر بلیک کلر کے کپڑے پہنتی تھی۔ جو کہ منصور علی کا فیورٹ کلر تھا۔

وقت گزرتا رہا اور ان دونوں کی محبت پروان چڑھتی رہی۔ لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہ کر سکے۔ وہ دونوں محبت میں اس قدر آگے نکل گئے کہ اب ان کا چوری چوری ملنے کا سلسلہ بھی چل نکلا۔

چاندنی رات تھی کہ زمین پر رینگتی ہوئی چیونٹی بھی نظر آرہی تھی۔ اس رات انوری اور منصور کا ملن ہوا۔ منصور نے اس رات انوری کو اپنے دل کی بات بتا ہی دی۔ دیکھو انوری تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ میں آپ کو بہت چاہتا ہوں کیا تم میری محبت کا مان رکھو گی؟ مجھے کبھی چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی.....؟

انوری بالکل خاموش بت بنی بیٹھی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ کیا ہوا انوری آپ خاموش کیوں ہو۔ انوری بولی دیکھو صاحب جی ہم بہت ہی حقیر سے لوگ ہیں ہماری کیا اوقات آپ جاگیردار کے سامنے۔ میرا اور آپ کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔ میں ایک کھلونے بنانے والی اور جھونپڑی میں رہنے والی لڑکی ہوں اور آپ ایک امیرزادے.....

صاحب جی پلیز میرے ساتھ یہ مذاق نہ کرو۔ باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ انوری کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو بھی ٹپک رہے تھے..... انوری آپ رو کیوں رہی ہو۔

ہاں یہ بات تو سچ ہے کہ آپ مٹی کے کھلونے بناتی ہو۔ مگر مجھے آپ کی کسی بات سے بھی کوئی غرض نہیں ہے۔ بس انوری مجھے آپ کا ساتھ چاہیے باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔

انوری نے اس رات اسے بہت سمجھایا کہ منصور میری تمہارے سامنے کوئی اوقات نہیں ہے۔ پلیز اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے اپنے راستوں سے واپس لوٹ جائیں۔ یہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ مگر منصور نہ مانا۔ اس رات ایک دوسرے سے محبت نبھانے کے وعدے ہوئے اور منصور نے اسے یہ بھی کہا کہ انوری کچھ دن کے بعد میری سالگرہ ہے آپ آؤ گی ناں.....

انوری نے کہا میں ضرور آؤں گی یہ میرا وعدہ ہے۔ اگر زندگی نے وفا کی تو۔ وہ ملاقات ان کی زندگی کی یادگار ملاقات تھی۔ اسی طرح وقت بے لگام گھوڑے کی طرح چلتا رہا اور ان دونوں کی محبت میں ذرا بھی کوئی فرق نہ آیا اور نہ ہی کسی کو کوئی علم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان کیا کچھ ہے۔

انوری اور منصور دونوں ایک دوسرے کے لیے آنکھوں کا تارا تھے۔ کہتے ہیں نا کہ جس محبت میں غم نہ ہو۔ آنسو نہ ہوں، جدائی نہ ہو تڑپ نہ ہو، وہ محبت، محبت ہی نہیں ہوتی۔ تو بس منصور کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ ایک رات انوری اور اس کے گھر والوں نے رات کی تاریکی میں وہاں سے اپنا جو تھوڑا بہت سامان تھا وہ اٹھایا اور راتوں رات وہاں سے نکل گئے۔ کہاں گئے کوئی پتہ نہیں تھا۔ جب رات کا

اندھیرا اجالے میں تبدیل ہوا تو منصور علی کے لیے ایک قیامت خیز منظر تھا۔ صبح کے وقت جب وہ وہاں گیا تو اس نے دیکھا کہ اس جگہ پر کچھ ٹوٹے پھوٹے مٹی کے کھلونے پڑے تھے۔ اس کی انوری اسے رات کی تاریکی میں چھوڑ کر پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی۔

منصور نے جب وہ مٹی کے ٹوٹے ہوئے کھلونے دیکھے تو اس وقت بے ساختہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پھر اس کے بعد وہ وہاں بیٹھ کر خوب رویا۔ اب انوری کو تلاش کرنا اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ نہ تو اس کے پاس موبائل تھا اور نہ ہی یہ پتہ تھا کہ وہ لوگ کہاں گئے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں خانہ بدوش کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ کبھی کہاں کبھی کہاں۔

منصور کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں نظر آ رہے تھے۔ گھر والوں نے بھی کافی دفعہ پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے آپ کچھ دنوں سے بہت ہی خاموش ہو۔ لیکن منصور نے کسی کو بھی کچھ نہ بتایا۔ وہ دن کے وقت گھر سے نکل جاتا اور مختلف جگہوں پر انہیں تلاش کرتا۔ کافی دن تلاش کرتا رہا مگر وہ لوگ نہ مل سکے۔

ایک دن صبح صبح ہی گھر میں صفایاں وغیرہ اور بناوٹ کا کام شروع ہو گیا۔ منصور نے پوچھا آج یہ سب کس خوشی میں ہو رہا ہے۔ چھوٹے صاحب جی آپ کو نہیں پتا آج آپ کی سالگرہ کا دن ہے۔ سالگرہ کا نام سنتے ہی اس کے دل و دماغ پر انوری کی محبت طاری ہو گئی۔ وہ فوراً حویلی سے باہر دور ایک کمرے میں چلا گیا اور سب لوگوں سے چھپ کر اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔

انوری پلیز تم کہاں ہو۔ تم نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ منصور میں تمہاری سالگرہ پر ضرور آؤں گی۔ یار تم کہاں ہو۔ آج میری سالگرہ ہے۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔ آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی تھیں سب مہمان آ گئے تھے۔ بس اب کیک کاٹنے کی رسم باقی تھی۔ لیکن منصور بار بار لوگوں کے ہجوم میں نظریں اٹھا کر دیکھتا کہ شاید انوری آ جائے۔

منصور علی بیٹا کس کا انتظار کر رہے ہو؟ کیا کسی نے آنا ہے۔

نہیں ابو جی..... تو بس بیٹا اب کیک کاٹو..... آخر کار دل پہ بھاری پتھر رکھ کر منصور علی نے کیک کاٹا اور کچھ دیر وہاں ٹھہرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور اس دن بہت رویا۔ کاش انوری آج آپ میری سالگرہ میں ہوتیں تو نا جانے میں کتنا خوش ہوتا۔ انوری تم بے وفا ہو تم وعدہ خلاف ہو۔ میں زندگی بھر تجھے معاف نہیں کروں گا اور پھر اس کے بعد نا جانے کتنی سالگرہ منصور کی زندگی میں آئیں مگر انوری نہ آئی۔

ایک دن منصور کے ابو نے اس سے پوچھا۔ بیٹا مجھے ایک بات تو بتاؤ کہ آپ کی جب بھی سالگرہ ہوتی ہے آپ کس کا انتظار کرتے ہو۔ جب کہ مہمان بھی سارے آ چکے ہوتے ہیں۔

ابو جی جب وہ مہمان آئے گا تو سب کو پتہ چل جائے گا کہ منصور علی اپنی سالگرہ کے دن کس کا انتظار کرتا ہے..... اور مجھے یقین ہے کہ میرا وہ مہمان ایک نہ ایک دن ضرور آئے گا۔ منصور اسے کافی عرصہ تک تلاش کرتا رہا۔ مگر وہ کسی جگہ بھی نہ ملے۔ کہتے ہیں کہ امید پہ دنیا قائم ہے۔ انسان کو ہمیشہ اچھے کی امید رکھنی چاہیے۔ اس لیے منصور علی کو بھی امید تھی۔ یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن انوری اسے ملنے کے لیے ضرور آئے گی۔

اس دفعہ منصور علی چوبیسویں سالگرہ تھی۔ جس کے ابھی تقریباً دو دن باقی رہتے تھے۔ اس دفعہ تو پوری حویلی کو بہت ہی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ آج منصور علی کی سالگرہ کا دن تھا۔ معمول کے مطابق سب مہمان آ چکے تھے اور منصور علی کو ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی کسی کا انتظار تھا اور نا جانے اس دفعہ کیوں منصور علی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انوری ضرور آئے گی۔ سب لوگ اسے سالگرہ کے گفٹ دے رہے تھے۔ کافی سارے

مہمان آئے ہوئے تھے۔ مہمانوں کے علاوہ گاؤں کے بھی لوگ آتے تھے کیونکہ احمد علی سالگرہ کی تقریب کے ساتھ ساتھ اس دن غریب مسکین لوگوں میں خیرات بھی تقسیم کرتا تھا۔

احمد علی اپنے بیٹے کی سالگرہ کسی انگریزی طریقے سے نہیں بلکہ اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ سالگرہ کے دن بہت سارے لوگوں کو بلا کر ان میں کھانا تقسیم کیا جائے اور اپنے خاص مہمانوں کے سامنے وہ کیک اور سالگرہ کی باقی رسمیں کرے۔ منصور علی نے ابھی کیک نہیں کاٹا تھا کہ اسے دور سے انوری نظر آئی۔ خوشی کے مارے منصور علی کے منہ سے یہ بات نکل گئی انوری اور ساتھ ہی اس نے لوگوں کے اتنے بڑے ہجوم کو چیرتے ہوئے انوری کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

انوری تم آ گئی ہو۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی کیونکہ میرا پیار سچا تھا اور خوشی کے مارے منصور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ انوری بالکل چپ چاپ ایک بت بن کر کھڑی تھی۔ انوری جواب دو آپ بولتی کیوں نہیں ہو۔

سالگرہ میں آئے ہوئے جب سب لوگوں نے یہ ماجرہ دیکھا تو وہ حیران پریشان تھے کہ ایک جاگیردار کا بیٹا ایک خانہ بدوش مٹی کے کھلونے بنانے والی سے محبت کرتا ہے۔ اتنے میں احمد علی بھی اپنے بیٹے کے پاس آ گیا اور منصور کو وہاں سے الگ ایک کمرے میں لے گیا اور اس سے پوچھا یہ کیا ماجرہ ہے۔ اتنا بڑا جاگیردار کا بیٹا ہو کر اس انوری سے محبتیں کرنے لگا۔

ابو جی جو کچھ بھی ہے..... مگر انوری بھی تو ایک انسان ہے۔ ابو جی آج میں آپ کو اپنے دل کی بات بتا ہی دوں..... میں انوری کو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور یہی میرا وہ مہمان ہے جس کا مجھے ہر سالگرہ پہ آنے کا انتظار ہوتا تھا کیونکہ انوری نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کی سالگرہ پہ ضرور آؤں گی اور آج میری سالگرہ ہے اور انوری آ گئی ہے۔

احمد علی کو اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے اس کی بات ماننا پڑی اس نے لوگوں کی پروا کیے بغیر انوری اور اس کے ماں باپ کو بلایا اور ان سے کہا کہ مجھے اپنے بیٹے کے لیے انوری کا ہاتھ دے دو..... انوری کا باپ مزید کچھ دیر تو خاموش رہا لیکن اس کے بعد خاموشی کو توڑتے ہوئے بولا۔

چوہدری صاحب ہم تو دو کوڑی کے لوگ ہیں بھلا ہماری کیا مجال ہے کہ ہم ایک جاگیردار کو اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے انکار کریں۔ فرید کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی احمد علی نے فرید کو گلے لگا لیا اور احمد علی نے سالگرہ کی تقریب میں منصور اور انوری کی منگنی کا اعلان بھی کر دیا اور احمد علی نے ساتھ یہ بھی کہا کہ آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ اتنا بڑا جاگیردار ہو کر ایک خانہ بدوش کی لڑکی کو اپنی بہو بنا رہا ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے جو کہ میں نے اللہ پاک سے دعائیں مانگ مانگ کر لیا۔ مجھے اس کی خوشی کی خاطر یہ سب کچھ منظور ہے۔

مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کوئی کون کیا کہے گا۔ میں اپنے بیٹے کے لیے سب کو تو ناراض کر سکتا ہوں۔ مگر سب کو راضی کر کے اپنے بیٹے کو ناراض نہیں کر سکتا۔ آخر کار سالگرہ کی تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ احمد علی نے انوری اور اس کے تمام گھر والوں کو وہاں حویلی میں ایک الگ کمرہ دیا کچھ دنوں کے بعد احمد علی نے بڑی دھوم دھام سے انوری اور منصور علی کی شادی کر دی..... انوری نے کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ ایک جھونپڑی میں رہنے والی مٹی کے کھلونے بنا کر اپنا پیٹ پالنے والی کبھی اتنی بڑی حویلی میں راج کرے گی۔

آج وہ لوگ احمد علی کی فیملی کا ایک حصہ ہیں اور ہر سال منصور علی اپنی سالگرہ کے موقع پر اپنی انوری کے ساتھ مل کر کیک کاٹتے ہیں..... اور اب منصور علی کو اپنی کسی بھی سالگرہ کے موقع پر کسی بھی مہمان کے آنے کا انتظار نہیں ہوتا کیونکہ جس کا انتظار ہوتا تھا..... وہ اب منصور کی زندگی کا ساتھی ہے۔

☆☆☆

دیہاتی لڑکی

عبدالروف سمرا

''تحسین! تم نے سنا کہ لبنیٰ بھی ہمارے ساتھ کالج کے ٹرپ پر جارہی ہے۔'' تحسین لائبریری میں بیٹھی کسی سائنمنٹ پہ کام کررہی تھی کہ عائشہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کرکے کہا۔

''کیا کہا؟ لبنیٰ اور ہمارے ساتھ جارہی ہے وہ؟ how it can possible یار وہ تو ساری انجوائے منٹ کے بھٹے بٹھا دے گی۔ یار اسے کسی طرح منع کرو۔ یار وہ دیہاتی لڑکی ہمارے ساتھ گئی تو خاک مزہ آئے گا۔ نہیں عائشہ میں اسے کسی طرح بھی اس ٹرپ کے ساتھ نہیں جانے دوں گی اور اگر وہ گئی تو پھر میں نہیں جاؤں گی۔ ہونہہ دیہاتی لڑکی۔ نہ پہننے کا ڈھنگ نہ بولنے کا ڈھنگ اور نہ کسی سے ملنے جلنے کا ڈھنگ۔ نہیں کچھ بھی ہو میں اسے کسی صورت اپنے ساتھ نہیں جانے دوں گی۔'' تحسین نے حتمی لہجے میں کہا۔

''اب تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ لبنیٰ اور عاتکہ اپنے اپنے حصے کے فنڈ جمع کرا چکی ہیں اور سر عابد نے ان کے نام بھی لسٹ میں لکھ لئے ہیں اور تمہیں تو پتا ہی ہے کہ سر عابد اپنے لکھے کو ہر صورت حتمی مانتے ہیں اور کسی صورت اس کا نام نہیں کاٹیں گے۔'' عائشہ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔۔۔ عائشہ بھی ساتھ ہے؟ یعنی ایک نہیں دو دو پاگل ہم سفر رہیں گی۔ نہیں عائشہ میں بھرپور احتجاج کروں گی۔ اور انہیں کسی صورت بھی ساتھ نہیں جانے دوں گی۔ یار خود سوچو بی ایس آنرز کا تھرڈ سمسٹر چل رہا ہے اور اتنے لانگ پیریڈ میں ہم یونیورسٹی ٹرپ کے ساتھ پہلی مرتبہ جا رہے ہیں۔ میں نے نجانے کیا کیا پلان بنا رکھے تھے اس سفر کو انجوائے کرنے کے لئے۔ اگر یہ دونوں پینڈو لڑکیاں ساتھ ہوئیں تو بس پھر ہم نے کرلیا انجوائے۔'' تحسین نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ مگر عائشہ خاموش رہی کچھ نہ بولی۔

☆☆☆☆☆

''امی میں نے کہہ دیا ہے نا کہ میں نے اور عائشہ نے ہر صورت یونیورسٹی ٹرپ کے ساتھ جانا ہے تو بس جانا ہے۔'' لبنیٰ نے اپنی امی سے کہا۔

''نہیں بیٹی خود سوچ تیرا باپ غریب ہو کے نہ صرف تجھے پال رہا ہے بلکہ اس نے اپنے پیٹ پہ پتھر باندھ کے تجھے یونیورسٹی میں داخل کروایا ہے۔ اتنے اخراجات کیا کم ہیں جو اوپر سے اس ٹرپ کے لئے کئی ہزار روپے کا بوجھ۔ تو سمجھتی کیوں نہیں بیٹی۔'' صغراں نے لبنیٰ کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اوہو امی! آپ بھی ناں۔ ایک تو یہ کوئی فضول ٹرپ نہیں ہے بلکہ مطالعاتی ٹرپ ہے۔ دوسرا اس کے اخراجات میں نے یا ابو نے تھوڑی دینے ہیں۔ میری سہیلی عائشہ نے دینے ہیں۔ دیکھ پیاری امی تجھے پتا ہے ناں کہ پورے گاؤں میں ایک میں اور ایک عائشہ ہم دونوں سہیلیاں ہی شہر میں یونیورسٹی میں پڑھنے گئی ہیں۔ کتنا تیرا نام گاؤں میں روشن ہوا ہے۔ گاؤں کے لوگ اپنے بچوں کو سمجھانے کے لیے تیری مثالیں دیتے ہیں۔ اب جو میں کراچی ٹرپ کے ساتھ جاؤں گی تو سوچ گاؤں میں تیری کتنی شاوا ہوگی۔'' لبنیٰ نے صغراں کو مسکہ لگاتے ہوئے کہا اور صغراں دیہاتی عورت اپنی بیٹی کی باتوں میں آگئی۔

لبنیٰ کو پتا تھا کہ وہ اگر ویسے امی کو قائل کرتی تو کبھی بھی انہوں نے نہیں ماننا تھا اس لئے اس نے چکنی چپڑی لگا کر کام نکالنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لبنیٰ اور عائشہ بچپن سے اسی گاؤں میں پلی بڑھی تھیں اور اسکول سے یونیورسٹی تک وہ ایک ساتھ تھیں۔ اس کی بچپن کی خواہش تھی کہ وہ کبھی زندگی میں کراچی جائے اور وہاں ساحل پہ کھڑے ہو کر سمندر کی لہروں کا نظارا کرے۔ ساحل سے ٹکرا کر پلٹتی ہوئی سمندر کی لہروں کے مناظر اپنی جوان آنکھوں میں اتارلے۔ وہ سمندر کے ساحل پہ ننگے پاؤں چلتے ہوئے نرم نرم ریت کے لمس کو اپنی یادوں کا حصہ بنانا چاہتی تھی۔ مگر گھر کے حالات اسے اجازت نہیں دیتے تھے وہ سمجھدار تھی اور اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا باپ اسے کتنی تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھا کر پڑھا رہا ہے اس کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کو پورا کر رہا ہے۔ لیکن وہ کرتی بھی کیا۔ جوان تھی۔ عمر کے اس حصے میں تھی جہاں خواہشوں کے آگے بند باندھنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ اس نے بھی اپنی خواہش کو دبانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اپنی منہ زور خواہش کے آگے بند نہ باندھ سکی اور آخر کار اس نے عائشہ سے بات کی تو وہ نہ صرف اس ٹرپ پہ جانے کے لئے تیار ہوگئی بلکہ اس نے اس کے اخراجات بھی اٹھانے کا وعدہ کرلیا۔ آخر وہ اس کی بچپن کی سہیلی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

''سر یہ ٹرپ کسی صورت نہیں جائے گا۔'' سر عابد اپنے آفس میں ٹرپ سے متعلقہ سامان کی لسٹ دیکھنے میں مصروف تھے کہ تحسین دندناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

سر عابد کو اس کا یہ انداز ایک آنکھ نہیں بھایا مگر حوصلے سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنی عینک کو ناک پہ جمایا اور بولے۔

''میں آپ کی اس ناجائز اور بے وقت فرمائش کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

''یہ ناجائز خواہش نہیں ہے۔ اگر اس ٹرپ کے ساتھ لبنیٰ اور عاتکہ گئیں تو ہم اس ٹرپ کے ساتھ نہیں جائیں گے اور اگر ہم نہیں جائیں گی تو پوری کلاس نہیں جائے گی۔'' تحسین نے بگڑے ہوئے مگر حتمی لہجے میں کہا۔

''ہم نہیں جائیں گی یا صرف تم نہیں جاؤ گی۔؟ سر عابد نے طنزیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''جو بھی ہو بحر حال اگر وہ پینڈو لڑکیاں گئیں تو میں نہیں جاؤں گی۔'' تحسین نے کہا۔

دیکھو تحسین! میری ان سے اس سلسلے میں بات ہوئی ہے وہ صرف سفر ہمارے ساتھ کریں گی لیکن وہ تم لوگوں کے کسی معاملے میں بالکل انٹرفیئر نہیں کریں گی۔ میں نے نہ صرف ان سے بات کرلی ہے بلکہ ان کو اچھی طرح سمجھا بھی دیا ہے۔ اب ایسی صورت میں بھی تم نہ جاؤ تو اس میں سبکی کس کی ہے؟ میری یا تمہاری۔؟'' سر عابد نے کہا تو تحسین کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔

''مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ ہمارے کسی معاملے میں انٹرفیئر نہیں کریں گی۔؟'' تحسین نے سر عابد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بات تم لوگ مجھ پہ چھوڑ دو۔'' سر عابد نے کہا تو تحسین مطمئن ہوگئی۔ تحسین کا گروپ کل بارہ لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے کوئی بھی متوسط گھرانے کی نہیں تھی سب کھاتے پیتے گھروں سے تھیں اس لئے انہیں لبنیٰ اور عاتکہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔ ان دونوں نے بھی کبھی ان کو منہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی اس کے باوجود تحسین یا اس کے گروپ کی لڑکیاں ان دونوں کو زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔ اس بار بھی ان کا یہی پروگرام تھا مگر سر عابد کی

صفائی

جج (ملزم سے) ''تم اپنی صفائی میں کچھ کہو گے؟''

ملزم: ''مجھے پچھلے ماہ سے جیل میں صابن نہانے کے لیے نہیں ملا اور آپ صفائی کی بات کر رہے ہیں۔''

(شکیلہ آرزو، اوکاڑہ)

گارنٹی کی وجہ سے وہ خاموش ہوگئی وہ جانتی تھی کہ سر عابد جو فیصلہ کرلیں اس سے ہٹتے نہیں اور خدانخواستہ غصے کی وجہ سے انہوں نے ٹرپ کینسل کرنے کا پلان کرلیا تو ان کی ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ اس لئے اس نے مان جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

☆☆☆☆☆☆

''ارے واہ یار عاتکہ دیکھ تو سہی کیا منظر ہے۔'' جونہی لبنیٰ اور عاتکہ نے کراچی کے ساحل پہ قدم رکھا تو لبنیٰ کے قدم وہیں رک گئے۔

''کیوں کیا ہوا رک کیوں گئی ہو؟'' عاتکہ نے پیچھے مڑ کر لبنیٰ سے پوچھا۔

''اُف! یار کیا منظر ہے۔ بچپن سے اب تک اس خواہش نے کتنی بار میرے اندر سر اٹھایا اور میں نے اپنے حالات کے پیش نظر اسے خودکشی پہ مجبور کیا۔'' لبنیٰ نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔ وہ ابھی تک ساحل کے کنارے ہی کھڑی تھیں اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا تھا۔ تحسین اور اس کا گروپ اٹکھیلیاں کرتا ہوا اور اپنے ساتھ لائی ہوئی سوئمنگ بال سے کھیلتا ہوا کافی دور نکل گیا تھا۔

''کس خواہش کی بات کر رہی ہو؟'' عاتکہ نے پوچھا۔

''یہی کہ گرمیوں کا موسم ہو سورج سر پہ ہو اور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی کرنیں زمین پہ بکھیر رہا

ہو۔ میں اپنے گلاسز پہنے سمندر کے کنارے کرسی لگاؤں اور ساحل سے ٹکرا کر اپنے غرور کو پاش پاش کرواتی ہوئی سمندر کی لہروں کو دیکھوں یا پھر تمہارے ساتھ پکنک منانے کے لئے ساحل پہ آؤں اور تمہیں اکیلی چھوڑ کر آئس کریم لوں اور ساحل کی گیلی ریت پہ ننگے پاؤں چلتی ہوئی دور بہت دور نکل جاؤں۔'' لبنیٰ نے دور کہیں خیالوں میں کھوئے لہجے میں کہا تو عاتکہ ہنس پڑی۔

''اری او خوابوں میں رہنے والی لڑکی۔ بس اب خواب دیکھنا چھوڑو اور آؤ میرے ساتھ۔ ساحل کی گیلی ریت پہ چلتے ہوئے باتیں کرتے ہیں۔'' عاتکہ نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے چلنے لگی۔

ابھی انہوں نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ انہیں چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ لبنیٰ کو آواز پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کے چیخ کی آواز تحسین کی تھی۔

''عاتکہ! تم نے چیخ کی آواز سنی؟'' اس نے عاتکہ سے پوچھا۔

''ہاں سنی تو ہے۔ عاتکہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''عاتکہ چیخ کی آواز تحسین کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی مصیبت میں ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔'' لبنیٰ نے کہا تو عاتکہ نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

یہ کیا کہہ رہی ہو۔ پتا ہے نا اس نے ہمارے ٹرپ کے ساتھ آنے کی کتنی مخالفت کی تھی۔ یہ تو سر عابد کی مہربانی ہے کہ ہم آج یہاں ہیں ورنہ تحسین کا بس چلے تو وہ تو ہمیں یونیورسٹی سے ہی نکلوا دے۔'' عاتکہ نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر عاتکہ یہ بھی تو ٹھیک نہیں ہے کہ وہ کسی مصیبت میں ہو اور ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ ہمارے پاس موقع ہے اگر وہ کسی مصیبت میں ہے تو اس کی مدد کر کے ہم اس کا دل جیت سکتی ہیں۔ چلو آؤ دیر نہ کرو۔'' لبنیٰ نے کہا اور اس بار وہ عاتکہ کا ہاتھ پکڑ کر تیز، تیز اس طرف دوڑنے لگی جس طرف اس کی کلاس فیلوز کھڑی تھیں اور مدد مدد پکار رہی تھیں۔ جلد ہی دونوں مجمعے کے پاس پہنچ گئیں۔

سامنے کا منظر بڑا دردناک تھا۔ تحسین سمندر کی لہروں کے ساتھ بہتی جا رہی تھی اور وہ بار بار ہاتھ اٹھا اٹھا کر مدد کے لیے پکار رہی تھی مگر اس کے گروپ میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جسے تیرنا آتا ہو۔ اور جان بوجھ کے کوئی خود کو موت کے حوالے کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ لبنیٰ کے لئے یہ منظر بڑا دلخراش تھا اس نے جلدی سے اپنا بیگ عاتکہ کو پکڑایا اور ایک ہی جست میں پانی میں کود گئی اور تیرتی ہوئی تحسین کے پاس پہنچ گئی۔

''تحسین اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو جلدی۔'' اس نے تحسین کے پاس پہنچ کر کہا۔

تحسین کے پاس اس وقت جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اور ویسے بھی اس وقت سوچنے کے لئے وقت ہی کس کے پاس تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ لبنیٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔ لبنیٰ تیرتی ہوئی تحسین کو گھسیٹ کر کنارے پہ لے آئی۔ خوف و دہشت کے مارے اور جسم میں پانی چلے جانے کے باعث تحسین بیہوش ہو گئی تھی۔ لبنیٰ نے اسے لٹا کر دبایا اور اس کے جسم سے پانی نکال کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ کافی دیر بعد تحسین کو ہوش آیا پہلے تو اسے یاد ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا ہوا تھا مگر جیسے ہی اس کی یادداشت واپس آئی اور ایک ایک کر کے سارے مناظر اس کے سامنے آنے لگے تو وہ اٹھی اور دوڑتی ہوئی لبنیٰ کے گلے لگ گئی اور اس سے اپنے رویئے کی معافی مانگی اور آئندہ کے لئے اسے زچ کرنے سے توبہ کر لی۔ اس کے بعد ٹرپ کے اگلے پانچ دن میں لبنیٰ عاتکہ اور تحسین سمیت اس کے گروپ کی ساری لڑکیوں میں اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆

صحرائے وفا

ایم حسن نظامی

''انسان کبھی بھول کر بھی جنات یا پریوں کی محبت نہ اپنائے
کہ ان کی وفائیں بہت بڑا صحرا ہوا کرتی ہیں جن میں بکھر کر
انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا اور ذلیل وخوار ہو جاتا ہے محبت
ہمیشہ خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں ہی سے ہونی چاہیے''

ایک پری کی کہانی جو ایک خوبصورت نوجوان پر عاشق ہو گئی تھی

بنا لیا ہے تجھے اپنی زندگی میں نے
اب اس سے بڑھ کے ترا اعتبار کیا ہوگا

وہ موسم بہار کی ایک خوشگوار صبح تھی۔ سردی نے جاتے جاتے سبھی ذی روح کے علاوہ درختوں اور پیڑوں پہ بھی اپنا گہرا تاثر چھوڑا تھا۔ سبھی سورج کی خوشنما کرنوں سے محظوظ ہوتے ہوئے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے اور ہر چہرے و پودے سے بیکراں مسرتیں رقصاں تھیں۔

اچانک ہی سہ پہر کے وقت مغرب کی طرف سے کالی گھٹا اٹھی۔ بادل گرجے اور پل بھر میں پورے آسمان پہ چھا گئی۔ بجلی چمکی اور ننھی بوندیں بارش کا روپ دھارنے لگیں۔ پھر جلد ہی موسلا دھار مینہ برسنے لگا۔ بستی کی گلیاں اور محلے بارش کے پانی سے ندی نالے بنتے چلے گئے۔ صبح کی رونما ہونے والی چمکیلی دھوپ پھر سے سردی میں ضم ہو کر رہ گئی۔ فضا میں شام کا دھواں سا پھیلتا چلا گیا۔

بیٹا کھیتوں کی نگرانی اور پانی کا پتہ لگانا تھا۔ گندم کی فصل میں زیادہ پانی نقصان دہ ہوا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں میرا گھر سے نکلنا دشوار ہے شاید۔ تم جوان آدمی ہو ذرا کھیتوں کا چکر لگا آؤ۔ حاجی علی امجد نے اپنے بیٹے اکبر سے جیسے اپنی خواہش ظاہر کی۔

اچھا بابا جانی...... اکبر نے سعادت مندی سے سر جھکایا اور چادر ذرا اوپر باندھے کسی اٹھائے دھیرے دھیرے قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے۔

آج اکبر باپ کے مقابل تھا۔ اونچا لمبا نکلتا ہوا قد، چوڑا سینہ، بڑی بڑی مونچھیں، لمبا ناک غرضیکہ بجیلا گبھرو کی صورت نمودار ہوا تھا وہ۔ حاجی صاحب کو کل ہی کی بات محسوس ہو رہی تھی۔ جب وہ بہت سی منتوں، مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے منوں کے حساب سے مٹھائی بانٹی تھی اور برادری کے منچلے ڈھول کی تھاپ پہ محو رقصاں تھے۔ وہ سوچوں کے تانے بانے بنتے ہوئے جانے کتنے ماہ و سال پیچھے چلے گئے اور پھر گزرا پل پل ان کی نگاہوں کے سامنے لرزنے لگا۔

☆☆☆

حاجی علی امجد گاؤں کے چند نامور معززین میں شما کیے جاتے تھے۔ کئی سال تک وہ اولاد کی نعمت سے محرو رہے۔ پھر گاؤں کے پاس ہی درگاہ پہ انہوں نے چالیس دن کا چلہ کاٹا اس کرنی والے بزرگ کے صدقے خداوند کریم نے انہیں دو بچے دیئے نجمہ او اکبر۔ انہوں نے بے بہا خوشیاں منائیں، دیگیں تقسیم کیں اور خدا کے حضور سر بسجود ہوئے۔ مگر ان کی بیو بچوں کی پیدائش کے کچھ ہی ماہ بعد انہیں داغ مفارقت دے گئی۔ انہوں نے بچوں کی نگہداشت میں کبھی انہیں ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔

گاؤں میں میٹرک کے بعد جیسے ہی اکبر علی تعلیم کے لیے شہر گیا۔ حاجی صاحب نے دور کی سبھی زمینیں نچ کر گاؤں کے قریب ہی خرید لیں تاکہ وقت پر باآسانی پہنچ کر عمدہ طریقے سے کاشت اور نگہداشت کر سکے۔

ان کا گاؤں بہت ہی قدم طرز کا تھا تبھی سبھی سہولیات زندگی میسر تھیں۔ بستی کے مشرق میں چھوٹی سی ندی بہتی تھی۔ جو علاقے بھر کو سیراب کرتی تھی۔ نہر کا پل عبور کرتے ہی سرسبز و شاداب باغ تھا۔ جس میں سنگترے امرود اور جامن کے پیڑ تھے۔ وہ اس کے بڑے بھائی کی ملکیت تھا۔ گاؤں شمال مغرب میں بہت بڑا قبرستان تھا اور اس میں معروف ولی بابا گھسن شاہ کی درگاہ تھی۔ جہاں ہر وقت میلے کا سماں ہوتا اور لوگ ہر طرح کی منتیں مانتے اور مرادیں پاتے۔ اس کے پاس ہی ذرا آگے ریلوے لائن گزرتی تھی جو کچھ دور جا کر بل کھاتے ہوئے شہر کا رخ اختیار کرتی۔ حاجی صاحب کی زمین درگاہ سے شروع ہو کر دور تک ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلی جاتی۔ حاجی صاحب روزانہ سویرے ہی نپے تلے قدموں پر جلد ہی اپنے کھیتوں میں پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہو جایا کرتے۔ تبھی فصلیں

سرسبز و شاداب اور لہلہاتی ان کی انتھک محنت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ اکبر شہر سے گاؤں چھٹیاں پہ آیا تھا تبھی بارش کی وجہ سے حاجی صاحب نے اسے کھیتوں کی طرف بھیجا۔

اکبر گھر سے نکل کر پاؤں کا انگوٹھا گیلی زمین میں کھوب کھوب کر سنبھلتے ہوئے ریلوے لائن پر آیا اور پھر با آسانی اپنے کھیت میں پہنچا۔ ہر سو لہلہاتی کھیتیاں سوندھی سوندھی خوشبو لیے جھوم جھوم کر عجیب سا سماں باندھے تھیں۔ گندم کی ادھ پکی بالیاں لہرا لہرا کر اپنی پر مسرت خوشبو سے سرشار محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ایک پگڈنڈی پہ چلتا ہوا کھیتوں کے بیچ ڈیرے پہ پہنچا۔ جہاں بوڑھے برگد کے نیچے بیلنا لگا تھا۔ جس سے گنے کا رس نکال کر گڑ بنایا جاتا تھا۔ مگر آج بارش کی وجہ سے وہاں بھی ویرانی کا سماں تھا۔ کام کرنے والے بارش کو دیکھتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ وہ چند لمحے وہاں رکا۔ پھر کسی تھاہے گندم کی طرف بڑھ گیا۔ مگر اسے یہ دیکھ کر بہت حیرانگی ہوئی کہ گندم کے کھیت میں قطرہ بھی پانی نہیں اور اردگرد کے کھیت لبالب پانی سے بھرے تھے۔

ہائیں..... اس نے پیشانی سے اپنے لبوں کو ہلکی سی جنبش دی۔

پانی نشیبی فصلوں کو کس نے چھوڑا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے عقب میں نسوانی نشیلی مسکراہٹ ابھری اور پر مسرت اور خوشنما خوشبو کا جھونکا اس کی نس نس میں سمانے لگا۔ اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ خوبرو حسینہ، لمبے لمبے بال، بھرے بھرے گال، نشیلی آنکھیں، لبوں پہ بھرپور لپ سٹک لگائے اس کی طرف بغور تکے جا رہی تھی۔

ت..... تم..... ک..... کون ہو.....؟ وہ حیران سا ہوا۔

میں..... محبوبہ..... وہ ہنسی تو جیسے کئی کلیاں سی کھل اٹھیں اور ہر سو خوشبوئیں بکھر گئیں۔

ت..... تم کون ہو؟ وہ تذبذب میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔

میرا نام محبوبہ ہے۔ میں عرصہ سے آپ کی متلاشی ہوں۔ یہیں میرا بسیرہ ہے۔ حاجی صاحب سے میری گہری دوستی ہے۔ آپ کا ذکر مضارعوں سے بہت دنوں سے سنتی چلی آ رہی ہوں۔ آج دیکھا تو واقعی اپنی سوچ اور خیالوں سے تمہیں بہتر پایا ہے۔

مگر میں تو کسی محبوبہ کو ہرگز نہیں جانتا۔ اس نے ایک ادا سے نفی میں سر ہلایا اور وہ ہنسنے لگی۔ اکبر..... عرصہ سے آپ کی چاہت میں جل رہی ہوں۔ میری متلاشی نگاہیں جانے کب سے تمہاری راہیں دیکھ رہی ہیں۔ آج ملے ہو تو.....؟

پہلے یہ بتاؤ کہ کب سے یہاں ہو۔ اور گندم کے کھیت سے پانی کس نے دوسری فصلوں کو چھوڑا۔ اکبر نے باتوں کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی میں یہاں ہوں اور گندم کے کھیت سے پانی میں نے دوسری جانب چھوڑا مجھے پتہ تھا۔ حاجی صاحب بارش کی صورت میں یہاں نہیں پہنچ سکیں گے اور پانی گندم کی فصل کو نقصان پہنچائے گا..... وہ چہکنے لگی۔

حاجی صاحب کو تم نے کبھی اپنے بارے میں بتایا.....؟ اکبر نے پوچھا۔

نہیں..... مگر وہ اپنی زبان سے کئی بار اقرار کر چکے ہیں کہ آج کام بہت زیادہ ہوا ہے۔ آج جیسے کئی آدمیوں نے مل کر کام کیا ہے۔ حالانکہ کام میں میں ہی ان کا ساتھ دیتی تھی۔

اچھا..... اس نے اچھا کو ذرا لمبا کرتے ہوئے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کسی کو زمین پہ رکھے دستہ اوپر کیے اس کی پلیٹ پہ اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کی کمر دستے کے ساتھ لگی تھی اور پاؤں

زمین پر۔ مگر اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ لوہے پہ نہ بیٹھا ہو بلکہ کسی نرم و نازک گدے پر جو فوم سے بنا ہو۔

ہاں تو اب بولو جی۔ مجھ سے کیا چاہتی ہو۔ اس نے ترچھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

دوستی چاہتی ہوں۔ تمہاری وفا، تمہارے پیار کو ترس گئی ہوں اور اب..... جب سے تمہیں دیکھا ہے۔ ایک پل بھی تمہارے بنا گزارنا مشکل ہو رہا ہے۔

مگر..... میں نے اس سے قبل تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔ وہ حیران ہوتے ہوئے بولا۔

اب تو دیکھا ہے۔ بلکہ اب روز نہ دیکھو گے۔ وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

دیکھو میڈم..... محبت کرنا اس قدر آسان ہے جیسے مٹی پہ مٹی سے لکھنا اور نبھانا اس قدر دشوار ہے جیسے پانی سے پانی پہ پانی لکھنا۔ اکبر نے مفروضہ پیش کیا میں..... میں ہر مشکل کو آسانی میں بدل سکتی ہوں۔ آپ میری وفا کی حامی بھر کر دیکھیں ہر جگہ ثابت قدم پاؤ گے۔ پھر میں آپ کو ہوا سے ہوا میں ہوا لکھا کر دکھا دوں گی۔

واہ بھئی..... تم تو بہت گہری باتیں کرنے لگیں مگر.....! مجھے تو اس وقت پانی نکالنا تھا اور تم نے کن باتوں میں لگا دیا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

نا..... نا..... نا..... کر دیا سبھی بندوبست میں نے۔ سبھی کچھ ٹھیک ہے۔ پانی کسی فصل کو نقصان نہیں دے گا۔ آپ بے فکر رہیں۔

اکبر نے دور تک نگاہ دوڑائی۔ پھر واپس چلنے لگا تو وہ بھی اٹکھیلیاں کرتی اس کے ساتھ ہو لی۔ وہ اپنے ہر قدم کو ایک ادائے بے نیازی سے اٹھاتی چل رہی تھی۔ کھیت کی پگڈنڈی سے نکل کر ریلوے لائن پر آئے تو اکبر نے پوچھا..... تم کہاں جا رہی ہو.....؟

آپ کے ساتھ..... تمہیں گھر چھوڑنے۔ دیکھو ناں رات کے اس سناٹے میں کس قدر وحشت سی ہے۔ ہر طرف ہو کا عالم ہے تبھی میں..... وہ ذرا رک کر مسکرانے لگی۔ اس کی ہنسی میں ایک ارتعاش سا پھیلتا چلا گیا اور خوشبو ہر سو بکھر گئی۔

نہیں..... تم جاؤ۔ میں چلا جاؤں گا۔ اس نے ذرا غصیلے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ مگر وہ بدستور مسکراتی رہی۔

اب اس وقت میرے ساتھ تمہیں کوئی یوں دیکھے گا تو خواہ مخواہ باتیں ہوں گی۔ اس نے اسے گویا سمجھایا۔

ناراض ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں چلی جاتی ہوں۔ مگر وعدہ کرو۔ صبح یہاں ضرور ملو گے۔ اس نے سر جھکا کر دھیرے سے التجا کی.....

محترمہ.....! یہ کھیت کھلیان میرے اپنے ہیں۔ مجھے تو ضرور یہاں آنا ہوگا۔ تم میرا انتظار کرو یا نہ کرو۔

باتیں کرتے ہوئے وہ قبرستان کے پاس پہنچے اور پھر ایک دم ہی آگ کا بگولہ سا ابھرا اور پل بھر میں آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ اس نے حواس باختہ ہو کر پیچھے دیکھا۔ وہ حسینہ غائب تھی۔

وہ ایک دم ہی گھبرا سا گیا۔ اس کے اندر جلترنگ سے بجنے لگے۔ خوف و ہراس کی دبیز اس کے اعصاب کو ناتواں کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں سامنے تارے سے ناچنے لگے اور قدم لڑکھڑا گئے۔ مگر وہ بوجھل قدموں اور تھکے ہارے وجود کے ساتھ چلتا ہوا بمشکل گھر پہنچا اور جاتے ہی پلنگ پہ گر سا گیا۔ اس کا پورا بدن تھر تھر کانپنے لگا اور لب سوکھ گئے۔ اس پہ غنودگی سی چھا گئی اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

حاجی صاحب نے پانی دم کرتے ہوئے اس پہ چھینٹے مارے تو اس کی طبیعت کچھ سنبھلی۔ اس کے کانوں میں محبوبہ کی باتیں بازگشت کر رہی تھیں اور پھر آگ کا بگولہ اس کی نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔

کیا ہوا بیٹا۔ کچھ..... کچھ نہیں بابا..... بس ذرا ٹھوکر لگ گئی ہے۔ تبھی بدن ٹوٹ رہا ہے۔

پھر لائٹ آ گئی تو حاجی صاحب اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ اسے ذرا حوصلہ ہوا۔ اس نے سبھی سوچوں سے سر جھٹکا پھر جانے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوگئی۔ کچھ روز بعد اس کی چھٹیاں ختم ہوگئیں اور وہ اپنے ایگزام کی تیاری میں شہر چلا گیا۔

☆☆☆

اس روز اس کے ایم ایس سی کے پیپرز تھے سبھی کلاس فیلوز رات گئے تیاری میں مگن تھے۔ تبھی اچانک کمرے میں جگنو سے چمکتے ہوئے ادھر ادھر اڑنے لگے۔ ساتھ ہی خوشبو کا تاثر اسے محسوس ہوا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ہاتھوں سے اس کی آنکھوں کو بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر اس نے اس طرف ذرا دھیان نہ دیا اور پڑھنے میں مگن رہا۔ مگر جلد ہی اسے نیند کا خمار سا ہونے لگا۔ پھر پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے آنکھیں مسلنا چاہیں تبھی اس کے ہاتھوں میں کسی کے نرم و نازک ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔

ک.....کون ہو تم.....؟ وہ گڑبڑا سا گیا۔

مم..... میں آپ کی محبوبہ..... نرم اور ملائم ریشم کی سی آواز کا ترنم سا بکھرا۔

اوتو.....تم میرے پیچھے یہاں بھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

ہاں اکبر..... !یہ تو لاہور ہے۔ آپ سات سمندر پار بھی چلے جائیں میں پل بھر میں آپ کے پاس پہنچ سکتی ہوں۔

اچھا..... جی..... اس سے ثابت ہوا کہ تمہارا وجود انسانوں جیسا ہرگز نہیں ہے۔ اس نے ذرا جھینپتے ہوئے مگر بارعب آواز سے کہا۔

کمرے میں چند سے گہری خاموشی چھا گئی۔ اکبر وہاں سے اٹھ کر کالج کے خوبصورت لان میں چلا آیا۔ اس پھلواری میں رنگا رنگ پھول اپنی سرشاری میں مختلف خوشبوئیں لیے جھوم جھوم کر مہک رہے تھے۔ وہ بھی اس کے تعاقب میں چلی آئی۔

ہاں تو محبوبہ جی! اب تم اپنے بارے میں وضاحت سے بتاؤ۔ کون ہو اور رہتی کہاں ہو۔ کیا چاہتی ہو مجھ سے.....؟ جبکہ.....!

اکبر.....! میں پری زاد ہوں۔ پرستان سے اس زمین پہ آنا ہوا۔ اس وقت تم بہت چھوٹے تھے شاید..... تمہارے گاؤں میں شام ہوگئی۔ مسافر کا روپ دھار کر ایک دروازے پر دستک دی۔ خوش قسمتی سے دروازہ حاجی صاحب نے کھولا۔

حکم کرو بیٹی کس سے ملنا ہے.....؟ انہوں نے بیکراں پیار سے پوچھا۔

بابا جی..... مسافر ہوں۔ شام گہری ہو رہی ہے اور اب..... بھوک بھی لگی ہوگی تمہیں انہوں نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

حاجی علی امجد واقعی نیک دل ثابت ہوئے۔ انہوں نے وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے پل بھر میں میری دلی کیفیت جان لی تھی۔

اندر آ جاؤ بیٹی..... انہوں نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور میں ان کے پیچھے چلتی ہوئی بیڈ روم پہنچی۔ بیٹھو بیٹی..... انہوں نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا اور خود کچن کی طرف بڑھ گئے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے کھانا لا کر میرے سامنے چن دیا۔

لو بیٹی..... پڑھو بسم اللہ اور میں کھانے میں مصروف ہوگئی۔ میں نے کھانے سے کپڑا اٹھانا چاہا۔ نا بیٹی نا..... کھانا ڈھکا رہے تو برکت برقرار رہتی ہے اور میرا ہاتھ جوں کا توں رک کر صرف ایک روٹی اٹھا سکا۔ میں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ یہ بسم اللہ کی برکت تھی شاید نہ تو کھانا ختم ہوا اور نہ ہی سالن..... حالانکہ ہم کھانے پہ آئیں تو منوں کے حساب سے کھا جایا کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے اسی کمرے میں سونے کی پیش کش کی..... مگر

کمرہ ایک تھا۔ تبھی میں نے ان کے آرام کو خاطر میں لاتے ہوئے مناسب نہ سمجھا اور اجازت چاہی اور بستی کے باہر نظر دوڑائی۔ انہوں نے روکا...... مگر...... میں خاموشی سے اٹھ آئی۔

قبرستان میں میرے جیسے بہت سے لوگ پہلے ہی آباد تھے۔ تبھی میں نے اس بوڑھے برگد کا انتخاب کیا۔ جہاں بہت سے لوگ اپنے کام میں بے حد مصروف تھے۔ خوش قسمتی سے یہ جگہ بھی حاجی صاحب کی ظاہر ہوئی۔ تبھی میرے دل میں حاجی صاحب کے ورکرز کی مدد کرنے کا خیال ابھرا۔ میں نے کئی دنوں کا کام شب کا اندھیرا، صبح کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے ہی مکمل کروا دیا۔ صبح وہ لوگ حیران ہو کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ کئی دنوں کا کام ایک ہی رات میں کیونکر مکمل ہوا۔ حالانکہ میں نے گڑ اور رس بھی سیر ہو کر کھایا تھا۔

اگلی صبح حاجی صاحب کے ساتھ آپ کو دیکھ کر دل بلیوں اچھلنے لگا اور پھر نا چاہتے ہوئے بھی تم پہ دل ہار دیا۔ بس تب سے آج تک کوئی نگاہوں میں جچتا ہی نہیں۔ کچھ اچھا لگتا ہی نہیں۔ میرا سکون تم ہو میری سوچ کا محور ہو تم۔ میرے تصورات، میرے خوابوں کا مسکن ہو، میری زندگی کا حاصل ہو تم...... اس کی نشیلی آنکھیں جیسے خوابیدہ ہونے لگیں۔

مم...... مگر...... انسانوں اور پریوں کا کیا جوڑ......

اس نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اب کی بار...... اکبر کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر محبوبہ نے نگاہیں جھکا لیں۔

پھر کئی سے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ ایک لمبی اور روح فرساں خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئی۔

اکبر...... محبت ایک لافانی جذبہ ہے جو اونچ نیچ، انسان حیوان، چرند پرند، پتھر، پیڑ، پودے یہاں تک کہ حیوانوں کو بھی نہیں دیکھا کرتی۔ یہ کی ہرگز نہیں جاتی، بس ہو جایا کرتی ہے اور مجھے تم سے محبت ہے۔ اس۔ نے لمحہ بھر کو اپنی نگاہیں اٹھائیں اور پھر جیسے کسی غم میں ڈوب کر جھکا لیں۔

مگر اس سفر میں ساتھ چلتے ہوئے کسی بھی لمحہ تم اڑ کر دور پانیوں، پہاڑوں اور پتھروں کے اس پار جا کھڑی ہو گی اور...... میں......؟

نہیں...... ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں پانی میں اتری تو پانی پہ چلنے کو آپ کے لیے راستہ دوں گی۔ پہاڑوں پہ پرواز ہوئی تو تمہارا بوجھ میرے اختیار میں ہو گا۔ میں تمہارے حصے کی سبھی سختیاں اپنے وجود پہ سہوں گی مگر...... میں تمہیں سرد گرم موسموں اور سختیوں سے ضرور محفوظ رکھوں گی۔

مگر...... آتشی اور خاکی مخلوق کی سنگت ناممکن سی بات ہے۔ میرے سامنے فاصلہ صحرا ہے اور تمہارے لیے پل بھر کا۔ تم مجھ تک پہنچ سکتی ہو اور میں......؟ دل ذرا بھی نہیں مان رہا اس بات کو۔

مگر تمہاری ہاں سے سبھی کچھ تمہارے لیے ممکن بنا دوں گی۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے۔ اب ذرا آج ہی کی رات مشاہدہ کر لینا۔ تمہارا پیپر تمہارے سامنے آئے گا۔ صبح دیکھ لینا۔ وہی سوالات ہوں گے جو اس پیپر میں ہیں اور تمہیں صبح جوابات لکھنے میں ذرا پریشانی نہیں ہو گی۔

ٹھیک ہے اگر ایسا ہوا تو پھر میں تمہاری محبت ضرور قبول کروں گا۔ اکبر نے ہنستے ہوئے کہا۔

وعدہ...... پکا وعدہ محبوبہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے اکبر نے اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔ دونوں طرف مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا اور پھر وہ اجازت چاہتے ہوئے دھیرے دھیرے اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوتی چلی گئی اور اکبر پلٹ کر پھر سے اپنے پرچے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

شب کے پچھلے پہر اونگھ آنے پر پیپر اس کے سامنے تھا۔ اس نے سبھی سوالات ذہن نشین کر لیے اور

ای پرچے کا عکس اس کے سامنے جوں کا توں تھا۔
لکھنے میں اسے ذرا پریشانی یا گھبراہٹ محسوس نہ
ہوئی۔ یوں سبھی پیپرز میں عمدہ نمبروں سے کامیابی کے
بعد اسے محبوبہ کی محبت کا برملا اعتراف کرنا پڑا۔

تبھی وہ چھٹیوں میں گھر چلا آیا اور اب کی ملاقات
میں ہنستے ہوئے اکبر نے اس کا نرم و نازک ہاتھ تھام کر
اس کی محبت کا اقرار کرلیا۔

دوستی و محبت کے در وا ہوئے تو روزانہ ملاقاتوں نے
...الم لیا اور وہ خوش اسلوبی سے اکبر کے سبھی کام نا صرف
کرنے لگی بلکہ اکبر کی خواہشوں کا بھی احترام ہونے
لگا۔

ادھر کام اکبر کے ذہن میں ہوتا ادھر اس پہ عمل
ہونے لگتا۔ دونوں کے دن عید اور رات شب برات کی
...رنے لگے اور خوشیاں ہر سو رقصاں ہوگئیں۔

☆☆☆

محبوبہ مکمل طور پر اکبر کے وجود، دل اور دماغ پر
حاوی ہوچکی تھی۔ اب وہ اپنی مرضی اور اشارے پہ اسے
چلا رہی تھی۔ اس کی مرضی ہوتی تو وہ اسے اپنے بزرگوں
سے اچھا بولنے دیتی اگر نہ ہوتی تو اکبر اپنی لال سرخ
آنکھوں سے انہیں ایسے گھورتا جیسے کھا جائے گا۔ دل
چاہتا تو دس دنوں کا کام ایک ہی روز میں مکمل ہو جاتا
اور اگر مرضی نہ ہوتی تو کئی کئی روز تک کام یونہی پڑا
رہتا۔

اکبر مکمل طور پر محبوبہ کے قبضہ میں تھا شاید تبھی اس
کی طبیعت بوجھل بوجھل اور وجود بھاری محسوس ہو رہا تھا
جیسے وہ منوں وزن اٹھائے پھر رہا ہو۔ اس نے کئی بار
ذہن پہ زور دیا مگر یہ بات سمجھنے سے قاصر رہا اسے یوں
محسوس ہو رہا تھا کہ جس روز سے محبوبہ نے اسے اپنی
بانہوں کے حصار میں لے کر گلے لگایا تھا اسی روز سے
وہ اس پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ وہ کرنا کچھ چاہتا تھا
اور ہو کچھ جاتا تھا۔ مگر اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

شامِ سالگرہ

چاہت ہو، خوشی ہو، ترے دامن میں وفا ہو
مہکی ہوئی اک شام تری سالگرہ ہو
اس دن کے تصور سے سنور جائیں نظارے
اس دن ترے قدموں میں بکھر جائیں ستارے
اس دن پہ مری زیست کا ہر لمحہ فدا ہو
مہکی ہوئی اک شام، تری سالگرہ ہو
ہے آج کے دن میری دعا، اب نہ کبھی ہوں
افسردہ مری جان! ترے لب نہ کبھی ہوں
غم کی نہ کبھی چہرہ جاناں پہ گھٹا ہو
مہکی ہوئی اک شام تری سالگرہ ہو
پر زور ہوا میں دیا جلتا ہوا رکھے
اللہ جہاں میں تجھے ہنستا ہوا رکھے
بوجھل، نہ کبھی نم تری پلکوں کی ردا ہو
مہکی ہوئی اک شام تری سالگرہ ہو
تو بھی نہ ہو میری طرح ناکامِ محبت
اچھا ہو مری جاں! ترا انجامِ محبت
محبوب کی آنکھوں میں تمہاری ہی ضیا ہو
مہکی ہوئی اک شام تری سالگرہ ہو
چاہت کے دلوں سے کبھی جذبات نہ کم ہوں
ایسے ہی اگر ہوں تو یہ دن رات نہ کم ہوں
اللہ کرے عمر مری تجھ کو عطا ہو
مہکتی ہوئی اک شام تری سالگرہ ہو

(انتخاب: حمیرا وحید، واہ کینٹ)

ایک روز وہ باپ کے ساتھ کھیتوں میں گیا واپسی پہ
سید محسن شاہ کی درگاہ پر کچھ لوگ چادر چڑھا رہے
تھے۔ تبھی حاجی صاحب نے برادری کے ایک آدمی سے
اپنا مدعا ظاہر کیا اس نے سبھی لوگوں سے اکبر کے لیے دعا
منگوائی۔ جس سے اس کی حالت کچھ نارمل ہوگئی۔ پھر

برادری کے چند معززین نے حاجی صاحب کو اکبر کی شادی کا مشورہ دیا۔ شاید اس طرح مشکل حل ہو جائے۔

کئی روز اسی کشمکش میں گزر گئے ایک روز اکبر کو نارمل حالت میں محسوس کرتے ہوئے باپ نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ وہ تھوڑا سا شرمایا اور مسکرا کر بولا میں آپ کی ہر خواہش کا احترام کرتے ہوئے سر تسلیم خم کرتا ہوں مگر اس کا جواب میں آپ کو کل دوں گا۔ جس سے وہ ہنس کر خاموش ہو گئے۔

گندم کی کٹائی ہو رہی تھی۔ ہر سو کھیتوں میں گندم کے گٹھے بکھرے تھے کٹائی کی جا رہی تھی۔ اکبر کھیت کی منڈیر پر انہی سوچوں میں چلا جا رہا تھا کہ سامنے بیری کے پیڑ کی نرم شاخوں پہ دو ننھے منے بچے اٹکھیلیاں کرتے پائے۔

اوئے گر جاؤ گے..... بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور اگلے ہی لمحے شاخیں ہوا کے دوش پر لہرانے لگیں۔ بچے غائب تھے۔ ایک دم ہی اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ سانس پھولنے لگی۔ پاؤں اٹھانا اس کے لیے دشوار سا ہو گیا۔ وہ منڈیر سے پھسل کر گرنے ہی والا تھا۔ کہ اچانک کسی نے اسے تھام لیا۔

اوہ..... آپ ڈر گئے۔ محبوبہ مکمل طور پر اسے اپنی بانہوں کے حصار میں جکڑے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ اس کی سانسوں کا طلاطم ڈگمگانے لگا۔ اس نے پورے زور اور غصے سے اپنا آپ چھڑانا چاہا مگر..... کھینچا تانی میں دونوں گندم کے کھیت میں جا گرے۔ محبوبہ نیچے تھی اور اکبر اوپر اس نے جلدی سے اپنے آپ کو اس سے دور کرنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کی سانسوں کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی اور پورا وجود پسینے سے شرابور ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا۔ جیسے اس کا دل مٹھی میں آ گیا ہو۔ مگر محبوبہ نے ہنستے ہوئے اسے بازوؤں سے آزاد کر دیا۔ وہ جلد ہی اٹھ کر اس سے دو قدم دور جا کھڑا ہوا۔ وہ ہنستی ہوئی اس کے ذرا قریب ہوئی اور اکبر کا ہاتھ تھام کر بولی۔

اکبر..... میں اجنبی نہیں ہوں۔ تمہاری دوست ہوں۔ مجھے تم سے بے پناہ پیار ہے۔ میں تمہاری محبت کو ترس رہی ہوں۔

مم..... مگر..... وہ بوکھلا سا گیا۔ اس سے کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے عاجزی کی سی پوزیشن میں قدموں میں جھکتی چلی گئی۔

نہیں..... نہیں..... میں پاکیزہ محبت پر یقین رکھتا ہوں۔ میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا جو تم مجھ سے چاہتی ہو۔

ٹھیک ہے..... آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ اس وقت مجھے معاف کر دو۔ وہ بیکراں چاہتیں نگاہوں میں سمائے اسے یوں دیکھنے لگی۔ جیسے پیاسا ساحل پہ آ کر پانی کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ باتیں کرتے ہوئے برگد کے نیچے چلے آئے۔ جہاں سبھی لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ سبھی کچھ جوں کا توں تھا۔ بیلنے سے گنے کا رس، اس سے گڑ اور چینی تیار ہو رہی تھی۔ مگر اکبر کا ذہن اتھل پتھل ہو رہا تھا۔ آج اس نے جواں سال دوشیزہ کی سانسوں کی خوشبو اس قدر قریب سے محسوس کی تھی اور اب وہ اس کے مکمل اعصاب پہ سوار تھی۔ وہ ابھی تک خوبرو جوانی کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ مگر اس کا دل قطعی طور پر ایسی وفا کو نہیں مان رہا تھا۔ یہ ایمان کا جذبہ تھا کہ والدین کی پرورش کا جذبہ کہ مسلمان ہونے کی طاقت۔ پھر جیسے ہی اس کے حواس بحال ہوئے اسے محبوبہ کے کیے پہ بہت دکھ ہوا۔ وہ کلام پاک کی آیات کا ورد کرتا ہوا گھر چلا آیا۔

☆☆☆

محبوبہ نے اسے شادی کی اجازت تو دے دی مگر دو شرطیں رکھیں۔ پہلی کہ شادی جس سے بھی ہو وہ تمہاری بیوی، تمہاری منکوحہ ہو گی۔ مگر شادی کی پہلی رات..... میں

تمہاری بیوی کے وجود میں جلوہ گر ہوں گی۔

مگر یہ کیسے؟ وہ حیران ہو کر بولا۔ میں سبھی ناممکنات کو ممکن میں بدلنے کی اہلیت رکھتی ہوں۔ وجود تمہاری بیوی ہی کا ہوگا مگر چہرہ میرا ہوگا۔ کیونکہ تم پہ پہلا حق میرا ہے۔ تو پھر..... وہ بوکھلا سا گیا۔

اکبر! میں کئی بار بتا چکی ہوں کہ میں تم سے جنون کی حد تک چاہت رکھتی ہوں۔ مگر ہمارا پیار اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک تمہارے دل میں اور کوئی تصور نہیں ابھرے گا اور اگر ایسا ہوا تو پھر ہماری راہیں جدا ہو جائیں گی۔ نیا تصور ہی ہمارے درمیان دوریاں پیدا کرے گا اور یہی تمہارے یا پھر میرے بکھرنے اور تباہ و برباد ہونے کی علامت ہوگی۔ وہ روہانسی ہو کر دور کھڑے اس پیڑ کی طرف دیکھنے لگی۔ جس پہ کوئی شاخ تھی اور نہ پتا۔

اکبر اس کی صورت دیکھ کر ہلکان سا ہونے لگا۔ آج پہلی بار اس نے محبوبہ کی آنکھوں میں خوشی کی بجائے دکھ کے آنسو گرتے دیکھے تھے۔ مگر اسے بھی اس کی لگائی پابندیاں منظور ہرگز نہ تھیں۔ تبھی وہ اسے یونہی چھوڑے آگے بڑھ گیا اور وہ پتھر کے بت کی مانند وہیں کھڑی نوحہ کناں تھی۔

کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ذہن تسلیم نہیں کرتا۔ کچھ باتیں ایسی ہوا کرتی ہیں جنہیں عیاں نہیں کیا جاتا کیونکہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ایک ایسی دنیا ہے جو کبھی کبھی ایک کڑا امتحان بن جاتا ہے۔ مگر حقیقت کو جھٹلایا قطعی نہیں جا سکتا۔

اکبر کی شادی کی سبھی رسومات دھوم دھام سے سر انجام پائیں۔ سبھی چہرے شادمان دکھائی دے رہے تھے اور کوئی بھی انہونی نہیں ہوئی تھی جس پہ سوگواری کا گمان ہو۔ نگہت اس کی رشتہ دار ہی تھی جو اس کے عقد میں آئی۔ تبھی پوری برادری بیکراں مسرتوں سے شادمان تھی مگر..... اکبر کا دل جیسے مٹھی میں تھا۔ وہ اپنے وجود پر بوجھل سا محسوس کر رہا تھا مگر پھر بھی سبھی رسومات سے سرخرو ہونے کی سعی کر رہا تھا۔ جانے اسے انجانا سا خوف اور ڈر کیوں محسوس ہو رہا تھا اور انہونی سوچیں اسے کیوں اپنی گرفت میں لیے ہوئی تھیں۔

رات گئے سبھی مہمان سونے کے لیے اپنی اپنی خوابگاہوں میں چلے گئے تو وہ دلہن کے کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے کو بہت اچھے طریقے سے سجایا گیا تھا۔ دلہن مجلہ عروسی میں محو انتظار تھی۔ جیسے ہی اس نے اس کا نقاب پلٹا، دلنشین مسکراہٹ کے ساتھ محبوبہ نے اس کا استقبال کیا۔ وہ لمحہ بھر کو بھونچکا رہ گیا اور بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر دلہن نے اس کا بازو تھام لیا۔

سرتاج..... مجھ سے کون سی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے جو مجھ سے بات کرنا گویا تمہاری توہین ہو اور اٹھ کر جا رہے ہو۔

آواز نئی نویلی دلہن نگہت ہی کی تھی۔ لیکن چہرہ محبوبہ کا۔ وہ ایک بار پھر حیران و پریشان تھا اور موجودہ صورتحال جاننے کی کوشش میں خاموش تھا۔ چند لمحے یونہی خاموشی چھائی رہی اور پھر وہ نا چاہتے ہوئے بھی بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے تو اس سے باتیں کرتا رہا، پھر اس پہ سرشاری اور سحر سا طاری ہوتا چلا گیا۔ پھر اسے کچھ پتہ نہ چلا کہ اس نے نگہت سے کیا کہا اور یہ شب کیسے گزری۔ صبح موذن کی اذان سنائی دی تو جیسے وہ اپنے حواس میں تھا اسی دوران کمرے کا روشن دان چھینا کے سے ٹوٹ کر باہر گلی میں جا گرا۔ اس وقت اسے شب بھر کی پوری حقیقت کا علم ہو گیا۔ وہ اپنی دلہن ہی کے پاس تھا جو ابھی تک شب خوابی کے لباس میں نیم عریاں یوں سوئی پڑی تھی جیسے اس کی عمر بھر کی پیاس بجھ گئی ہو۔ اس نے اسے جگا کر باتھ روم کی طرف اشارہ کیا اور خود سوچوں کی عمیق گہرائیوں میں اترنے لگا۔

شاید اس نے بیوی کی زوجیت کا حق بھی ادا کیا یا ..... نہیں۔ محبوبہ کا خیال اس کی دھڑکنوں میں طلاطم برپا

کرنے لگا۔ وہ سوچ کر رہ گیا کہ محبوبہ کی محبت کو دل سے قبول کرتے ہوئے اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ بھلا خاکی اور آتشی مخلوق کا کیا جوڑ۔ وہ اپنی مرضی کے مالک اور ہم ان کے رحم و کرم پر۔

سرتاج ..... اب آپ بھی اٹھ جائیں۔ زیادہ تر مہمان جاگ چکے ہیں۔ اکبر کی بیکراں سوچوں کا پتوار ٹوٹ گیا اور وہ اٹھ کر باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

اس روز وہ بے حد خوش تھا جب اسے قریبی شہر میں لیکچرار شپ مل گئی اور وہ اپنے خاندان میں دوہری خوشی مناتے ہوئے بابا کی درگاہ پر مٹھائی بانٹ رہا تھا۔ وہ بھی لوگوں کے جم غفیر میں برقع اوڑھے ہاتھ آگے بڑھا رہی تھی۔

اکبر نے اس کے نرم و نازک ہاتھ کو پہچانتے ہوئے مسکرا کر اس کے ہاتھ پہ مٹھائی رکھتے ہوئے کہا۔

میڈم دعا کرو۔ خدا مجھے چاند سا بیٹا عطا فرمائے میں اس بزرگ کے صدقے تمہارا منہ لڈو پیڑوں سے بھر دوں گا۔ اسے یہ بات ناگوار گزری۔ اس نے مٹھائی اچھال کر ایسی پھینکی کہ بارش کی صورت وہ درگاہ کے پورے فرش پر ذرہ ذرہ ہو کر بکھر گئی اور پھر غضب ناک چیخ مار کر ہوا میں بادل کی صورت پھیل گئی۔ اکبر دل تھام کر وہیں بیٹھتا چلا گیا۔ اسے اپنا وجود ڈولتا محسوس ہوا۔

کس قدر جانگسل اور دشوار گزار وہ لمحات تھے۔ اکبر اسی کی پابندی میں کہی بات اور چیز مانگ رہا تھا جو اسے قطعی نامنظور اور گوارا نہ تھی۔ مگر..... کبھی کبھی بندہ اسی سے اس چیز کی فرمائش کر رہا ہوتا ہے جس سے وہ خود اسے منع کرتا ہے۔ مگر یہ فطرتی عمل ہے۔ انسان کے من میں چھپی حسرتیں، خواہشیں بن کر لبوں سے خود بخود پھسل ہی جایا کرتی ہیں اور پھر اسے خود ہی ملال سا ہونے لگتا ہے۔ مگر تیر، بات اور پانی ایک بار گزر جائے تو پھر کبھی واپس نہیں پلٹا کرتے۔

☆☆☆

سید بابا گھسن شاہ ایسے کرنی والے بزرگ تھے کہ کوئی بھی آپ کے پاس اپنی حاجت و فریاد لے کر جاتا تو پوری ہو جاتی۔ تبھی علاقے بھر کے لوگ اپنی منتیں اور مرادیں مانگنے آتے اور پا کر جاتے۔ خداوند کریم نے اپنے نیک بندوں کے طفیل انسان کو جانے کتنی رعایتیں دی ہیں اور جن لوگوں نے خداوند کریم کو سدا خوش رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کبھی مایوس نہیں کیا اور اپنے نیک بندوں کے صدقے میں لاتعداد خواہشیں پوری کیں۔

اپنی زندگی میں بابا جی کو علاقہ کے زمیندار نے پلاٹ و مکان کی آفر کی مگر آپ نے ٹھکرا کر اسی جگہ کا انتخاب کیا۔ کسی نے کھانا پہنچا دیا تب بھی اور اگر نہ ملا تب بھی خدا کے حضور سربسجود رہے۔ ہمیشہ اللہ ..... اللہ ہی کا ذکر بلند کیا اور صراط مستقیم پہ پابند رہے اور پھر وقت آخر آپ نے فرما دیا تھا کہ مجھے اسی جگہ پر رکھنا۔ یہاں مجھے میرے پیارے نبیؐ کی زیارت نصیب ہوئی ہے اور میری قبر کچی مٹی سے بنوانا۔ مجھے پختہ مکانوں سے خوف آتا ہے۔

تب سے آج تک بابا جی کا فیض جاری ہے۔ منتیں، مرادیں مانگنے والے بھی کچھ پا کر یہاں جلوس کی صورت آتے ہیں اور لنگر اور دیگیں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے اعلیٰ مرتبہ کا یہ عالم ہے کہ آج تک کوئی اس آستانے سے خالی نہیں گیا۔ تبھی حاجی صاحب اپنی مراد لیے یہاں آئے تھے اور خداوند کریم نے اپنے پیارے کے صدقے انہیں دو بچے عطا کیے تھے۔ اکبر اور نجمہ..... اور دونوں بچے خداوند کریم کی مہربانی سے صحت مند اور خوبصورت، سیرت میں اپنی مثال آپ تھے۔ تبھی اکبر اپنی حاجت کے لیے یہاں آتا اور مراد پاتے ہوئے واپس لوٹتا۔ یہی وجہ تھی کہ آج وہ اپنی مراد پوری ہونے پہ لنگر اور مٹھائی بانٹ رہا تھا۔

☆☆☆

پھر وقت کچھ اور آگے بڑھا۔ حاجی صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ ویسے بھی اب ان سے کھیتوں کا کام سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ تبھی انہوں نے اکبر کو واپس بلایا اور کہا کہ ملازمت چھوڑ کر گھر آ جاؤ اور زمینداری سنبھال لو۔ مجھ سے اب کام نہیں ہو پاتا۔

اچھا بابا جانی مجھے کچھ وقت دو۔ خداوند کریم سبھی کام بہت اچھا کرے گا اور آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ خدا آپ کو صحت یاب کرے۔ میں سبھی کچھ سنبھال لوں گا۔ جن سے وہ بہت خوش ہوئے اور شفقت پدری سے اس کے ماتھے پہ بوسہ کر دیا۔

خدا تمہیں ہر آزمائش و امتحان میں کامیاب کرے بیٹا۔ اکبر حاجی صاحب کی صحت یابی تک گھر رہا۔ اس دوران نگہت نے بیوی ہونے کا حق ادا کر دیا اور اسے کسی بھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ مگر محبوبہ نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ اس کے سنگ سنگ رہی۔ اکبر نگہت کے پاس ہوتا مگر پچھلی رات محبوبہ اس کے پہلو میں ہوتی۔ کبھی کبھی نگہت کے پاس ہوتا مگر چہرہ اور آواز محبوبہ کی ہوتی۔

اور اب کی بار وہ کالج گیا تو اس سے صحیح معنوں میں ڈیوٹی نہ ہو سکی۔ وہ لیکچر دیتے ہوئے جانے کن خیالوں میں پہنچ جاتا۔ جس سے باتوں کا موضع ہی بدل جاتا۔ جس سے اس کی ساکھ متاثر ہونے لگی اور طالب علموں کی تعلیم پر گہرا اثر پڑا۔ جس سے کالج کا رزلٹ اچھا نہ آیا اور سبھی نے اکبر ہی کو اس کا موردِ الزام ٹھہرایا۔ تبھی اس نے جاب کو خیر باد کہتے ہوئے واپس لوٹ آیا۔ اور گاؤں آ کر زمینداری سنبھال لیا۔ فارغ وقت میں گاؤں کے سبھی طالب علم اس کے پاس ٹیوشن پڑھنے لگے۔

پھر جب اکبر کے ہاں خداوند کریم نے چاند سا بیٹا عطا کیا تو محبوبہ کو یہ ناگوار گزرا۔ اس نے اسے کھلم کھلا کہہ دیا کہ اکبر اب ہماری راہیں جدا ہیں۔ اب میرا اور تمہارا ساتھ ساتھ چلنا ناممکن ہے۔ مگر معصوم بچے سے آپ کو چڑ کیسی.....؟

یہی تو بات ہے ناں..... میں نے کہہ دیا تھا۔ نئی خواہش کی صورت ہماری راہیں جدا ہوں گی۔ مگر تم نے اپنے ہی من کی چاہتوں کو میرے ارمانوں پر ترجیح دی۔ اب اس کا انجام بھی جلد دیکھو گے۔ اس نے گویا اکبر کو چیلنج کر دیا۔

مگر میرے لیے میرا خدا ہی کافی ہے۔ اس نے بھی اسی کے لفظوں میں جواب دیا اور پھر محبوبہ اس کا نقصان کرنے لگی۔ کبھی بچہ بیمار ہے تو کبھی بیوی بیمار ہے۔

کبھی پکی فصل آگ کی نذر ہو جاتی تو کبھی مکان کو نقصان پہنچتا۔ اس کو روز رات کو ڈراؤنے خواب آنے لگے۔ اس کی صحت روز بروز گرتی چلی گئی۔ وہ چند ہی دنوں میں صدیوں کا بیمار محسوس ہونے لگا۔

آخر کار اس کا ایک دوست اس کا یوں زوال دیکھ کر اسے اس کے مرشد کے پاس لے گیا۔ انہوں نے پڑھ کر اس پہ دم کیا اور تعویذ لکھ کر اس کے گلے میں باندھا۔ وہ چند روز میں بہتر ہونے لگا۔ اسے کسی قسم کا نقصان یا ملال نہ ہوا مگر تعویذ کے اچانک گم ہونے پر وہ پھر اسی ڈگر پر آ گیا۔ اب وہ مکمل طور پر محبوبہ کے کنٹرول میں تھا۔ اور اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے سبھی اہل خانہ بے حد پریشان تھے۔

ایک بار پھر اس کے پیر و مرشد کو گھر لایا گیا۔ آپ سرکار نے پڑھائی کرتے ہوئے سبھی کچھ ظاہر کر دیا اور پورے گھر کے اردگرد حصار کھینچ دیا اور فرما دیا کہ آئندہ میرے تعویذ باقاعدگی سے استعمال کرنا اور گلے کا تعویذ کبھی نہ اتارنا۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ مگر گھر کا حصار تو قائم رہا اور کبھی کوئی بڑا نقصان نہ ہوا۔ مگر محبوبہ کھیتوں میں اسے مختلف ہتھکنڈوں سے اسے ڈرانے دھمکانے اور فصلوں کو بے حد نقصان پہنچانے لگی۔

وہ کبھی کالی بلی میں رونما ہو کر اسے نقصان پہنچاتی تو کبھی ناگ کے روپ میں جلوہ گر ہوتی۔ کبھی آگ کے آؤ برگد نیچے جلتے تو کبھی کھڑی کھیتیاں ملیامیٹ ہوتیں۔ پھر ایک روز اس نے اس قدر بھیانک روپ بدلا کہ اپنی آنکھوں سے تیز روشنیاں نکالیں جو اکبر کے وجود سے پار ہوتی رہیں۔ وہ پھر بھی آگے بڑھتا رہا اور پھر جنگلی شیر بن کر اس کے پیچھے بھاگی۔

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ سانسوں کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ پاؤں ایک دم ہی بھاری ہوگئے۔ اس کی نگاہوں میں دھویں کے بادل چھا گئے۔ ہر شے دھندلائی دھندلائی سی محسوس ہونے لگی۔ وہ بمشکل درگاہ تک آیا اور پھر اسے اپنا کچھ ہوش نہ رہا۔

حواس ذرا بحال ہوئے تو اسے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا۔ اس نے مشکل سے نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔ پھر جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ وہ سید بابا کی درگاہ میں ان کے قدموں میں پڑا ہے اور شاید اسی بزرگ بابا کے صدقے بچ گیا ہے۔

وہ دو زانوں ہو کر ہاتھ باندھے بابا جی کے قدموں میں بیٹھا رہا اور پھر گڑگڑاتے ہوئے التجا کرنے لگا۔ بابا جی! خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میں گناہ گار بندہ کسی بھی آزمائش کے قابل نہیں۔ مجھے ان آفتوں سے بچا لو۔ میں تنگ آچکا ہوں۔ تھک سا گیا ہوں ان پریشانیوں اور مصیبتوں سے۔ وہ مسلسل خدا کے حضور دعا گو تھا۔ اس کے آنسو پلکوں کا بند توڑے درگاہ کا فرش بھگوتے رہے۔ پھر جانے کون کون سی دعائیں اس کے لبوں سے ادا ہوتی رہیں۔ اسی صورت رقت آمیز ہو کر وہ بے ہوش سا ہوگیا۔ آنکھوں سے نکلنے والے آنسو پانیوں کی صورت بہتے رہے۔ کئی سے یونہی گزر گئے۔

پھر دھیمی سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ جاؤ بیٹا! خدا نے تمہاری سن لی۔ آیندہ تم پہ کسی چیز کا سایہ بھی اثر انداز ہرگز نہیں ہوگا۔ اور یہ پری خود ہی حسد کی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گی اگر آیندہ تمہیں کبھی ڈر یا خوف محسوس ہو تو مجھے یاد کر لینا۔ میں تمہاری مدد کو ضرور پہنچوں گا۔ مگر صحت یابی کی صورت میں صدقہ ضرور بانٹ دینا۔ یہ کہہ کر بابا جی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

غنودگی کی سی کیفیت سے باہر آنے پر اسے سبھی کچھ معلوم ہوگیا۔ اس نے اپنی نمناک آنکھیں صاف کیں اور گھر کی راہ لی۔ جہاں نگہت اس کی بے حد منتظر تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اس روز اس نے نگہت اور اس کی بے پناہ محبت کو پہلی بار اس قدر چاہت اور اپنائیت سے محسوس کیا۔

☆☆☆

اس جانکسل واقعہ کو کئی سال گزر چکے ہیں حاجی صاحب رحلت فرما گئے ہیں۔ اکبر کے تین بچے ہیں اور وہ خوش کن زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی کھیتیاں پہلے سے بھی زیادہ لہلہاتی ہوئی زرخیز اور دوگنی آمدن دے رہی ہیں۔ وہ روزانہ قرآن مجید کا ورد کرتے ہوئے چکر لگاتا ہے۔ وہ اپنی آمدن سے ہر سال بابا جی کے عرس پر لنگر کا اہتمام کرتا ہے اور خداوند کے حضور گھر پر بھی ڈھیروں خیرات کرتا ہے اور قبرستان میں جہاں بہت سے نامور لوگ مدفون ہیں وہاں بڑا سا مٹی کا ڈھیر یہ بھی تاثر دے رہا ہے کہ یہ قبر اسی پری زاد محبوبہ کی ہے جو محبتوں کی آڑ میں اکبر کا گھر تباہ و برباد کرنے پر تلی تھی۔

یہ سچ ہے کہ جنات اور انسانوں کی دوستیاں پرانے وقتوں میں ہوا کرتی تھیں مگر محبت دیرپا ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ آگ اور مٹی کا کوئی جوڑ نہیں۔ آتشی جنس کبھی نہ کبھی غرور، تکبر اور بغاوت پہ ضرور اتر آیا کرتی ہے جس کا نشانہ ہمیشہ خاکی ہی بنتا چلا آرہا ہے۔

☆☆☆

بازی گر

محسن علی طاب

سبرینا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کے والد متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کی معقول تنخواہ تھی۔ سبرینا تعلیم سے فارغ ہو کر ایف اے کر کے گھریلو کام کاج میں والدہ کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ سبرینا نے والدین سے ضد کر کے ایک دفتر میں جاب شروع کر دی۔

سبرینا جہاں کام کرتی تھی یہ شوبز کا حصہ تھا۔ سبرینا کو ایک آدمی دلاور خان سے محبت ہو گئی وہ بندہ فوٹو گرافر تھا اور کپڑوں کا ڈیزائنر بھی۔ سبرینا اس کی محبت میں بہت دور نکل گئی۔ اب اس کی واپسی ناممکن تھی۔ اس نے اپنے والدین کو سب بتا دیا وہ منہ پھٹ تو تھی ہی اور لاڈلی بھی۔ جب اس کے والدین نے سختی کی تو اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔

دلاور خان نے اس کو اپنے جال میں جکڑا تو سبرینا نے اپنے والدین سے ٹکر لے کر لو میرج کر لی۔ والدین نے بہت سمجھایا۔ خاص کر وہ بندہ سبرینا کے والد حیات شاہ کو ذرا بھی پسند نہ آیا۔ سبرینا نے والدین کی بے پناہ محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا والدین کی خواہش تھی شادی دھوم دھام سے ہوتی ایک ہی تو اولاد تھی۔

☆☆☆

شادی ہوگئی۔ دلاور کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ شادی کے چند دن بعد دلاور خان نے سبرینا سے کہا اس کا کاروبار ڈوب رہا ہے تم اپنے والد سے اتنی رقم لے آؤ۔ سبرینا لے آئی اب یہ ہونے لگا کہ دلاور خان بہانے بہانے سے رقم منگواتا۔ سبرینا اس کی محبت میں اندھی ہو چکی تھی۔

سبرینا کو اس کے والدین پیسے دے دے کر تھک گئے۔ اب اس کے والد نے انکار کر دیا۔ مزید رقم دینے سے جب وہ خالی ہاتھ لوٹی تو دلاور نے سبرینا کو مارا۔ سبرینا مار سہہ گئی۔ دلاور خان نے شام کو آ کر کہا کہ چند مہمان آرہے ہیں تم تیار ہو جاؤ وہ میرے دوست ہیں مدد کریں گے اور مجھے معاف کر دو۔ سبرینا نے معاف کر دیا۔ وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

سبرینا کو خصوصی تیار ہونے کا کہا دلاور نے آخر کار رات نو بجے مہمان آ گئے۔ سبرینا نے ان کو چائے پیش کی کھانا دیا۔ پھر وہسکی کا دور چلا۔ دلاور خان نے ہوشیاری سے سبرینا کے گلاس کی وہسکی میں بے ہوشی کی

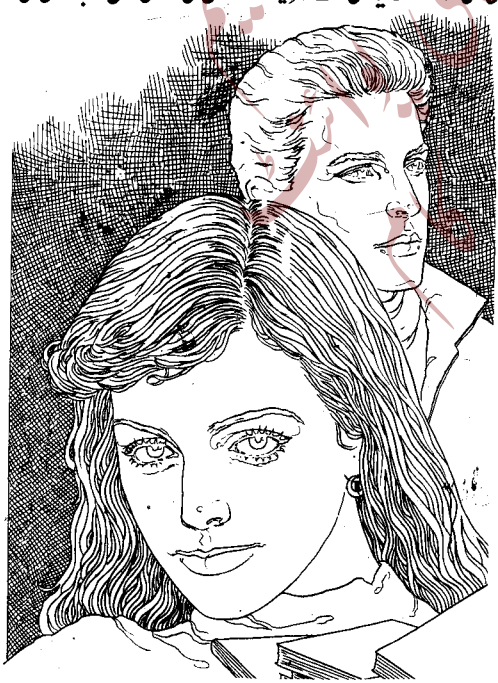

گولی ملا دی۔

ان دوستوں میں ایک شخص کبیر شاہ المعروف بلیک کوبرا بھی تھا وہ عورتوں سے دور رہنے والا شخص تھا مگر جب دلاور خان نے اس کے خاص دوست اے ایس پی جعفر عباس کو سبرینا کی فوٹو دکھائی تو جعفر نے بلیک کوبرا کو بھی دکھا دی۔ سبرینا کی شکل بلیک کوبرا کی مرحوم بیوی سے ملتی تھی۔ بلیک کوبرا نے لو میرج کی تھی مگر ایک دن اس کی غیر موجودگی میں دشمنوں نے گھر پر اٹیک کر کے اس کی بیوی کا قتل کر دیا تھا۔ پھر بلیک کوبرا نے شادی نہیں کی عورتوں سے دوری اختیار کر لی۔

دلاور خان نے چالاکی چلی سبرینا کو مدہوش کر کے کمرے میں آرام کے لیے چھوڑ آیا اور کمرے سے باہر آ کر تمام دوستوں کے سامنے سبرینا کی ایک رات کی بولی لگائی سب نے بولی میں حصہ لیا آخر کار بلیک کوبرا نے پچاس ہزار میں رات حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ بلیک کوبرا نے نقد 50 ہزار دلاور خان کو دیئے۔

بلیک کوبرا کو کمرے میں بھیج دیا باقی افراد واپس چلے گئے۔ بلیک کوبرا کو انڈر ورلڈ کا بے تاج بادشاہ مانا جاتا تھا۔ اس کو یہ معصوم لڑکی اچھی لگی مگر وہ ایک بازی گر کے جال میں پھنس چکی تھی اگر بلیک کوبرا اس کو لے جاتا تو یہ لڑکی اس کے خلاف ہو سکتی تھی۔ بلیک کوبرا ذہین انسان تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک پلان مرتب کیا۔ اس نے سبرینا کی فوٹوز بنائی جو کہ نیم عریاں تھی۔ ان میں سے چند فوٹوز میں بلیک کوبرا نے اپنا آپ بھی ظاہر کیا۔ آرام سے سگریٹ سلگا کر پینے لگا۔ صبح بلیک کوبرا نے ایک کاغذ لکھ کر سبرینا کے سرہانے رکھ دیا۔

کاغذ میں درج تھا اپنی بھلائی چاہتی ہو تو مجھ سے رابطہ کرنا نیچے نمبر تھا۔ بلیک کوبرا رخصت ہو گیا۔ سبرینا بیدار ہوئی تو اس نے کاغذ دیکھ لیا اور پڑھ کر محفوظ کر لیا۔

دلاور خان گھر پر نہیں تھا سبرینا نے رابطہ کیا تو جواب ملا کہ وہ دفتر میں مصروف ہے۔ سبرینا کہ ذہن میں شک نے ڈیرا جما لیا۔ سبرینا نے بلیک کوبرا کا نمبر ڈائل کیا۔

ہیلو جی کون؟ بلیک کوبرا نے کال پک کر کے سوال کیا۔

سبرینا نے کہا میں سبرینا ہوں دلاور کی بیوی... اور یہ کاغذ مجھے یہاں سے ملا ہے۔

بلیک کوبرا نے اس کو ہوٹل میں ملاقات کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ ثبوت اس کے پاس ہے وہ کچھ نشاندہی کرنا چاہتا ہے۔ سبرینا فارغ تھی اس نے ہوٹل کا پوچھا اور بلیک کوبرا اسی وقت ملنے کو تیار ہو گیا۔ ایک ہوٹل میں ملنا طے ہوا سبرینا تیار ہو کر ہوٹل پہنچ گئی۔

بلیک کوبرا نے اس کو محبت سے پک کیا اور ٹیبل کی طرف لے آیا دونوں آرام سے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ اس ہوٹل کا مالک بلیک کوبرا ہی تھا۔ بلیک کوبرا نے کو ڈرنک کا آرڈر دیا اور اپنے موبائل میں سبرینا کی فوٹو اوپن کر کے سبرینا کو دے دیں۔ سبرینا فوٹوز دیکھ کر چونک گئی۔

پھر بلیک کوبرا نے دلاور خان کی اصلیت اسے بتا دی۔ سبرینا رونے لگی۔

بلیک کوبرا نے تسلی دی سبرینا نے بتا دیا اس کے والدین بھی ناراض ہو کر اسے چھوڑ چکے ہیں۔ بلیک کوبرا نے دو تین ثبوت اور پیش کر دیئے۔ سبرینا وہاں سے عہد کر کے اٹھی کہ وہ دھوکے باز کو سزا دے گی۔

ادھر دلاور خان کو اس کے دوست شوکی نے اطلاع دے دی کہ سبرینا نے بلیک کوبرا سے ملاقات کی ہے۔ بلیک کوبرا اب سبرینا کی سرپرستی کرے گا۔ دلاور خان خوفزدہ ہو گیا۔ وہ بلیک کوبرا کی سفاکی سے واقف تھا دلاور خان نے فوراً وہ شہر چھوڑ دیا۔

سبرینا نے گھر آ کر دلاور کا انتظار کیا مگر وہ نہیں آیا تو اسے تلاش کرنے لگی ہر طرف ڈھونڈا اس طرح پندرہ

دن ہو گئے آخر کار پولیس میں ایف آئی آر درج کروائی۔ مگر پولیس بھی ناکام ہوگئی۔ سبرینا کہ پاس پیسے بھی کم رہ گئے۔ دلاور نے اپنا کوئی نام ونشان نہیں چھوڑا تھا۔ سوائے ایک تصویر کے سبرینا تھک ہار کر بلیک کوبرا کے پاس گئی۔ بلیک کوبرا تعاون کی یقین دہانی کروائی اور یہ بھی کہا کہ والدین کو اعتماد میں لو معافی مانگو۔

سبرینا نے بتا دیا وہ شرمندہ ہے۔ بلیک کوبرا نے ساتھ جا کر اس کے والدین سے ملاقات کی اور کہا بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ والدین نے معاف کر دیا۔

بلیک کوبرا نے دلاور خان کی فوٹو کاپیاں کروا کر اپنے آدمیوں میں بانٹ دیں اور اس کی تلاش مامور کر دیا۔

ابھی پانچ دن ہوئے تھے کوبرا کو اپنے خاص آدمی جو کہ کراچی کا تھا جس کا نام خاور تھا کی کال موصول ہوئی۔ خاور نے بتایا کہ دلاور خان کراچی میں موجود ہے اور یہاں ایک لڑکی کے ساتھ شادی کرنے والا ہے۔ کوبرا نے خاور کو اس کی نگرانی پر معمور کر دیا اور سبرینا سے رابطہ کیا اور اس کو اپنے پاس طلب کر لیا اور اپنی ایک جاننے والی خاتون اے ایس پی رفیعہ خان کو بھی بلا لیا۔ دونوں کی آمد ایک ساتھ ہی ہوئی بلیک کوبرا نے دونوں کو ٹی وی لاؤنج میں بٹھایا کولڈ ڈرنک پیش کی بلیک کوبرا نے پہلے اے ایس پی رفیعہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا پھر بتا دیا دلاور خان کا پتہ چل چکا ہے سبرینا چونک گئی۔

بلیک کوبرا نے کہا میرا آگے کا پلان دونوں سن لو تاکہ مجھے دہرانا نہ پڑے۔ بلیک کوبرا نے کہا پرسوں اس کی شادی ہے ہم اس ٹائم اس کو پکڑیں گئے آپ لوگ کراچی کے لیے اپنی سیٹیں بک کروالو۔

دوسرے دن بلیک کوبرا اور سبرینا اور رفیعہ کراچی پہنچ گئے۔

رفیعہ اے ایس پی نے یہاں اپنا تعلق استعمال کیا اور انتظامات کیے جبکہ بلیک کوبرا خاور کے ذریعے دلاور خان کی پل پل کی رپورٹ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ سبرینا آرام کر رہی تھی وہ بلیک کوبرا کی وجہ سے مطمئن تھی۔

دوسرے دن کا سورج نکلا آج کوبرا پہلے ہی اٹھ گیا اور خاور کے ساتھ اس میرج ہال کے باہر سے چکر لگا آیا جہاں دلاور خان کو پکڑنا تھا۔

آخر کار دو بجے ایکشن میں آنے کا وقت آ گیا برات میرج ہال کی طرف جا رہی تھی۔ کوبرا نے وہاں کا سارا معاملہ رفیعہ کے سپرد کیا خود خاموش تماشائی بن گیا۔ جیسے ہی نکاح ہونے لگا رفیعہ..... سبرینا اور پولیس والوں نے دلاور خان کو چھاپ لیا۔

دلاور خان بھاگ نہ سکا پھر رفیعہ اور سبرینا نے دلاور کی اصلیت سے اس خاندان کو آگاہ کر دیا۔ پولیس نے جب چھترول کی دلاور خان نے سب اگل دیا جس کے مطابق وہ کافی گھر برباد کر چکا ہے اور اس کی اصلی بیوی پشاور میں رہتی ہے۔ اس کے چار بچے ہیں۔

اس کا ذریعہ معاش کوئی نہیں تھا اس نے بتایا کہ اس نے اپنی پرسنلٹی سے فائدہ اٹھایا اور اس پر مختلف علاقوں میں پرچے درج ہے۔ سبرینا کو بھی پتہ نہ چلتا اگر بلیک کوبرا بیچ میں نا آتا۔

دلاور خان کو بیس سال قید اور پانچ لاکھ روپے جرمانہ ہوا اور وہ جیل چلا گیا۔

کبیر شاہ نے چند دنوں بعد جا کر سبرینا کا ہاتھ مانگا۔ سبرینا کے والد سے انہوں نے قبول کر لیا۔ کبیر شاہ کی ویران زندگی کو سبرینا نے بہار بنا دیا۔

ہر طرف خوشیوں کے ترانے گونجنے لگے۔ کبیر شاہ خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتا تھا۔

☆☆☆

منی

فہمیدہ غوری

آج صبح سے گھر میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ اماں تخت پر بیٹھی آرڈر پر آرڈر جاری کر رہی تھیں اور کیوں نہ کرتی اتنے دن بعد تو گھر میں کوئی تقریب آئی تھی۔ زیادہ بڑی تو نہیں پر خاص خاص لوگ بھی کافی ہو گئے تھے۔ ویسے تو گھر میں ہی انتظام تھا کہ اچھا خاصا بڑا گھر تھا۔ تو اماں نے سوچا چلو اسی بہانے سب سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ویسے بھی آج کل ملنا ملانا بہت کم ہو گیا ہے۔ لو جی..... رات کو پروگرام بنا اور صبح سے ہڑ بڑ شروع ہو گئی۔ آپا کو تو فون کرنے پر لگا دیا کہ سب کو دعوت دے دو۔ یاد گلشن ڈیفنس والوں کو بلانا ضروری ہے..... ہاں جی زمانہ ہی ایسا ہے اماں ساتھ ساتھ بڑبڑاتی جا رہی تھیں اور کونے کونے سے نادیدہ جالے بھی صاف کراتی جا رہی تھیں۔

اری اور یحانہ کو بھی فون کر دے۔ یہ تیری پھوپھیاں بھی بڑی پھاپھے کٹنی ہیں اور ان کو نہ بلایا اور کہیں سے سن گن مل گئی تو آ جائیں گی ڈرامے کرتی اور تیرے ابا بہنوں کے آنسو دیکھ کر جلال میں آ جائیں گے۔ چلو خالی ہاتھ تو نہیں آئے گی۔ کہہ دے منی کی سالگرہ ہے۔ ضرور آنا ہے اور ہاں خالہ کو تو کہہ دیا ناں۔

کہہ دے جلدی آئیں۔ وقت کے وقت مہمانوں کی طرح آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پر اماں بڑے بھیا، بھابی اتنے دن بعد دبئی سے آئے ہیں بچے بھی تھکے ہوئے ہیں۔ کچھ دن بعد رکھ لیں سالگرہ۔

ناں بابا ناں..... میں تو آج ہی کروں گی ہر دفعہ دیتے آئے ہیں۔ اب میں بھی تو دیکھوں ناں کیسے دل بڑے ہوتے ہیں ان رشتے داروں کے۔

اماں کا بڑا بیٹا بہت عرصے سے دبئی میں تھا۔ سالوں سے آنا نہیں ہو رہا تھا۔ فیملی بھی وہیں تھی۔ وہ تو بھلا ہوا ابا کے بھائی کی سوئی محبت جاگ گئی اور چلے آئے بیوی بچوں کو لیے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر اماں نے اپنی بڑی پوتی کی سالگرہ کی تقریب رکھ لی۔

منیرہ عرف منی ان کی سب سے بڑی اور لاڈلی پوتی تھی۔ سو صبح سے آپا فون پر منی کی سالگرہ کی دعوت دینے میں مصروف تھیں۔

ساری تیاریاں ہو گئیں۔ اماں نے بھی اپنا نیا انگوری چکن کا سوٹ نکالا اور بڑی نکھری نکھری لگ رہی تھیں۔ مہمانوں کی آمد کے ساتھ ہی تقریب شروع ہو گئی۔ گفٹ لے لے کر منجلی باجی ایک ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ خالہ ریحانہ نے اماں کو آواز لگائی۔

ارے شاہدہ ذرا ہمارے پاس بھی بیٹھ جا اور یہ کیک کب کٹے گا۔ دیر ہو گئی ہے کافی۔

ہاں آپا کچھ دیر اور خالہ ریحانہ نے پھر سے اماں کو پکارا۔ ارے منی کہاں ہے مجھے تو ملا..... اس کو میں پیار تو کر لوں۔ ہاں بھابی منی کو بلائیں۔ میں تو ساری مارکیٹ گھوم گھوم کے اس کے لیے اتنی پیاری فراک اور گڑیا لائی کہ کیا بتاؤں.....

ہاں ہاں آخر بچی پہلی بار پاکستان آئی ہے۔ اتنا تو حق بنتا ہے اس کا اور کیا!

چلو چلو کیک کاٹو منی جلدی سے۔ پہلے ہی تم نے پارلر میں اتنی دیر لگا دی اور منی اپنے اسٹرائیلنگ بالوں کو انگلی پر لپیٹتی آگے بڑھی۔

یہ کیا یہ منی ہے..... پانچ فٹ کی منی کیک کاٹنے لگی اور مہمان ایک دوسرے کو دیکھ کر میز پر رکھے گفٹ دیکھ رہے تھے۔ جو وہ اس منی کے لیے لائے تھے۔ جس میں گڑیا، فراک اور ایسے ہی کھلونے اندر سے ان کو منہ چڑا رہے تھے۔

☆☆☆☆

وہ سترہ دن

رانا زاہد حسین

6 ستمبر 1965ء کے روز جب تاج نے ریڈیو آن کیا تو فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی تقریر نشر ہو رہی تھی۔

''عزیز ہم وطنو! دس کروڑ پاکستانی عوام کی آزمائش کا وقت آ گیا ہے بھارتی فوج نے آج علی الصبح پاکستان کے خلاف اعلان جنگ کیے بغیر لاہور پر حملہ کر دیا ہے دشمن کو دنداں شکن جواب دیں اور بھارتی سامراج کو کچل کر رکھ دیں۔

تاجا لاہور کا رہائشی تھا اس کے شہر کو سب سے پہلے ہندوستانی فوج نے للکارا تھا لاہور کے جم خانہ کلب میں جشن فتح کا مکمل پروگرام ترتیب دیا جا چکا لیکن بزدل ہندوستانی فوج کو یہ نہیں پتہ تھا کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے۔

تقریر کے بعد ریڈیو پر جنگی ترانے بجنے لگے۔ تاجے کو فلمی گانے سننے کا شوق تھا اپنا یہ شوق پورا کرنے کے لیے تاجے نے اپنے دوست پھجے کو ساتھ لیا اور بلو کے کوٹھے پر پہنچ گیا تاجے اور پھجے کو پچھلی رات چوری کے دوران لمبی رقم ہاتھ لگی تھی اور دونوں بلو پر یہ رقم نچھاور کرنا چاہتے تھے تاجا اور پھجا عادی چور تھے اور چھوٹی موٹی وارداتیں کرتے رہتے تھے۔

بلو کے کوٹھے پر پہنچ کر دونوں کو بڑی حیرانی ہوئی کیونکہ وہاں پر کوئی تماشہ تھا نہ تماشائی ایک کونے پر ہارمونیم طبلے سارنگی اور گھنگھرو پڑے تھے۔ آج یہ سارے ساز خاموش تھے مگر باہر جہازوں کی شاں شاں اور گولوں کی گھن گرج تاجے اور پھجے کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

دونوں کی نظریں بلو کو ڈھونڈ رہی تھیں کچھ دیر بعد بلو ان کے سامنے کھڑی تھی اس کے گالوں پر آج گلابی رنگ نظر نہیں آ رہا تھا اس کے ہونٹوں کی سرخی غائب تھی بلو آج میک اپ کے بغیر تھی بلو جو ہمیشہ ان کے سامنے بہار بن کر آتی تھی آج خزاں کی مانند لگ رہی تھی۔

آج مجرا نہیں ہو گا؟ تاجے نے بلو کو اس حالت میں دیکھ کر پوچھا۔

''مجرا کیا جشن ہو گا'' بلو نے جواب دیا۔

''کب؟'' پھجے نے پوچھا۔

''جب ہندوستانی فوج کی توپیں خاموش ہو جائیں گی۔'' بلو نے جواب دیا۔

''آج ہماری جیب گرم تھی۔'' تاجے نے جیب سے سو سو کے نوٹ نکالتے ہوئے بلو کو ترغیب دی۔

''آج تمہاری جیب گرم ہے تو تمہارے جذبے کیوں ٹھنڈے پڑ گئے ہیں جاؤ اپنی جیب وہاں جا کر خالی کرو جہاں کسی غریب کا گھر دشمن کے ٹینک نے تباہ کر دیا ہے۔ یہ رقم فوجی فنڈ میں دے دو تا کہ تمہاری رقم سے وہ گولہ بارود خرید سکیں۔''

تاجا اور پھجا بلو کی باتیں سن کر حیران ہو رہے تھے بلو جو کہ اپنے گاہکوں کی جیبوں سے اپنی اداؤں سے روپے نکال لیتی تھی آج انہوں نے بلو کا بالکل مختلف روپ دیکھا تھا۔

اب دونوں جگو کے اڈے پر گئے جہاں جوا اور شراب کی محفلیں سجتی تھیں جگو کے اڈے کی حالت بھی بلو کے کوٹھے کی طرح تھی اڈا سنسان پڑا تھا سب کرسیاں اور میز غائب تھے وہاں کوئی شرابی تھا نہ جواری صرف جگو ایک کونے میں بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے کر دھوئیں کے مرغولے ہوا میں چھوڑ

رہا تھا۔

کیا بات ہے استاد آج اڈے پر بڑی ویرانی ہے۔ تاجے نے پوچھا۔

''اوئے تمہیں نہیں معلوم آج سرگی ویلے بزدل ہندوستانی فوج نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔''

''وہ تو ہمیں پتہ ہے پر تم نے اڈا کیوں بند کر دیا ہے۔'' پھجے نے پوچھا۔

''اوئے ور فٹے منہ تمہارا۔ ہمارے ملک پر مشکل گھڑی ہے اور ہم اس وقت عیاشی کرتے اچھے لگتے ہیں؟''

''ہماری فوج دشمن کا مقابلہ کر رہی ہے بھلا ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' تاجے نے کہا۔

تم فوجی فنڈ میں چندہ جمع کروا سکتے ہو جہاں کہیں لوگ زخمی پڑے ہیں انہیں ہسپتال پہنچا سکتے ہو کسی کو خون کی ضرورت ہے اس کو خون دے سکتے ہو۔

جگو کی باتیں تاجے کو ضمیر کے جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھیں تاجا گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔

''کیا سوچ رہا ہے تاجے؟'' پھجے نے تاجے کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا جو بت بن چکا تھا۔

''میں سوچ رہا ہوں جب سے یہ جنگ شروع ہوئی سب ہی بدل گئے ہیں لگتا ہے سب کے ضمیر جاگ گئے ہیں۔''

''یار تاجے ضمیر تو میرا بھی جاگ گیا ہے میں تجھ سے کہہ نہیں پا رہا تھا۔'' پھجے نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو چل پھر یہ رقم فوجی فنڈ میں جمع کروا آتے ہیں۔'' تاجے کا ضمیر بھی جاگ اٹھا۔

''تو سچ کہہ رہا ہے تاجے؟'' پھجے نے خوش ہو کر کہا۔

میں بھی پاکستانی ہوں یار میرا ضمیر بھی ابھی زندہ ہے۔ دونوں رقم فوجی فنڈ میں جمع کروانے پہنچ گئے فوجی کیمپ میں کئی بچے لائنوں میں لگے اپنا جیب خرچ فوجی فنڈ میں جمع کروانے آئے تھے کئی عورتیں اپنا زیور اتار کر فوجی فنڈ میں جمع کروا رہی تھیں، کئی نوجوان خون دے رہے تھے تاجے نے بھی چوری کی رقم فوجی فنڈ میں جمع کروا دی اور پھر چوری سے توبہ کر لی۔

تاجا ریڈیو لے کر مکان کی چھت پر پہنچ گیا اس نے ریڈیو آن کیا تو ریڈیو سے ملک ترنم نور جہاں کی آواز گونجنے لگی۔

اے وطن کے سجیلے جوانوں
میرے نغمے تمہارے لیے ہیں

تاجے کو یہ ملی نغمہ اب مزہ دینے لگا تھا لاہور کی فضاؤں میں جب دشمن کا طیارہ حملہ کرنے کے لیے آتا تو تاجا مکان کی چھت پر کھڑا ہو کر اپنی بندوق سے اس کا نشانہ لیتا اور پھر پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگاتا۔

یہ جنگ سترہ دن جاری رہی اور پھر آخر دشمن کے دانت کھٹے ہو گئے اس جنگ میں ہمارے ایک پائلٹ ایم ایم عالم نے اپنے جہاز سے ایک ہی جھڑپ میں دشمن کے پانچ طیارے تباہ کیے جو ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

آج 6 ستمبر 1965ء کی جنگ کو گزرے 49 سال گزر چکے ہیں لیکن تاجا آج بھی ان سترہ دنوں کو یاد کرتا ہے جب سب پاکستانی یک جان ہو گئے تھے چور چوری کرنا چھوڑ گئے تھے۔ طوائفوں نے اپنا کاروبار ٹھپ کر دیا تھا۔ سب کے ضمیر جاگ گئے تھے سب ناجائز کام چھوڑ کر اپنے ملک کی حفاظت میں لگ گئے تھے۔

کیا ہم چھ ستمبر کی جنگ اور آٹھ اکتوبر کے زلزلے کے دنوں میں ہی یک جہتی کا مظاہرہ کریں گے اور باقی دنوں میں ایک دوسرے کے گلے کاٹتے رہیں گے۔ کیا ہمارے ضمیر اتنی گہری نیند سو چکے ہیں جو جنگ اور زلزلے کے بغیر جاگتے ہی نہیں؟

☆.....☆.....☆

سازش گر

فاطمہ عبدالخالق

سورج نے چمکتے دمکتے دن کو ابھی الوداع کہا ہی تھا کہ چار سو گہری تاریکی کسی ملکہ کی سی آن بان سے چھا گئی، اسی تاریکی میں وہ بے خوف ہو کر لنگڑاتا ہوا تیز تیز قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ اس کی چال سے یہ بات نمایاں تھی کہ وہ تیز تیز بھاگنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ سرد ہوا کی یخ بستہ لہریں اس کے وجود سے جب ٹکراتی تو گویا پورے بدن پہ کپکپی طاری ہو جاتی، دانت سردی کی شدت سے بجنے لگتے، مگر وہ حق کا راہی، اللہ کی پاک ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ لنگڑاتے ہوئے چلتا وہ تھک کر گرنے ہی والا تھا جب اسے غار کا دہانہ دکھائی دیا۔ لڑکھڑاتے ہوئے وہ غار تک پہنچا اور لیٹ کر قلابازیاں کھاتے ہوئے غار کے آخری سرے تک پہنچ گیا، زخمی ٹانگ سے اٹھتیں درد کی لہریں برداشت کرتا وجود زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ کچھ ساعتیں بیتیں کہ درد سے بے حال وجود میں اچانک درد کی لہریں اٹھیں اور بے ساختہ منہ سے ہلکی سے کراہ نکلی لیکن ساتھ ہی ایک خوف کی ہلکی سے لہر سینے میں اٹھی کیونکہ اس کے سامنے غار کے دہانے پہ کھڑا خوفناک جنگلی شیر تاریکی میں اسے گھور رہا تھا، اس کی آنکھوں کی چمک کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے نظریں ہٹالیں۔ اپنی موت اسے چند فٹ کے فاصلے پہ آنکھوں کے سامنے ناچتی ہوئی نظر آئی لیکن جب شیر آگے بڑھنے کی بجائے وہیں دہانے پہ بیٹھ گیا گویا وہ اس کا محافظ ہو۔ ایک اطمینان کی سانس سینے سے خارج ہوئی بے ساختہ دل تشکر سے لبریز ہوا غالباً یہ بھی نصرت الٰہی تھی، ان گنت سوچیں تھیں جو دماغ پہ حاوی تھیں۔ جب اس کے کانوں میں انڈین آرمی کے کمانڈو رامیش کی آواز پڑی اور وہ سوچوں کے جال سے باہر آیا تھا۔

''میرا یقین ہے وہ اسی غار کے اندر چھپا ہوا ہے یہ دیکھو خون کے قطروں کے نشان اسی طرف جا رہے ہیں۔'' یہ رامیش کی آواز تھی جو طاقتور سرچ لائٹ سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

رامیش کی آواز کے ساتھ ہی وہ نامحسوس طریقے سے غار کی دیوار کے بالکل ساتھ چمٹ گیا گویا ان کی نظروں سے بچنے کی سعی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے رامیش وہ دیکھو کس قدر خوفناک جنگلی شیر غار کے دہانے پہ سو رہا ہے کیا اس کے ہوتے ہوئے کسی زخمی انسان کا غار کے اس پار جانا ممکن ہے؟ مجھے یقین ہے وہ اس شیر کا لقمہ بن چکا ہو گا۔'' یہ میجر یادیو کی آواز تھی۔

اس شیر کو تو تم دیکھنا میں کیسے ابھی ایک چٹکی میں اپنی طاقتور رائفل سے اڑا دیتا ہوں کمانڈو رامیش نے طیش میں آ کر اپنی رائفل نکالنا چاہی تھی کہ اچانک شیر دھاڑا.... اس کی دھاڑ میں عجیب سی دہشت تھی کہ رامیش، یادیو اور باقی پندرہ سپاہی دہشت زدہ ہو کر وہاں سے جانیں بچانے کا سوچتے ہوئے بھاگ نکلے حالانکہ وہ ایک شیر پہ بھاری پڑ سکتے تھے مگر باطل کے رستے پہ چلنے والے سدا بزدل رہتے ہیں۔

زخمی ٹانگ سے اٹھتی درد کی لہروں پہ منہ سے نکلنے والی کراہیں دباتے دباتے نجانے کب عبدالرحمٰن کا وجود ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکا تھا، نجانے کتنا وقت بیتا جب اسے ہوش آیا۔ ٹانگ سے رستا خون جم چکا تھا، درد البتہ جوں کا توں برقرار تھا اس نے غار کے دہانے کی جانب دیکھا مگر رات والے جنگلی شیر کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اس نے باہر نکل کر آس پاس دیکھا مگر اسے وہ شیر کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ شاید یہ بھی کوئی ناطل ہونے والا

معمہ تھا..کوئی گہرا راز جو منکشف نہیں ہونا چاہتا تھا..جنگلی درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر آنے والی سورج کی روشنی دن کا پتہ بتا رہی تھی اس کے اندازے کے مطابق یہ کوئی صبح کے گیارہ بجے کا وقت تھا۔سمت کا تعین کرتے ہوئے اللہ ذوالجلال کا نام لے کر اس نے سفر شروع کیا اور بالآخر ڈوبتے سورج کی کرنوں کے ساتھ ہی اسے اپنے وطن پاک کی سرحد نظر آئی جسے اس کو خطرہ مول لیتے ہوئے رات کی تاریکی میں پار کرنا تھا۔

جب انسان حق کے رستے کا مسافر ہو تو وہ بڑے بڑے خطروں سے یونہی کھیل جاتا ہے کیونکہ یہ حق کے مسافر تو ہمیشہ اپنی جانیں ہتھیلی پہ رکھتے ہوئے گھروں سے روانہ ہوتے ہیں ،نجانے کب ان کی جان وطن کی سلامتی پہ قربان ہو جائے...

''رات دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی بالآخر رات کے دس یا گیارہ بجے کے قریب اس نے اللہ کا نام لیتے ہوئے دشمن کی نظروں سے بچتے بچاتے سرحد پار کرنے کی سعی کی، بالآخر وہ کامیاب ہو ہی گیا۔اس کامیابی پہ اس نے وہیں زمین پہ خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کیا...اور پاک وطن کی چوکی کے سپاہیوں تک پہنچ گیا تاکہ جلد از جلد جنرل عمر فاروق سے رابطہ ہو سکے اور فرض نبھانے کے بعد وہ اپنی پیاری راج دلاری ماں سے ملاقات کر کے سر ان کی گود میں رکھتے ہوئے اپنی ساری تھکن اتار سکے کیونکہ جب وہ اپنی ماں کی آغوش میں سر رکھتا تو رگ و پے میں سکون کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا تھا، اپنی ماں کو سوچتے ہوئے اپنے وطن کے پیارے لوگوں کے پاس آنے کے بعد ایک بار پھر سے عبدالرحمٰن بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆

عبدالرحمٰن کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو خفیہ اسپتال کے بستر پہ پایا، ٹانگ کا درد کہیں غائب ہو چکا تھا گویا گولی اس کی ٹانگ سے نکالی جا چکی تھی، ابھی عبدالرحمٰن نے بستر سے اٹھنے کا قصد کیا ہی تھا کہ کمرے میں ڈاکٹر محمد احمد کے ہمراہ جنرل عمر فاروق داخل ہوئے۔

سلام کا تبادلہ کرتے ہوئے جنرل عمر فاروق بولے۔

ہاں بھئی برخوردار اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟

سر اللہ پاک کا کرم خاص ہے عبدالرحمٰن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، مگر اس کے انگ انگ سے پھوٹتی بے چینی نمایاں تھی۔

اس کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد احمد سمجھ گئے کہ عبدالرحمٰن تنہائی چاہتا ہے اسی لئے وہ مسکراتے ہوئے باہر چلے گئے۔

عبدالرحمٰن نے اطمینان کی سانس خارج کی۔

مشن کیسا رہا عبدالرحمٰن؟ جنرل عمر فاروق نے سوال کیا۔

سر مشن کامیاب رہا۔لیکن ایک بات مسلسل مجھے چین کر رہی ہے میرے مشن کا اور میری دشمنوں کے ملک موجودگی کا علم دشمنوں کو کیسے ہوا؟جوش سے بولتے ہوئے اچانک عبدالرحمٰن کے لہجے سے پریشانی چھلکنے لگی۔

اللہ سبحان وتعالی کا کرم ہے مشن تو کامیاب ہو گیا لیکن تمہیں جان کر تکلیف ہو گی کہ تم نے قائد وضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خود اپنا راز دشمن کے حوالے کیا ہے۔

کیا مطلب سر؟ آپ میری فرض شناسی پہ شک کر رہے ہیں؟ عبدالرحمٰن روہانسے انداز میں بولا واقعی اسے جنرل صاحب کی بات سے گہرا شاک لگا تھا۔

نہیں میرا یہ ہرگز مطلب نہیں ، مجھے تمہاری فرض شناسی پہ مکمل بھروسہ ہے ،مگر قوائد وضوابط جب توڑے جائیں تو یونہی ہوتا ہے، جنرل صاحب کا لہجہ سپاٹ تھا۔

سر آپ جانتے ہیں میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا

عبدالرحمٰن کے لہجے میں صدیوں کی تھکن اور رنج اتر آیا۔

شاید تمہیں میری بات سے رنج ملے اور تمہیں بے یقینی محسوس ہو مگر یہ اٹل سچ ہے کہ غدار... جنرل عمر فاروق ایک لمحے کے توقف سے بولے.. غدار تمہاری ماں ہے اور تم نے قوائد وضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہیں اپنے مشن کی معلومات دیں۔

آپ میری ماں کو غدار نہیں کہہ سکتے وہ ایسی نہیں ہیں، ایک محب وطن عورت غدار کیسے ہو سکتی ہے؟ عبدالرحمٰن بے ساختہ چلایا۔

حوصلہ رکھو برخوردار یہی تلخ حقیقت ہے، جنرل صاحب دلاسہ دیتے ہوئے بولے۔

نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا...آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ مذاق کر رہے ہیں میری ماں مجھ سے زیادہ وطن سے عشق کرتی ہے۔

تبھی تم نے ان کی محبت میں بہہ کر ملک کا راز انہیں تھما دیا؟ تمہیں یہ حق کس نے دیا عبدالرحمٰن؟ کیا تم نہیں جانتے ہمارے ہاں خاندان کے کسی قابل بھروسہ فرد تک کو بھی ہمارے مشن کی بھنک نہیں پڑنے دی جاتی اور تم نے تو۔۔۔

اللہ پاک کا واسطہ چپ کر جایئے جنرل صاحب! میری ماں نے ہی مجھے وطن سے عشق کا جذبہ دیا۔ اس مٹی کی محبت سے اٹے خمیر نے ہی مجھے ہر وقت جان ہتھیلی پہ لے کر گھومنے کا درس دیا، یہ سراسر الزام ہے میں نہیں مانتا میری ماں ایسی ہے.. کیا آپ بھول گئے وہی تو مجھے آپ کے پاس لائیں تھیں کہ وہ اپنا بیٹا اس ملک پہ قربان کرنا چاہتی ہیں؟ اس طرح تو آپ کو بھی میں غدار کہہ سکتا ہوں سر..عبدالرحمٰن کے لہجے میں ٹوٹی ہوئی کرچیوں کی سی اذیت تھی۔

"تمہاری باتوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ عنقریب تم ماں کی محبت میں اندھے ہو جاؤ گے اور وطن کی سلامتی کے لئے خطرہ ثابت ہو گے، اس لئے مجھے مکمل حق ہے کہ میں تمہیں تمہارے عہدے سے برطرف کرتے ہوئے قید میں ڈال دوں کیونکہ تم شاید اپنی غدار ماں کی محبت میں فرض شناسی کا سبق بھول چکے ہو"

آپ کے پاس کیا ثبوت ہے میری ماں کی غداری کا؟ عبدالرحمٰن ضبط کرتے ہوئے بولا۔

مجھے یقین تھا جس قدر تم اپنی ماں سے محبت رکھتے ہو تمہیں اس کا ہرگز یقین نہیں آئے گا۔ اس لئے میں سارے ثبوت اپنے ساتھ لایا ہوں اپنے کوٹ کی ایک خفیہ جیب سے جنرل صاحب نے ایک چھوٹی فائل نکالی اور اس کے بستر پہ رکھ دی لو دیکھ لو، یہ سارے کاغذات اصلی ہیں مگر اب تمہیں ماں کی محبت (یعنی ہماری قید) اور اپنے فرائض میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا... جنرل عمر فاروق سپاٹ لہجے میں بولے۔

عبدالرحمٰن نے فائل یوں جھپٹی گویا اس کی آخری متاع ہی وہ فائل ہو...

جوں جوں فائل میں موجود کاغذات وہ پڑھتا جا رہا تھا اس کا رنگ فق ہو گیا اگر وہ تربیت یافتہ آفیسر نہ ہوتا تو گویا اس کا اب تک نروس بریک ڈاؤن ہو چکا ہوتا۔

جنرل صاحب، عبدالرحمٰن کا درد سمجھتے تھے۔

کاغذات کی تفصیل کے مطابق عبدالرحمٰن کی ماں یہودی ایجنٹ تھی اور وہ کبھی بھی مسلمان نہیں ہوئی تھی یہ سب ایک ڈھونگ تھا اور اسے بھی ایک لمبی سازش کے تحت تیار کرتے ہوئے پاک آرمی میں بھیجا گیا تاکہ وہ اس سے ممتا کی محبت کی آڑ میں ملک کے راز حاصل کرتے ہوئے اسے تباہ و برباد کر سکیں۔ اذیت کی بھٹی میں جلتے، عبدالرحمٰن کی زبان پہ ایک ہی تکرار تھی۔

''پیارے وطن پہ ماں قربان
فرض شناسی پہ ماں قربان''

☆☆☆

سلسلے وار ناول

قسط نمبر 5

جب پیار کی رُت بدل جائے

عابدہ سبین

رشتے انسان کی پہچان ہوتے ہیں اور ضرورت بھی
ایسے ہی رشتوں سے جڑے ایک ایسے شخص کی کہانی
جس نے اپنی ہر خواہش اور ہر خوشی رشتوں پر قربان کر دی۔

معاشرتی ناہمواریوں کی ترجمان ایک پُر اثر تحریر

کبھی دن کی دھوپ میں جھوم کے کبھی شب کے پھول کو چوم کے
یونہی ساتھ ساتھ چلیں سدا کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
مرے ساتھ مرے حبیب آ اور دل کے اور قریب آ
تجھے دھڑکنوں میں اتارلوں کہ بچھڑنے کا کوئی ڈر نہ ہو

خلاصہ

آشیانہ صدیقی، آصف صدیقی اور شعیب صدیقی دو بھائیوں کا محبت بھرا آشیانہ ہے جہاں اکیسویں صدی کے اس دور جدید میں بھی جب محبت کا وجود ناپید ہو چکا ہے آشیانہ میں محبتوں کی اعلیٰ مثال قائم ہے۔ آصف صدیقی جنہوں نے ہمیشہ اپنے رشتوں کی اہمیت برقرار رکھی نا صرف بچوں کی تربیت میں محبت شامل تھی بلکہ خاندانی اقدار اور روایات کی پاسداری بھی بدرجہ اتم بچوں کی تربیت میں موجود تھی ان کے تین بچے ذیشان احمد، عمیر اور بیٹی افشین صدیقی جبکہ چھوٹے بھائی کی اکلوتی حریم صدیقی ہی آشیانہ صدیقی کی کل کائنات تھی۔ آصف صدیقی نے ہمیشہ خود سے وابستہ رشتوں کو خود سے جوڑے رکھا ان کی دونوں بہنیں دور ہوتے ہوئے بھی ان کی ہر خوشی ہر دکھ میں شامل ہوتیں اور اپنے رشتوں کی مضبوطی کے لیے انہوں نے بڑی بہن کے بیٹے کے ساتھ افشین کو منسوب کر رکھا تھا جبکہ چھوٹی بہن سائرہ رحمان کی اکلوتی اور تین بھائیوں کی لاڈلی زینب شیرازی کو اپنے بیٹے ذیشان سے منسوب کر رکھا تھا۔ ذیشان احمد صدیقی کہانی کا سب سے اہم کردار ہے جس کی فطرت میں خاندانی اقدار اور روایات کی پاسداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی مگر مزاج اس کا بہت شوخ اور چلبلا تھا۔ اس کی پھوجی کے بیٹے محسن سے ان سب بہن بھائیوں کی اچھی دوستی تھی وہ اکثر اسے سمجھاتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شانی کے مستقبل سے ان کی بہن بھی وابستہ ہے..... زینب شیراز اس کی منگیتر تھی مگر اسے شانی قطعی پسند نہ تھا اس کی وجہ شانی کا مزاج اور عادت نہیں تھی مگر وہ سب پر ظاہر یہ ہی کرتی کہ اسے شانی کی عادات سے اختلاف ہے۔ بہت جلد ہی شانی کو علم ہو گیا تھا کہ ذینی کے رویے کے پیچھے کیا راز ہے..... ذینی اپنے کلاس فیلو کو چاہتی تھی مگر ماموں کی محبتوں اور احسانات کی وجہ سے وہ منع نہ کر سکی مگر وہ شانی کی خامی کو ایشو بنا کر سب کے سامنے اسے برا ثابت کرنے کی کوشش میں تھی۔ کہانی کا دوسرا اہم کردار حریم صدیقی جس نے آشیانہ میں شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کی تھی گھر بھر کی لاڈلی تھی..... کسی تقریب میں اسے دیکھ کر اشبار حسن اس کا دیوانہ ہو گیا اور یوں چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کر وہ اشبار حسن کی دنیا میں آ گئی۔ افشین صدیقی کی منگنی بڑی پھوپھو کے بیٹے سے طے تھی جو آسٹریلیا میں مقیم تھا اور خوشحال زندگی بسر کر رہا تھا اسے افشین قطعی ناپسند تھی مگر وہ چاہتا تھا کہ خود افشین اس رشتے سے انکار کرے وہ اکثر اسے کال اور میسجز پر دھمکایا کرتا تھا۔ شعیب صدیقی اور نازیہ صدیقی کو افشین کی ذہنی تکلیف کا علم ہو گیا تھا اور وہ افعان کی حقیقت سب کے سامنے لانا چاہتے تھے کہ ایک دن افشین کو افعان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ افعان نے آسٹریلیا میں پہلے ہی شادی کی ہوئی ہے اور اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ شعیب صدیقی اور نازیہ صدیقی اچانک ایک دھماکہ میں جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ زینب شیراز اور شانی کی شادی کے دن تاریخ طے ہو جاتی ہے اور ادھر زینب شیراز نے سوچ لیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت شانی سے شادی نہیں کرے گی اسی لیے اس نے فہیم عباسی کے ساتھ مل کر ایک پلان بنایا.....

آگے پڑھیے

خود کو سنبھالنے کے لیے اسے گاڑی کا سہارا لینا پڑا تھا۔ فہیم عباسی کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

''ارے یار تمہارے چہرے پر تو ہوائیاں اڑنے لگیں کم از کم مبارکباد ہی دے دو۔''

اور وہ جس کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ختم ہو چکی تھیں اسے خود بھی پتہ نہ چلا تھا کہ اس نے فہیم کو کتنا مارا تھا

اس کا بس چلتا تو شاید اسے جان سے ہی مار دیتا.....

مگر آج صرف فہیم قصور وار نہیں تھا اس کے نزدیک تو زینب شیراز نے خاندان کی عزت کا جنازہ نکالا تھا اور آج وہ کسی صورت بھی اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بری طرح سے پھٹنے والے دماغ کو کنٹرول کرتا وہ رش میں ڈرائیونگ کرتا سیدھا پھوجی کے گھر پہنچا تھا اور شاید زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھا زینی کے کمرے میں گیا تھا..... تبھی شاید لاؤنج میں بیٹھی لبنیٰ بھابی کو شدت سے محسوس ہوا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ شانی کی تربیت میں اخلاق کی پاسداری اور تہذیب دونوں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ انہیں شانی کی یہ حرکت عجیب لگی اس کی وجہ اس کے چہرے سے ٹپکتی وحشت تھی۔ جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہو..... دوسرا خوف انہیں یوں محسوس ہوا کہ حسان بھی آج گھر پر تھا اور شانی کی آمد کہیں اسے بھڑکا نہ دے..... فی الوقت وہ اپنی سوچوں سے الجھتی وہیں بیٹھی تھیں جب انہیں شانی کے چلانے کی آواز سنائی دی۔

ادھر جب وہ زور سے دروازہ پٹختا اندر داخل ہوا تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی زینی کو خوف سے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ شانی کے چہرے پر چھائی وحشت اور سپاٹ پن سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارے اندر میرے لیے اتنی نفرت تھی کہ تم نے صرف مجھے زیر کرنے کے لیے پورے خاندان کے وقار کو مٹی میں ملا دیا۔ ایک غیر شخص تمہارے لیے اتنا اہم ہو گیا تھا کہ تم نے.....''

زینی کو محسوس ہوا وہ ابھی اس کا گلا دبا دے گا۔

''شانی خدا کی قسم میرا یہ.....''

''شٹ اپ.....''

وہ حلق کے بل چیخا تو زینی ہی نہیں لاؤنج میں بیٹھی لبنیٰ بھی خوفزدہ ہو گئیں اور اس کی آواز سن کر حسان بھی تیزی سے کمرے سے نکل کر زینی کے روم کی طرف بڑھا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا زینب شیراز کہ میری پھوجی کی بیٹی اتنی خود غرض ہو سکتی ہے صرف اپنی ذات کی خوشی کے لیے تم کتنے رشتے..... گھر والوں کی عزت خاندان کا وقار سب داؤ پر لگا دیا یہ کیسی محبت تھی تمہاری..... جس پر اتنی ساری محبتیں بھی بے اثر ہو گئیں..... میں نہیں مانتا کہ یہ محبت ہے..... مجھے کم ظرف کہتی تھیں ناں تم..... ارے میں شروع سے تمہارے بارے میں جانتا تھا مگر خاموش رہا کیونکہ میرے لیے تمہاری ذات نہیں وہ تمام رشتے اہم تھے جو میرا سرمایہ ہیں۔ تمہاری سچائی جاننے کے باوجود بھی میں تمہیں اپنا رہا تھا..... تاکہ میری وجہ سے میرے پیارے ہرٹ نہ ہوں..... تم ہماری عزت تھیں زینب شیراز.....''

وہ لمحہ بھر کو رکا اس کی سرخ ہوتی آنکھوں میں جلن بڑھنے لگی تھی تب ہی حسان اس کے سامنے آ گیا۔

''یہ کیا چل رہا ہے..... کیوں چیخ رہے ہو تم.....''

''مبارک باد دینے آیا تھا تمہاری بہن کو اور تمہیں کہ کیسے تم دونوں نے اپنے خاندان کی عزت کو چار چاند لگا دیئے..... تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا اس شخص پر بھروسہ تھا ناں تمہیں یقیناً تم نے ہی یہ سب کیا ہے تم شامل ہو ان سب میں.....''

''کیا بکواس کر رہے ہو.....''

حسان کی پیشانی پر کتنی ہی سلوٹیں نمایاں ہوگئیں۔ اسے شانی کا لہجہ بھڑکا رہا تھا۔

''میری کیا بساط...... تم نے مجھے اس قابل چھوڑا بھی ہے میری اور میرے ابا جانی کی عزت ہمارا وقار...... سب مٹا ڈالا...... حسان تم بھی...... تم نے بھی......''

وہ جیسے یکدم ہارنے لگا سرخ ہوتی آنکھوں میں خارش ہونے لگی۔

''مبارک ہو تمہیں بہن کا نکاح...... صرف مجھ سے بدلہ لینے کے لیے یہ ثابت کرنے کے لیے میں بدکردار ہوں تم دونوں بہن بھائی نے تو سرا اونچا کر دیا ناں سب کا......''

وہ کاغذ کا ٹکڑا حسان کا ہاتھ پکڑ کر اس میں تھماتے ہوئے بولا تھا۔

''تم دونوں نے تو انسانیت سے میرا اعتبار ہی مٹا ڈالا نفرت ہے مجھے تم سے...... اور زینب شیراز تم تو زندگی میں میرے سامنے بھی کبھی مت آنا...... عمر بھر معاف نہیں کروں گا میں تمہیں...... اور ہاں تمہارے اس گھٹیا فعل سے میرے گھر کے کسی فرد یا پھوجی کو ذرا بھی کچھ ہوا ناں تو یاد رکھنا......''

''عمر قید کی سزا بخوشی کاٹ لوں گا مگر تم سے تمہاری ہر خوشی چھین لوں گا جیسے تم نے میرے سارے خاندان کی خوشیاں مٹی میں ملا دیں......''

وہ رکا نہیں تھا۔

''شانی...... شانی......''

حسان نے وہ کاغذ اب کھول کر دیکھا تھا...... یہ غلط تھا کہ وہ اس میں شامل تھا اسے تو خود قدموں تلے زمین نکلتی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے شانی کو روکنا چاہا مگر وہ ابھی ہوش میں ہی نہ تھا...... مگر زینی......

اس نے زینی کو گردن سے دبوچا تھا۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا...... تم نے ہماری عزت خاک میں ملا دی منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا......''

اس پر خون سوار تھا...... لبنیٰ چیخ و پکار سن کر دوڑی آئیں تھیں اور حسان کو زینی کا گلا دباتے دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹ گئیں......

☆☆☆

''عمیر بیٹے تم دوبارہ اس کا نمبر ٹرائی کرو وہ اتنی دیر گھر سے باہر نہیں رہتا مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''

اماں جانی کی پریشانی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

''اس کا نمبر سوئچڈ آف ہے اماں......''

''اسامہ کو کرو...... اس کے ساتھ ہی ہوگا......''

''جی......''

عمیر نے اسامہ کو کال کی مگر شانی تو آج اس سے ملنے آیا ہی نہیں تھا۔

''شازیہ بیگم آجائے گا کیوں فکر کر رہی ہیں۔''

حالانکہ ان سے زیادہ تو وہ فکر کرتے تھے رات گئے تک بچوں کے باہر رہنے پر مگر آج کیسے ریلیکس تھے۔ شاید انہیں شانی پر بھروسہ تھا۔

وہ شاید مزید پریشان رہتیں کہ ہنی کی کال آئی تو وہ اس کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ہنی کی دونوں لاڈوں کی منگنی کی رسم تھی اور وہ آج کل اسی میں بہت بزی تھی۔شازیہ بیگم نے تو اب تک ہنی کو یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ شانی کے نکاح کی ڈیٹ فائنل ہو گئی تھی۔

وہ تو اب ہنی نے ارم اور کرن کے بارے میں بتایا تو انہیں بھی یاد آ گیا پھر آج ہی تو کارڈز آئے تھے اب تو سب کو پتہ چل ہی جانا تھا۔(اب تک یہ بات صرف گھر کے لوگوں کو ہی پتہ تھی)

''ارے ہاں مجھے بھی ایک گڈ نیوز سنانی تھی تمہیں......''

''کیا اماں......؟''ہنی نے حیرت سے پوچھا۔

''ہم نے شانی کی......''

یکدم ہی ان کے ہاتھ سے موبائل لے کر شانی نے کال کاٹ دی تھی وہ بیٹے کی بدتمیزی پر سخت غصے میں آ گئیں باقی سب بھی اس کی حرکت پر حیران رہ گئے۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے شانی میں اسے بتا رہی تھی کہ تمہارا نکاح......''

''آپ اسے جو بتانے جا رہی تھیں اس سے ہماری ذلت میں اضافہ ہی ہونا تھا۔اچھا ہی ہوا کہ اب تک یہ خبر کسی کو نہ دی گئی......''وہ بولا تو اس کا لہجہ بہت بکھرا بکھرا تھا۔

شازیہ صدیقی نے اب غور کیا تھا بیٹے پر دھواں دھواں چہرہ بکھرا شکست زدہ وجود اجڑا اجڑا حلیہ......

''کیا ہوا ہے بیٹا......؟''

اس کی حالت دیکھ کر ابا جانی اٹھ کر اس کے پاس آ گئے......اور وہ شاید پھوجی کے گھر چیخ کر اتنا تھک گیا تھا کہ اس میں بولنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔اس نے ابا جان کو ایک پل دیکھا تھا۔

''زینی کا نکاح ہو چکا ہے ابا جانی......''

وہ اتنا ہی کہہ سکا اور پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

''یہ کیا کہہ گیا ہے آصف......!''

آصف صدیقی نے خالی نگاہوں سے سیڑھیاں دیکھیں پھر گہری سانس خارج کی۔

''ہمیں ابھی سائرہ کے گھر جانا ہے......''وہ بولے پھر افشین کو دیکھا۔

''بھائی کا خیال رکھنا بچے......کھانا وغیرہ روم میں ہی دے آنا......''

''جی ابا جانی......!''اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''چلیں شازیہ بیگم......''وہ فوراً ہی تیار تھے۔

☆☆☆

سائرہ رحمان کے گھر میں گویا موت کا سا گہرا سناٹا تھا۔ہر آنکھ نم تھی......انسان کی نہ سہی موت تو ہوئی تھی جنازہ تو اٹھا تھا ان کی عزت و مان کا......

آصف صدیقی کے چہرے پر گہرا سکوت طاری تھا......یہاں آ کر انہیں تمام صورتحال معلوم ہوئی تھی۔

حسان مجھ میں تو کسی کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔لبنیٰ بھابی نے زبردستی زینی کو چھڑایا تھا ورنہ شاید وہ زینی کو مار ہی دیتا......بس جب سے ہی وہ کمرے میں بند تھا۔

''کہاں مجھ سے خطا ہوگئی تھی بھیا میری تربیت میں کمی کہاں رہ گئی تھی۔ رحمٰن کے بعد میں نے اپنی زندگی ان بچوں کے لیے وقف کردی تاکہ انہیں باپ کی کمی کا احساس نہ ہو میں نے ان کی ہر خواہش پوری کی زمانے کی اونچ نیچ سے بچایا۔ پھر بھی مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔''

سائرہ رحمٰن کی رو رو کر بری حالت ہوگئی تھی۔

''غلطی تمہاری تربیت میں نہیں ہوئی سائرہ..... تم نے تو بہت اعلیٰ تربیت کی ہے بچوں کی، اس کی مثال تمہارے تینوں بیٹے ہیں۔ جو تمہارا فخر ہیں اور جہاں تک بات زینی کی ہے اس میں شاید ہم سب کی غلطی ہے..... ہم زینی کی خاموشی کو اس کی نیچر کا حصہ سمجھ کر اگنور کرتے رہے۔ ہمیں کھل کر زینی سے اس کی مرضی دریافت کرنی چاہیے تھی.....'' لبنیٰ آصف ماموں کا چہرہ دیکھنے لگی۔

اس نے خود زینی سے پوچھا تھا وہ تو جانتی تھی کہ زینی اس رشتے سے خوش نہیں..... کاش وہ اپنے شوہر کو بتا دیتی تو شاید آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا..... مگر انہیں ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ زینی اتنا بڑا قدم اٹھالے گی۔

''سائرہ کبھی کبھی بچے ہمیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ ہمارا ہر فیصلہ درست نہیں ہوتا..... زینی کی چپ نے ہمیں سمجھنے کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ ناخوش ہے۔ کاش ہمیں پہلے پتہ چل جاتا.....''

''بھیا! میں تو جیتے جی مرگئی ناں..... کیسے سامنا کروں گی میں دنیا کا.....؟ کس کس کی زبان روک پاؤں گی؟''

سائرہ دلگرفتہ تھیں ان کے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے۔

''سامنا تو ہم نے کرنا ہے سائرہ..... ہمت کرکرو یا روکر اس کے لیے تو خود کو تیار کرنا ہوگا۔ لوگ تو موقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں اور یہ موقعہ ہم نے خود دے دیا ہے لوگوں کو.....''

آصف صدیقی کے لہجے میں بھی دکھ جھلک رہا تھا۔

''ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے اچھا ہی ہوا کہ ہم نے ابھی کسی کو نہیں بتایا تھا شاید ہم ابھی بات سنبھال لیں گے۔'' شازیہ صدیقی نے پہلی بار لب کشائی کی۔

''اس وقت ہم سب جس صدمے سے دوچار ہیں اس میں سوچنے سمجھنے اور کوئی بھی فیصلہ کرنے کی صلاحیت کام نہیں کر رہی ہے۔ مگر یہ ہے تو سچ ناں کہ رونے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہونے والا..... ہم کچھ بھی کرلیں زینی اب اس لڑکے کی امانت ہے..... ہمیں خوشی ہو نہ ہو مگر دنیا داری نبھانی ہے۔''

''بھابی میں زینی کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی احسن تم فون کر کے اس لڑکے کو بلاؤ تاکہ وہ آکر زینی کو یہاں سے لے جائے.....'' سائرہ رحمٰن از حد مایوس تھیں۔

''احمقوں والی باتیں مت کرو سائرہ تمہارا اس طرح جذباتی قدم خود لوگوں کو دعوت دے گا باتیں بنانے پر..... بھڑ کنے کا نہیں سوچنے کا وقت ہے۔ سمجھداری سے کام لو.....'' شازیہ صدیقی نے سمجھایا۔

''ہم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے ہم خود دنیا کے سامنے تماشا بن جائیں..... زینی کی رخصتی مقررہ تاریخ پر ہوگی.....'' آصف صدیقی بولے۔

''احسن تم اس لڑکے کو بلاؤ اور تمام معاملات طے کرو ہم سادہ سی تقریب میں زینی کی رخصتی دے دیں گے۔''

''محسن کو انفارم کردیں ماموں جانی.....''

''میں اس کی اجازت نہیں دوں گا وہ صرف پریشان ہی ہوگا اطلاع ملنے پر.....''

"تم خاص خاص لوگوں کو انوائٹ کرلو......"

"سب برادری والے جانتے ہیں کہ زینی کی منگنی شانی سے ہو چکی ہے اور اب جب انہیں پتہ چلے گا تو......"

"سائرہ اب تمہارے پاس کیا راستہ ہے...... اپنی عزت برقرار رکھنی ہے تو باعزت طریقے سے بیٹی کو رخصت کرو...... منگنیاں تو ٹوٹ ہی جاتی ہیں...... دوسرے طریقے سے بدنامی زیادہ ہوگی......" سائرہ خاموش ہوگئیں بھیا ملا ٹھیک کہہ رہے تھے۔

زینی نے تو منہ پر کالک مل ہی دی تھی اگر وہ اپنا وقار بچانے کے لیے رخصتی اپنے ہاتھوں سے نہ کریں تب بھی لیلا نے تو جانا ہی تھا۔ تو یہ بہتر تھا وہ خود اپنے ہاتھوں رخصتی کر دیں۔ باتیں تو بنی ہیں مگر شاید اس طرح کم بنتیں۔ ابھی بہت سے لوگوں کو بہت سے سوالوں کے جواب دینے ہوں گے۔" کیا وہ سب اس کے لیے تیار تھے......؟ اتنی ہمت تھی ان سب میں کہ دنیا کے سوالوں کے جواب دے سکیں......؟

☆☆☆

"اتنا کچھ ہو گیا خالہ جانی اور آپ نے مجھے فون تک نہ کیا اگر اب بھی میں یہ معلوم کرنے نہ آتا کہ شانی کا نمبر کیوں آف ہے تو اب بھی مجھے علم نہ ہوتا......"

"اسامہ بات ہی ایسی ہے بچے کہ خود سے بھی چھپانی پڑ رہی ہے۔ تمہیں اس لیے بتایا ہے کہ دو دن سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ تمہارے انکل بھی از حد پریشان ہیں۔ وہ تم سے ہر بات شیئر کرلیتا ہے۔ اس کے من میں جو ہے وہ تمہیں ضرور بتائے گا اس کے دل کا بوجھ تو ہلکا ہوگا ناں......" نازیہ صدیقی نے مان سے بھانجے کو دیکھا۔

"ڈونٹ وری خالہ جانی میں دیکھتا ہوں اسے......" انہیں تسلی دیتا وہ اٹھا تھا۔

"اسامہ بچے ابھی جو ہم میں بات ہوئی وہ اسی گھر تک محدود رہنی چاہیے۔"

"خالہ جانی شانی سے بڑھ کر میرے لیے کچھ اہم نہیں اس کی عزت اس کے وقار کے لیے میں جان دے سکتا ہوں۔ آپ مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہیں۔"

وہ ان سے پرامس کر کے شانی کے روم میں آیا تھا دروازہ بند تھا مگر لاک نہیں تھا اس کے ذرا سے دھکیلنے پر ہی دروازہ اوپن ہو گیا تھا۔ کمرے میں اندھیرے کا راج تھا اور وہ حسب توقع تکیہ منہ پر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

"شانی......!" اسامہ کی آواز پر وہ چونکا تھا۔

"تو ٹھیک ہے شانی......!"

اس کی حالت دیکھ کر وہ قدرے فکرمندی سے بولا تھا اتنی نفاست پسند نیچر تھی اور اب اس کا حلیہ......

"میں ٹھیک ہوں......" وہ اٹھ بیٹھا۔ اسامہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"پھر اس گوشہ نشینی کا مقصد......؟" شانی نے بے انتہا شاکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کس لیے کر رہا ہے تو یہ سب کیا ثابت کرنا چاہتا ہے یوں سوگ منا کر......"

اس لیے اسامہ کہ مجھ میں ابھی انسانیت مری نہیں ہے۔ اپنی دل کی ایمانداری سے بتا کیا مجھے دکھ نہیں ہونا چاہیے۔ میری عزت، میرے وقار کی دھجیاں اڑ گئیں......"

خدا کی قسم اسامہ دو دن مکمل ہو گئے مگر اب بھی لمحہ بھر کو آنکھیں بند کرتا ہوں تو فہیم عباسی کی تمسخر بھری نگاہیں مجھے اڑا دیتی ہیں میرا سکون غارت کر دیتی ہیں...... مجھے تو اب بھی یقین نہیں ہوتا اسامہ کہ زینب شیراز اتنا گر سکتی ہے کیا

واقعی یہ محبت ہے.....؟

محبت تو روح کے قرار کا نام ہے مگر اتنی ساری لازوال محبتوں کو ٹھکرا کر زینی نے صرف ایک شخص کی محبت کو ترجیح دی کیا وہ سکون سے رہ سکے گی اسامہ.....؟

''دوسروں کو بے سکون کرنے والے کبھی سکون سے نہیں رہتے شانی..... مجھے تو خود نفرت محسوس ہو رہی ہے اس سے.....''

''وہ پھوپھو کی بیٹی تھی اسامہ جو مجھے خود سے بڑھ کر چاہتی ہیں وہ محسن کی بہن تھی جو بچپن سے اب تک ہر دھوپ چھاؤں میں سایہ بن کر ہمارے ساتھ چلا۔ تجھے پتہ ہے اسامہ کہ حسان اسے کتنا چاہتا ہے صرف اپنی بہن کے سکھ کے لیے وہ مجھے ڈانٹتا تھا۔ کیا میں اتنا خودغرض بن جاتا کہ ایک لڑکی کی نادانی کے باعث اتنی چاہتوں سے منہ موڑ لیتا انہیں ہرٹ کرتا۔ میں ایسا نہیں کر سکا اسامہ..... میں نے یہ سمجھ کر اسے قبول کر لیا تھا۔ وہ اس کا ماضی تھا اگر سچوئشن الٹی ہوتی تو وہ بھی تو میرے ساتھ سمجھوتہ کر لیتی ناں.....''

مگر مجھے کیا ملا میں ہی احمق تھا جو رشتے ناتوں کو نبھانے کے لیے اپنی زندگی تیاگ رہا تھا اور بدلے میں مجھے کیا ملا ذلت..... تمسخر اور وہ درد جو زینب شیراز کے اس قدم نے میرے دل میں اتار دیا.....

''مجھے علم ہے شانی اس وقت تیرے دل میں بہت درد پنہاں ہے بلکہ اس نے تمام خاندان کو ہی تکلیف میں مبتلا کیا ہے۔ مگر شانی بعض درد ایسے ہوتے ہیں جن پر رویا نہیں جاتا انہیں نکال کر پھینک دینا بہتر ہوتا ہے۔''

زینی نے جو کیا اس پر سب ہرٹ ہیں مگر تیری وجہ سے سب پریشان ہیں۔ تیرے لیے فکرمند ہیں..... خالہ جان انکل افشین عمیر سب بہت پریشان ہیں۔ انہیں زینی سے نہیں تجھ سے محبت ہے اور تجھے تو محبتیں نبھانا آتی ہیں نا پھر کیوں انہیں تکلیف دے رہا ہے.....'' اس نے شانی کو خود سے لگایا۔

''جب ہم جان لیتے ہیں کہ ہم دنیا اور اس کی سوچ نہیں بدل سکتے تو پھر ہم خود کو بدل لیتے ہیں۔ جیسے دنیا چاہتی ہے ویسے بن جاتے ہیں.....''

خود کو بدل لو شانی.....! آج کے دور میں اتنی خالص محبتیں لوگوں کو ہضم نہیں ہوتیں..... تجھ کیا صلہ ملا سب کچھ جانتے ہوئے بھی صرف اپنوں کی محبت ان کے مان کے لیے زینی کو اپنا رہا تھا اور اس نے تیرے خلوص کو یوں ٹھکرایا کہ سب کی عزت مٹی میں رول دی.....

پھر تو کیوں اس کے لیے سوگ منا رہا ہے..... اچھا ہی ہوا ناں کہ عمر بھر کی اذیت سے بچ گیا.....

دیکھ شانی مجھے اندازہ ہے تو ہرٹ ہوا ہوں مگر پلیز اپنی ذات سے اپنے رشتوں کو ہرٹ نہ کر..... تو اس خودغرض لڑکی کے لیے کمرے میں بند ہے اس کے فعل نے تجھے دکھ دیا تو سوچ تیری وجہ سے انکل اور خالہ جانی کتنا دکھی ہوں گے..... پلیز کمرے سے باہر نکلو پہلے کی طرح سب کے ساتھ بیٹھو.....''

اسامہ نے اسے مزید خود سے بھینچ لیا تھا شانی کی سرخ آنکھیں جلنے لگیں تھیں۔

شاید ایسے لمحے آتے ہیں زندگی میں جب انسان صرف اپنے سے جڑے رشتوں کے لیے خود کو مضبوط تو کر لیتا ہے مگر اس کے اندر کی توڑ پھوڑ قائم رہتی ہے.....

وہ بہت مان کرتا تھا خود پر..... مگر زینی نے اس کی شخصیت کا وہ مان زمین بوس کر دیا تھا۔

''مجھے اپنا وہ ہی شانی چاہیے جسے اپنی ذات پر فخر ہوا کرتا تھا۔ جو دوسروں کی غلطیوں کی سزا خود کو کبھی نہیں دیتا

تھا.....''

اسامہ نے بہت مان اور پیار سے کہا تھا اور وہ فقط سر ہلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

عمیر آج کئی دن کے بعد ارید سے ملنے آیا تھا بظاہر وہ ارید کے ساتھ مکمل دھیان سے کھیل رہا تھا مگر پھر بھی اس کے چہرے پر جیسے مایوسی سی ٹھہری ہوئی تھی۔

ہنی نے اپنا سر جھٹکا۔ شاید اسے کچھ زیادہ ہی باریک بینی سے بھائیوں کو دیکھنے کی عادت تھی۔ وہ خود ڈپٹ کر پھر سے کام کرنے لگی۔

اثبار بھی آ گئے تھے عمیر کو دیکھ کر کافی خوش ہوئے۔

''گھر میں سب کیسے ہیں.....؟''

''اچھے ہیں اثبار بھائی.....'' وہ مسکرایا تھا پھر ارید کے ساتھ الجھ گیا۔

''اور سنا عمیر زندگی کیسی جا رہی ہے۔''

اثبار نے بازو اس کے کندھے پر پھیلا کر محبت سے پوچھا۔

''روز ہی تو نیا روپ بدل کر سامنے آ جاتی ہے سمجھ ہی آ رہا جا کہاں رہی ہے۔''

بظاہر اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر اس کے لفظ اثبار کو عجیب سے لگے۔ اٹھارہ سالہ عمیر سے اتنا گہرا جواب ملنے کی شاید اسے توقع نہیں تھی۔

''کیا مطلب عمیر.....!''

''کچھ بھی نہیں ایسے ہی ڈائیلاگ مار رہا تھا۔'' اس نے اپنے پچھلے جملے کا اثر زائل کرنا چاہا۔

''میں چلتا ہوں ابا جانی بھی آ چکے ہوں گے.....''

''ارے اتنی جلدی.....'' ہنی نے روکا تھا۔

''پھر آؤں گا تجھے پتہ ہے ناں ابا جانی خفا ہو جاتے ہیں۔ دیر سے آنے پر.....''

اس نے بہن کو ٹالا اور ارید کو پیار کرتا چلا گیا۔

''آج عمیر کچھ چپ چپ سا تھا ناں.....''

''آپ کو بھی لگا ناں..... میں سمجھی مجھے ہی وہم ہوا ہے۔'' اس نے اثبار کی بات پر کہا۔

''لگتا ہے گھر میں کچھ ٹینشن ہے جو یہ سب مجھ سے چھپا رہے ہیں..... اس دن اماں نے بھی کچھ بتاتے بتاتے لائن کاٹ دی پھر اس کے بعد فون ہی نہیں کیا۔ آج عمیر آیا مگر اس کا انداز ہی الگ تھا۔'' ہنی نے کھل کر اظہار کیا۔

''تم اب لگ جانا جاسوسی میں۔ مے بی شانی کی وجہ سے اپ سیٹ ہوں.....'' اثبار نے سر جھٹکا۔

''اچھا پلیز کھانا دے دو مجھے بہت شدت کی بھوک لگی ہے۔''

''ہوں بس پندرہ منٹ ویٹ کریں چاول دم پر ہیں.....''

'ہنی بچے کھانے میں کتنا وقت ہے.....'' بابا کو بھی شاید بھوک لگی تھی۔

''بس کچھ دیر.....''

''ارے بھئی دس منٹ صبر کر لو اگر چاولوں کو دم ٹھیک نہ لگے تو پھر ذائقہ نہیں آتا.....'' رابعہ بیگم نے سب کی بے

صبری پر ٹوکا.....

اثبار مسکرا دیا اور اپنے سیل کی طرف متوجہ ہوا جو بج رہا تھا..... احسن بھائی کی کال تھی۔ اس نے کال اٹینڈ کی سلام دعا کی اور پھر احسن بھائی نے جو بات کی اس نے اثبار کے سارے وجود کو ہلا دیا تھا۔

''اتوار کو زینی کی رخصتی ہے اثبار مختصر سی تقریب ہے پھوپھو کو بتا دینا تم سب نے آنا ہے۔''

''اتنی اچانک احسن بھائی.....''

''بس یار اچانک ہی ہوا ہے سب..... دراصل فہیم کو انگلینڈ جانا ہے اس کے والد کی ڈیتھ ہوگئی تھی نکاح اسی لیے سادگی سے کرنا پڑا۔ سنڈے کو رخصتی ہے۔ سب کچھ یکدم ہی ہوا کسی کو بھی انفارم نہ کر سکے۔''

احسن بھائی شاید بحث سے بچنا چاہ رہے تھے جتنا جھوٹ بول سکتے تھے بول کر لائن کاٹ دی۔

مگر وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔

''کیا ہوا.....؟'' وہ اب تک سیل تھامے جانے کن سوچوں میں تھا۔ ٹیبل پر کھانا سرو کرتی ہنی بھی چونک گئی۔

''کس کا فون تھا.....؟''

''احسن بھائی کا کہہ رہے تھے کہ سنڈے کو زینی کی رخصتی ہے آپ سب نے ضرور آنا ہے۔''

''ہیں..... رخصتی..... ! نکاح کب ہوا ابھی عمیر اٹھ کر گیا ہے اس نے تو نہیں بتایا کچھ۔''

یہ خبر تو سب کے لیے بم تھی کیونکہ سب کو علم تھا زینی اور شانی کی منگنی ہو چکی ہے۔

''کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ اگر ایسا کچھ ہوتا تو اماں جانی مجھے تو بتاتیں.....''

ہنی جیسے بے چین ہوگئی اسے پہلے ہی کچھ ہونے کا گمان ہو رہا تھا.....

''آپ ابھی گھر فون کریں.....'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ہنی بچے فون پر کیا پوچھو گی خبر تو خوشی کی ہے ناں مصروفیت کے باعث نہ بتا پائیں ہوں گے..... تم کھانا کھا کر گھر جا کے تمام باتیں کر آنا.....''

حالانکہ حیرت تو انہیں بھی ہوئی تھی کوئی اطلاع تک نہ تھی آشیانہ سے اتنی بڑی بات کی.....

اثبار فی الوقت انہیں یہ بھی نہ کہہ سکا کہ زینی کا نکاح کسی فہیم سے ہوا ہے۔

☆☆☆

اتنے سارے نفوس کی موجودگی میں بھی ماحول میں بہت خاموشی تھی صرف ہنی کے سسکنے کی آواز تھی جو گونج رہی تھی۔

''بالکل ہی پرایا کر دیا مجھے اتنا کچھ ہو گیا اور کسی نے مجھے بتانا بھی اہم نہ سمجھا.....''

ابا جانی کے سینے سے چپکی وہ ان سے ہی گلے شکوے کر رہی تھی۔

''ہم تو گھر میں خوشیاں بکھیرنے کی تیاری کر رہے تھے بچے مگر شاید رب کو کچھ اور منظور تھا۔ تمہیں بتا کر پریشان کرنا نہیں چاہتے تھے اپنے بھائیوں سے تمہاری وابستگی ہم جانتے ہیں۔ تم ہلکان ہی ہوتیں.....'' ابا جانی نے اس کا سر تھپکا۔

''تمہیں یہ خبر سن کر ملنا کیا تھا صرف دکھ ناں.....''

''میں نے اسی لیے سب کو منع کر دیا تھا تمہیں بتانے سے.....'' شانی بولا۔

''تو اتنا بڑا جو ہو گیا ہے خود فیصلے کرنے والا.....'' وہ اس پر برس پڑی۔

''ہاں مجھے تو ڈھول پیٹنے چاہیے تھے مٹھائیاں تقسیم کرتا میں دیکھو کیسے ہماری عزت مٹی میں مل گئی۔ ایک لڑکی ہمارے خاندان کے وقار کو ہلا گئی۔'' وہ چیخ پڑا۔

''غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں بچے ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کرنا ہی انسانیت کی معراج اور اعلیٰ ظرفی ہے۔'' اماں جانی نے شانی کو ٹوکا۔

''زینی نے جو کیا وہ غلطی سے بڑھ کر ہے اماں جانی.....'' بہنی نے بھائی کی سائیڈ لی۔

''وہ نادان تھی ناسمجھی میں اسے جو رستہ ملا چن لیا۔ مگر اس نے اپنے تمام پچھلے رستے بند کر دیئے ہیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کا حق کھو دیا ہے۔ وہ پلٹ کر نہیں آ سکتی خود اپنے ہاتھوں اپنے رستے بند کر کے جا رہی ہے۔''

''خوش نہیں رہے گی وہ میرے بھائی کو ہرٹ کر کے۔'' بہنی نے نفرت سے کہا۔

''جو تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو چکا بچے مگر مت بھولو کہ وہ تمہاری پھوپھو زاد بہن ہے۔ اس کی اچھی زندگی کی دعا کرو ایسے مت کہو.....'' ابا جانی نے سمجھایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

لوگ مختصر تھے مگر جو لوگ جانتے تھے ان کے چہروں پر آنے والے سوالات کو نظر انداز کرنا بہت مشکل تھا نا صرف سائرہ رحمٰن کے لیے بلکہ سب کے لیے..... آصف صدیقی اور شازیہ صدیقی نے سائرہ کو قطعی احساس نہ ہونے دیا کہ وہ کتنا ہرٹ ہوئے تھے بلکہ بڑھ چڑھ کر ان کے ساتھ کھڑے رہے۔

احسن اور حسان دونوں کے سروں پر آصف صدیقی کا دست شفقت تھا۔ تبھی وہ یہ سب کر پائے وگرنہ زینی نے جو صدمہ انہیں دیا تھا اس سے تو سارا گھرانہ ہی بکھر گیا تھا۔

ماموں جانی کے بچوں کی غیر موجودگی اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ وہ کتنے ہرٹ ہوئے اور انہیں شاید دنیا داری نبھانی بھی نہیں آتی تھی تب ہی کوئی نہ آیا حتیٰ کہ بہنی بھی نہیں آئی تھی حالانکہ اس کی ساری سسرال آئی تھی۔ پھر بھی بخیر وخوبی تقریب انجام پائی مگر عین رخصتی کے لمحوں میں قطعی غیر متوقعہ محسن شیراز کی آمد نے سب کو بے کل کر دیا۔

خود محسن کے لیے بھی یہ بہت حیران کن تھا۔ مگر اتنے لوگوں کی موجودگی میں خاموش رہا بہن کے سر پر دست شفقت رکھ کر رخصت کیا..... مگر باقی کسی نے زینی کو گلے تک نہ لگایا تھا۔

محسن کے دل میں یہ کڑوی حقیقت کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی کہ زینی کی شادی فہیم عباسی کے ساتھ؟

شانی! شانی کا نام آتے ہی اس کی نگاہوں نے اسے تلاش کرنا چاہا مگر سوائے ماموں جانی، ممانی اور اثبار کے کوئی نظر نہ آیا۔

رخصتی کے بعد جب دھیرے دھیرے مہمان بھی چلے گئے تو اس کے لبوں نے جنبش کی تھی۔

''امی یہ کیا ماجرہ ہے.....!'' سائرہ رحمٰن کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

''کوئی ماجرہ نہیں ہے مائی سن ہمیں بچوں کی خوشیوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ زینی کی خوشی اسی میں تھی بہر حال زندگی تو اس نے گزارنی ہے ناں..... تم اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہو ریسٹ کرو خوامخواہ ذہن کو مت الجھاؤ.....''

آصف صدیقی نے بات کا آغاز کر کے بہن کی مشکل آسان کی۔

''پھر بھی ماموں جانی.....!''

''ارے بھئی فرض ادا ہو گیا احسن طریقے سے شکر ہے اللہ رب العزت کا..... تم کیوں پریشان ہو رہے ہو.....''
محسن سمجھ گیا کہ اس وقت بات کرنا بے کار ہے سو وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔
مگر ذہن تو الجھنوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کتنے ہی سوال تھے جو منہ پھاڑے تھے اسے جواب درکار تھے.....؟

☆☆☆

کبھی سختی کبھی نرمی کبھی عجلت کبھی دیر
وقت تو بہر حال اے دوست گزر جاتا ہے
لمحہ لمحہ نظر آتا ہے کبھی ایک سال
کبھی لمحوں کی طرح سال گزر جاتا ہے

اس ایک سال میں اس نے خود کو اتنا بزی کر لیا تھا کہ خود اسے اپنی خبر نہیں ملتی تھی۔
صبح سے شام تک فل ٹائم آفس اور شام میں گھر جاتے ہی بس بستر.....
اور مزے کی بات کہ نہ اب وہ بور ہوتا تھا نہ اس کا دل اکتاہٹ محسوس کرتا وہ جو اس حساب کتاب اور دو دو چار کی گنتی سے چڑتا تھا اب سارا دن وہ ہی کام اتنی دل جمعی سے کرتا کہ آصف صدیقی بھی حیران رہ جاتے..... انہیں خود ٹوکنا پڑتا کہ بچے خود پر توجہ دو اپنے لیے بھی وقت نکالو..... مگر شاید وہ خود سے ہی تو فرار چاہتا تھا۔
''شانی بچے باقی کے کام صبح کر لینا.....''
''جی ابا جانی بس دو منٹ.....''
وہ آج کل نئے پراجیکٹ پر کام کر رہا تھا بہت مصروف رہتا تھا۔
''شانی بچے حادثے زندگی کا حصہ ہوا کرتے ہیں۔ مگر زندگی کو حادثہ بنا کر نہیں گزارا جاتا تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح اپنی ذات کو الجھا کر تم حقیقت سے کٹ کر زندگی گزار لو گے تو نو ر مائی چائلڈ ایسا ممکن نہیں اور نہ ہی میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ میرا بیٹا کمزور ثابت ہو.....''
کتنا بڑا احمق تھا وہ جو یہ سمجھ رہا تھا کہ خود کو مصروف رکھ کر وہ سب کو بہلا لے گا..... اس کا یہ طریقہ بھی ناکام ہو گیا۔
''آئی ایم سوری ابا جانی.....''
اس نے فوراً کہا پھر لیپ ٹاپ آف کیا مگر تبھی عین وقت پر اسامہ آ گیا۔
''شانی بچے میں گھر چلتا ہوں آپ اسامہ کو کمپنی دو.....'' ابا جانی اسامہ کا سر تھپکتے چلے گئے۔
''شکر ہے اسامہ قریشی تیری صورت بھی نظر آئی اسامہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ خود ہی مصروف رہتے ہو صبح سے شام ڈھلنے تک اور پھر نہ ملنے کا گلا بھی ہم سے کرتے ہو.....
ٹیبل پر کہنیاں رکھ کر قدرے شانی کی طرف جھک کر اس نے شعر پڑھا تھا اور شانی کھل کے مسکرایا تھا۔
ہم یہ تسلیم کرتے ہیں ہمیں فرصت نہیں ملتی
یہ بھی تو سچ ہے.....
تمہیں جب یاد کرتے ہیں زمانہ بھول جاتے ہیں.....
''رئیلی.....''

اسامہ کی نگاہوں میں شرارت تھی۔
''کوئی شک ہے اسامہ قریشی۔''
ڈارک براؤن آنکھوں کا اعتماد اس کا دل باغ باغ کر دیا۔
''اوں ہوں.....''
اسامہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''چل کہیں باہر چلتے ہیں دل نہیں تنگ ہوتا تیرا اس بورنگ ماحول سے.....''
شانی مسکرا کر فوراً اس کے ساتھ ہولیا۔
''اور سنا آنی کیسی ہیں.....''
سب ٹھیک ہیں کبھی خبر بھی لے لیا کر..... امی اتنا یاد کر رہی تھیں تجھے.....''
''آؤں گا انشاء اللہ.....''
اسامہ نے اس کا چہرہ دیکھا پھر بنا کچھ بولے اس کے سنگ قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

اسے آشیانہ صدیقی آئے آج دوسرا دن تھا مگر مجال ہے جو اربد نے اک پل بھی اسے سکون کا سانس لینے دیا ہو وہ اپنے پاپا اور دادی سے بہت اٹیچ تھا تب بھی انہیں مس کر رہا تھا۔ اٹیچ تو وہ عمیر سے بھی تھا مگر ظاہر ہے عمیر کو گھر سے باہر بھی وقت گزارنا ہوتا تھا ایسے میں ڈیڑھ سالہ اربد اس کی جان عذاب کر دیتا تھا۔
''اسی لیے کہتے ہیں کہ میکے سے بھی رابطہ بحال رکھنا چاہیے مگر لڑکی تم تو ایسی سسرال کی ہوئیں کہ مہمان بن کر بھی ملنے آتی ہو..... بھی اب تمہارا یہ دلارا انہیں ٹک رہا.....''
افشین نے آخر دل کی بات کہہ دی۔
''تو یہاں کون سا لوگوں کو میری پروا ہے ہر کسی کی اپنی مصروفیت ہے ہمیں تو بھول ہی گئے ہیں لوگ۔ بس میں ہی اشار کو فون کرتی ہوں کہ شام میں مجھے آ کر لے جائیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے کون سا کوئی فرق پڑتا ہے لوگوں کو.....''
وہ منہ بنائے بولے جا رہی تھی اور جسے سنا رہی تھی وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔
''ویری گڈ..... افشین لوگوں کو اچھا بہانہ ملا ہے میرے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانے کا حقیقت تو کہہ نہیں سکتے کہ اشار بھائی یاد آ رہے ہیں۔''
اس کی نظریں اب بھی لیپ ٹاپ پر تھیں مگر اس کی بات پر افشین اور ہنسی مسکرا دیں تھیں۔
''جی نہیں..... تمہیں اپنے آفس کے جھمیلوں سے ہی فرصت نہیں ملتی چند دن کے لیے آئی ہوں میرے اور اربد کے لیے تمہارے پاس وقت ہی نہیں ہے۔''
''شانی ٹھیک تو کہہ رہی ہے بہنی کم از کم گھر آ کر تو یہ آفس کے کام بند کر دیا کرو..... کچھ دن کے لیے بہن آئی ہے اسے وقت دو بچے.....''
اماں نے بھی بیٹی کی سائیڈ لی تو اسے سارا کام سمیٹنا پڑا۔
''ہاں تو بہنا کہو کیا ہے کہنا.....؟'' وہ اس کے پاس آ بیٹھا۔

''شانی کیوں نہ ہنی کو آؤٹنگ کے لیے لے جائیں مزا آئے گا۔''
نت نئے آئیڈے کی گڑتھی عمیر احمد صدیقی کی کھوپڑی۔''ہرگز نہیں اتنی شدت کی گرمی میں باہر نکلنا مضر صحت ہے۔''
اس نے صاف منع کیا۔
''لمبا عرصہ ہوگیا ہنی اشبار بھائی کے ساتھ گپ شپ نہیں لگائی۔''
''تم ملتے کب ہو...... وہ تو آتے رہتے ہیں۔''
''تم تو روز آتی ہوناں جانے کیسے تمہیں سسرال سے فرصت مل گئی۔ شوہر سے زیادہ تو تمہیں ساس کی فکر رہتی ہے۔''
''تم ان کے غصے سے واقف ہوناں......''
''ارے یار تمہاری ساس کا غصہ انڈیا کی دھمکیوں کی طرح ہے بے بنیاد اور کمزور......''
اس نے شانی کو اس کے نادر خیالات پر گھورا تو وہ ہنس دیا۔
''اپنی کیئر تو لگتا ہے تم نے بالکل ہی چھوڑ دی ہے۔ جتنے تم کانشس تھے اپنی ہیلتھ کو لے کر اب اتنے ہی کیئرلیس ہو گئے ہو...... نہ صبح میں مجھے ابا جانی کے ساتھ جوگنگ کرتے نظر آتے ہو نہ رات میں واک کرتے ہو گے......''
وہ خاموشی سے اس کی صرف سن رہا تھا......بہنیں بھی کیسے فکر میں ہلکان ہوتی رہتی ہیں۔ بھائیوں کے لیے جب وہ صرف اپنی کیئر کرتا تھا تب بھی ٹوکتی تھیں اور اب بھی......!
''چہرہ بھی مرجھا گیا ہے شانی تم بہت لاپروا ہو گئے ہو اپنا خیال رکھا کرو......''
''جو حکم دادی اماں......'' اس نے سر تھاما۔

☆☆☆

ابا جانی آج آفس نہیں آئے تھے اور ضروری میٹنگ تھی اس کی فاروقی انکل اور حسن کے ساتھ...... وہ اسی میں بزی تھا جب اسے اطلاع ملی تھی سعد ملک آیا ہے۔
''انہیں میرے کیبن میں بھیج دیں......'' اس نے کہا۔
''اوکے فاروقی انکل آئی ہوپ آپ کو اور حسن کو میرا آئیڈیا پسند آیا ہوگا۔''
''بیٹا تم ہو بہو اپنے فادر جیسے ہو وہ ہی ذہانت وہ ہی متانت......''
''تھینک یو فاروقی انکل......'' اس نے مسکرا کر کہا فاروقی صاحب اور حسن جانے کے لیے اٹھے تو اس نے حسن کو روک لیا۔
''سن جسٹ اے منٹ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے......''
فاروقی صاحب کے اٹھتے قدم پل بھر کو رکے تھے مگر پھر وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔
''مجھے لگتا ہے حسن تم کچھ کہنا چاہتے ہو مگر کہہ نہیں پاتے......''
حسن نے تحیر سے اپنے ہینڈسم باس کو دیکھا جو صرف وجاہت میں ہی نہیں ذہانت میں بھی یکتا تھا۔
''ڈر لگتا ہے سر بی کوز مجھے جاب کی اشد ضرورت ہے......''

''واٹ ڈو یو مین.....''

''تھنگ سر.....''

''تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو.....''

''آئی نو سر مگر پھر بھی شاید میں کچھ نہ کہہ پاؤں.....'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''او کے.....آپ جا سکتے ہیں.....''

''جی سر.....'' حسن جانے کو مڑا مگر پھر پلٹا۔

''اتنا ضرور کہوں گا کہ ہمیں ضرورت سے زیادہ بھروسہ کسی پر بھی نہیں کرنا چاہیے.....''

شانی مزید سوال کرتا اس کی بات پر مگر تب ہی سعد ملک انٹر ہوا تو حسن بھی چلا گیا اور وہ اٹھ کر سعد سے گلے ملنے لگا۔

''کیسے ہو.....؟''

''فٹ فاٹ تم سناؤ.....آج صدیقی انکل کی چیئر پر تمہیں دیکھ کر عجیب سا لگ رہا ہے۔''

''ابا جانی آج نہیں آئے ریسٹ کر رہے ہیں اب اکثر ہی انہیں بلڈ پریشر اور چسٹ پین کی شکایت رہنے لگی ہے۔''

(یہ درد تو زینب شیراز انہیں تحفے میں دے گئی تھی اس دن کے بعد سے ہی ابا جانی بیمار رہنے لگے تھے)

اپنی سوچ پر وہ لب بھینچ گیا۔

''اللہ پاک انہیں صحت کاملہ عطا کرے.....''

''آمین.....''

''میں تمہارے کانٹریکٹ پر ہی کام کر رہا ہوں ابھی کچھ دیر فاروقی انکل سے یہ ہی ڈسکس کر رہا تھا.....''

''ہوں.....''

سعد نے سر ہلایا پھر پرسوچ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''آئی ایم سوری ذیشان مجھے کہنا نہیں چاہیے مگر تم لوگ فاروقی صاحب پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ نہیں کرتے.....''

شانی چونکا ابھی کچھ دیر قبل حسن اسے جو جملہ کہہ کر گیا تھا وہ اب تک ذہن سے چپکا ہوا تھا اور اب سعد ملک نے بھی وہ ہی بات کی فرق تھا تو صرف اتنا کہ حسن نے کسی کا نام نہیں لیا تھا بی کوز وہ ڈرتا تھا.....

''فاروقی انکل ہمارے بہت پرانے ایمپلائی ہیں۔ سعد ملک اور ابا جانی ان پر بہت ٹرسٹ کرتے ہیں۔ بہت اچھے سے وہ ہمارا ساتھ دے رہے ہیں.....'' ذیشان نے وضاحت کی۔

''اچھی بات ہے دراصل مجھے لگتا ہے اس دور میں جہاں اپنا خون بھی ناقابل اعتبار ہو گیا ہے ایک ایمپلائی پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے بہر حال یہ تم لوگوں کا پرسنل معاملہ ہے.....میں تو صرف رائے دے سکتا ہوں۔'' سعد نے مسکرا کے وضاحت کی ذیشان کا ذہن الجھا تھا مگر اس نے ظاہر نہ کیا۔

''تم سناؤ کراچی کیسے چکر لگا.....''

''دراصل میری چھوٹی سسٹر کب سے آنے کا کہہ رہی تھی مگر ہر بار ہی کوئی پرابلم آڑے آ جاتی مگر اس بار میں

نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ سو اسے ہی لے کر آیا ہوں.....''

''گڈ مطلب فیملی کے ساتھ آئے ہو.....''

''اچھا چلو پھر لنچ کرتے ہیں اکٹھے.....''

شانی نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا سعد ملک سے اس حد تک تو بے تکلفی تھی عمر کے فرق کے باوجود وہ اچھے دوست بنتے جا رہے تھے۔

''سچ دل کی بات کہہ دی مجھے بھی بھوک لگی ہے۔''

''او کے پھر فوراً چلتے ہیں.....''

چیئر سے اٹھتے ہوئے وہ بشاش لہجے میں بولا تھا۔ سعد ملک نے بھی فوراً کرسی چھوڑ دی۔

☆☆☆

اثبار احسن کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا امی نے ابرار احسن کو دل سے معاف کر دیا تھا اور اریشہ بھابی کو بھی قبول کر لیا تھا۔ زندگی جیسے یکدم ہی خوشگوار ہو گئی تھی۔ اریشہ بھابی کا مزاج بھی ہنی جیسا ہی تھا۔

یہ ہی وجہ تھی کہ چند دن میں وہ سب میں گھل مل گئیں اور خود کو اچھے سے ایڈجسٹ کر لیا۔

ارم اور کرن کی بھی انہی دنوں ڈیٹ فکس ہوئی تھی۔ گھر میں تیاریاں زوروں پر تھیں ایسے میں جب وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ اریشہ بھابی کی آمد اس کے لیے بہت کار آمد تھی۔ شادی کی ساری ذمہ داری اس پر تھی اوپر سے اربد، اریشہ بھابی اس کی حالت دیکھتی تھیں انہوں نے گھر کے ڈیلی روٹین کے تمام کام اپنے ذمے لے لیے تو ہنی کو سہولت ہوئی۔

رابعہ بیگم بھی دونوں بہوؤں کے سلوک اور گھر کی تمام ذمہ داریوں کے احسن طریقے سے سنبھالنے سے بہت مطمئن تھیں۔ پھر بھی انہیں احساس تھا کہ ہنی پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ہے اور وہ کوشش بھی کرتی تھیں کہ اس کے ساتھ کچھ ہیلپ کرا سکیں..... ابھی تو شاپنگ کا آغاز ہوا تھا دو دو لڑکیوں کے جہیز کا معاملہ تھا بھلا اتنی جلدی کہاں خریداری مکمل ہونی تھی۔ وہ ہنی کے ساتھ خود بازار جاتیں سارا سارا دن ان کا گھومتے گزر جاتا پھر گھر آ کر شام کا کھانا بنانا کیونکہ شام کا کھانا بنانا اسی کی ذمہ داری تھی۔ اس کے شوہر اور سسر کو صرف اس کے ہاتھ کا سالن پسند تھا اور پھر اربد الگ اسے چکرائے رکھتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بیمار ہو گئی.....

''حد ہو گئی ہنی تم تو ہر چیز کو سر پر سوار کر لیتی ہو۔ تقریباً دو ماہ باقی ہیں اور تم نے یوں خود پر سوار کر لیا جیسے شادیاں اسی ہفتے ہوں.....''

اسے میڈیسن دلوانے کے بعد گھر آتے ہی اثبار نے اس کی کلاس لی تھی۔ اس کی بیماری پر وہ یوں ہی اکثر جھنجھلا جاتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہنی کے بیمار ہونے سے سارے گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا تھا۔

تب ہی اکثر وہ اس کی جلد بانوی اور بے جا مصروفیت پر ٹوکتا رہتا تھا۔

رابعہ بیگم جیسے خود شرمندہ سی ہو گئیں انہیں شدت سے احساس ہوا کہ اثبار نے ہنی کو ان کی وجہ سے ڈانٹا ہے..... ذمہ داریاں تو انہوں نے ڈالیں تھیں۔

''بہو کی غلطی نہیں ہے بچے میں نے اسے یہ تمام معاملات سنبھالنے کا کہا تھا مجھے احساس کرنا چاہیے تھا کہ ہنی کے ساتھ اربد بھی ہے.....''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے امی...... آپ نے اسے ذمہ داری دی بہت اچھا کیا مگر یہ تمام کام دھیرے دھیرے ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پاس کافی ٹائم ہے...... یہ تو بس دنوں کا کام گھنٹوں میں ختم کرنا چاہتی ہے......''
''ایسے نہیں کہتے بیٹا یہ اس کی ذمہ دارانہ طبیعت ہے جو اسے سکون سے بیٹھنے نہیں دیتی مصروف رکھتی ہے۔ تمہیں اس کا احساس کرنے کے بجائے الٹا اسے ڈانٹنے لگتے ہو انسان ہے یہ بھی......''
انہوں نے اثبار کو احساس دلایا۔
''ہنی تم جا کر ریسٹ کرو بیٹا......'' انہوں نے پیار سے ہنی کو حکم دیا۔
''اثبار تم بہت غصہ کرنے لگ جاتے ہو ہنی پر......''
''ابرار بھائی جب وہ بیمار ہو جاتی ہے ناں مجھے کوفت ہوتی ہے۔''
''وہ تو ہو گی اپنے تمام کام خود جو کرنے پڑ جاتے ہیں۔ زیادتی تو تم بھی کرتے ہو اس کے ساتھ......''
اب جبکہ اریشہ نے کچن سنبھالنے کی ذمہ داری لی تو تمہیں اعتراض ہوا کہ کھانا ہنی بنائے گی۔ حالانکہ شام کے وقت میں اریدا اتنا اسے تنگ کرتا ہے اوپر سے کچن کے کام اس کی مت ماری جاتی ہے...... تم سے تو اپنے کپڑے تک الماری سے نہیں نکلتے وہ بھی تمہیں واش روم میں ریڈی چاہیے ہوتے ہیں۔''
امی بولیں تو اسے شرمسار کر گئیں۔ حقیقت ہی بیان کر رہی تھیں...... اسے ہنی کی اس قدر عادت ہو گئی تھی کہ وہ خود سے تو کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔
'جا کر دیکھو اسے اریدا اسے سکون سے لیٹنے بھی نہیں دے رہا ہو گا۔''
امی کے کہنے پر وہ اٹھ گیا تھا اور پشیمان بھی تھا۔

☆☆☆

ابا جانی نے آج محسن کو اپنے کمرے میں اسپیشلی بلوایا تھا۔ جانے ایسی کیا بات تھی؟
وہ سب باہر سٹنگ روم میں تھے۔ شانی آفس سے آیا تو اماں جانی نے اسے بتایا اور وہ فوراً ہی محسن سے ملنے ابا جانی کے روم کی طرف بڑھا تھا۔
''مجھے آپ کا ہر فیصلہ بخوشی قبول ہے ماموں جانی...... آپ کی خواہش سر آنکھوں پر......''
''تم نے میری خواہش کا احترام کر کے میرا مان بڑھا دیا ہے محسن...... مجھ سے وعدہ کرو بچے کہ اگر مجھے کچھ ہو جائے تو تم میرے بچوں کو تنہا نہیں چھوڑو گے ان کے سر پر ہاتھ رکھو گے......''
آصف صدیقی نے اس کی روح لرزا دی۔
''اللہ آپ کو سلامت رکھے ماموں جانی ایسی باتیں مت کیجئے......''
محسن نے بات ادھوری چھوڑ دی شانی ہلکے سے ناک کرتا اندر آیا تھا۔
محسن سے مل کر وہ ابا جانی کے پاس آ بیٹھا۔
''کیسا فیل کر رہے ہیں اب آپ......؟''
''بہت اچھا''
شانی کا چہرہ ان کے دل کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا انہیں اپنے بیٹے سے ماضی قریب میں جو بھی گلہ رہا وہ اب تمام کے تمام دور جا سوئے تھے۔ اس کی ذہانت ذمہ داری اور سمجھداری کے ساتھ ساتھ اس کی کمٹ منٹ اور پابندی کی

پاکستانی ڈائجسٹ وقار اعظم

تعریف بھی وہ اپنے حلقہ احباب سے کئی بار سن چکے تھے۔ انہیں بہت مان و بھروسہ تھا شانی پر۔

''تم کیسے ہو محسن.....؟'' اس نے خلوص سے پوچھا۔

''اچھا ہوں''

محسن نے مسکرا کر جواب دیا..... ان کے گھر آنا تو شانی بالکل ہی چھوڑ چکا تھا۔ امی اسے بہت یاد کرتی تھیں مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ شانی اپنی جگہ ٹھیک ہے.....

محسن خود ہی ان سے ملنے آجاتا تھا کبھی کبھار امی کو بھی لے آتا مگر شانی سے ان کی ملاقات بہت کم ہو پاتی تھی۔

''مجھے اجازت دیں ماموں جانی.....'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو ناں کھانا کھا کے جانا۔''

''ارے نہیں بھئی میں آفس سے سیدھا آیا ہوں امی منتظر ہوں گی وہ پریشان ہو جاتی ہیں.....'' وہ ماموں اور شانی سے مل کر باہر نکل آیا۔

''خیریت تھی ابا جانی آپ نے محسن کو بلایا تھا۔'' وہ اب ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہوں ضروری بات کرنی تھی.....'' انہوں نے جواب دیا۔

اور شانی مزید نہ پوچھ سکا کہ کیا بات تھی۔

☆☆☆

عمیر آج کل ضرورت سے زیادہ ہی خوش رہنے لگا تھا۔

افشین ہی نہیں، اماں جانی بھی نوٹ کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے ہیرو کہاں کی تیاری ہے؟''

وہ تیار ہو کر بائیک کی چابی ہاتھ میں تھامے باہر جانے کو تیار تھا۔ جب شانی نے پوچھا۔

''آفس کی طرف جا رہا ہوں۔''

''ہائیں تم روز ہی آفس کی طرف نہیں جانے لگے حالانکہ اسامہ سے اتنی گہری دوستی کے باوجود میں نے کبھی شانی کو تو وہاں اتنا جاتے نہیں دیکھا.....'' افشین ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

''تو تمہیں کیا اعتراض ہے.....!''

''عمیر ان کی طرف گیسٹ آئے ہوئے ہیں ایسے میں روز تمہارا مجھے ان کی طرف جانا اچھا نہیں لگتا۔''

''ان کے لیے ہی تو جاتا ہوں میں اماں جانی.....''

اس نے صاف انداز میں اقرار کر کے ان تینوں کو حیران کر دیا۔

''اماں وینی میری بہت اچھی دوست بن گئی ہے اور نوید بھائی سے بہت اچھی باتیں ہوتی ہیں اماں پلیز جانے دیں پرسوں تو وہ واپس چلے جائیں گے۔'' عمیر اماں جانی کے پاس آبیٹھا۔

''فرینڈ ہے یا.....!''

''صرف دوست وہ بھی بہت اچھے والی.....''

اس نے شانی کو گھورا جو شوخی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور ئیلی.....''
''تمہاری سوچ ہی خراب ہے۔'' عمیر نے اس کے دیکھنے پر لتاڑا۔
''کیا خیال ہے اماں جانی میں آج جا کر اس کی دوست سے شرف ملاقات نہ حاصل کرلوں۔''
''بصد شوق مجھے خوشی ہوگی۔'' عمیر بری طرح چڑ گیا۔
''شانی بچے تنگ نہ کرو عمیر تم جاؤ اور ہاں ڈنر سے پہلے آجانا.....''
''کوشش کروں گا اماں جانی.....'' وہ چڑانے والے انداز میں شانی کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ شانی سر جھٹک کر مسکرانے لگا تھا۔
عمیر واقعی ڈنر پر نہیں تھا ابا جانی نے پہلا سوال یہ ہی کیا۔
''عمیر کہاں ہے.....؟''
''فاخرہ کی طرف گیا ہے.....''
''اچھا.....''
ابا جانی کا موڈ بہت خوشگوار تھا نوٹس تو سب نے کیا مگر پوچھنے کی ہمت صرف اماں جانی نے کی۔
''آج آپ کا موڈ بہت اچھا ہے۔''
''ہوں..... واقعی آج میں بہت خوش ہوں۔'' ابا جانی نے اعتراف کیا اماں مسکرادیں۔
''شازیہ بیگم آپ کو بھی خوش ہونا چاہیے اللہ رب العزت نے ہمیں ذیشان جیسا بیٹا عطا کیا بزنس کمیونٹی میں ہر شخص شانی کی تعریف کرتے نہیں تھکتا..... فخر سے سر اونچا ہو جاتا ہے ہمارا۔''
آپ کو شاید یقین نہ آئے مگر اس ایک ہفتے میں تین بہت بڑے بزنس ٹائیکون ہمارے پاس خود چل کر آئے ہیں۔
''اچھا کیوں.....؟'' اماں جانی کی خوشی بھی دیدنی تھی۔
''پرپوزل لے کر.....''
پانی پیتے شانی کے ہاتھ سے گلاس گرتے گرتے بچا تھا ابا جانی کی بات پر.....
''اور آج شاہ نواز ہمدانی میرے پاس خود اپنی بیٹی کا پرپوزل لے کر آئے..... بلیومی شازیہ صدیقی آج ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہیں ہے بزنس ورلڈ کا بہت بڑا نام ہے شاہ نواز ہمدانی.....'' شانی ابا جانی کا چہرہ دیکھنے لگا۔

☆☆☆

اتنا تو میرے حال پر احسان کیا کر
آنکھوں سے میرے درد کو پہچان لیا کر
کچھ ساتھ دے سفر میں بہت تھک گیا ہوں میں
کچھ پل ہوں تیرے ساتھ میری مان لیا کر

اسامہ اس کی آنکھوں میں تیرتا اضطراب دیکھ رہا تھا۔ بے چینی اس کی واضح تھی۔
''اور کتنا سمجھوتہ کروں میں اپنے آپ سے..... خود کو مکمل تو ان کی مرضی اور منشا کے مطابق ڈھال لیا ہے..... مگر اسامہ میں خود کا سودا نہیں کرسکتا میری زندگی کوئی بزنس کانٹریکٹ نہیں ہے۔''

''تم کیوں خوامخواہ اتنے ٹینس ہو رہے ہو ابھی تو انکل نے صرف ایک آئیڈیا شیئر کیا ہے بات تو طے نہیں کر دی ناں..... آف کورس وہ تیری خوشی کو مدنظر رکھ کر ہی فائنل فیصلہ لیں گے۔'' اسامہ نے اسے سمجھایا۔

''تو نہیں جانتا ابا جانی کتنا خوش ہیں شاہ نواز ہمدانی کے پرپوزل کو لے کر حال ہی میں ہمارا ان سے کانٹریکٹ بھی ہوا ہے اور اب وہ اپنی اس دوستی کو رشتہ داری میں ڈھالنا چاہ رہے ہیں اور قربانی کا بکرا مجھے بنا رہے ہیں..... یو نو اسامہ جس لڑکی کے لیے ابا جانی میرا سودا کرنا چاہ رہے ہیں اس میں حیا، شرم، پردے اور لباس ہر چیز کی قلت ہے۔ میں ایسی لڑکی کو لمحہ بھر برداشت نہیں کر سکتا اور وہ چاہتے ہیں کہ میں عمر بھر برداشت کروں..... نیور..... اسامہ.....'' اسامہ نے خاموشی سے اس کی تقریر گوش گزار کی۔

''افسوس کی بات ہے شانی انکل تیرا سودا کیوں کرنے لگے.....''

''یار پھر میں کیا کہوں.....؟'' اسے بھی قدرے پشیمانی ہوئی۔

''اسامہ اگر ابا جانی نے ہمارے لیے ایسی لڑکیاں ہی منتخب کرنی تھیں تو یوں ہماری تربیت کرنے کی کیا ضرورت تھی ہمیں بھی اسی ماحول کا عادی بنا دیتے کیوں ہمیں ان سب سے الگ رکھا ہمیشہ.....''

''اف شانی تم تو بس ہر بات کو ذہن پر سوار کر لیتے ہو۔ آئی بلیو کہ انکل ایسا کوئی فیصلہ نہیں کریں گے اور اگر انکل نے سوچا بھی تو خالہ جانی کبھی نہیں مانیں گی وہ ایسی بہو کسی صورت قبول نہیں کریں گی۔'' اسامہ نے اس کے ذہن کے بند دریچے کھول دیئے تھے۔ اماں جانی بھی تو ہیں ناں..... وہ قدرے ریلیکس ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وسعت عشق میں
تنگ دلی کا عالم تو دیکھئے
اک شخص کو چاہنا
فقط اسی کو چاہنا

وہ سعد کو کہتی رہتی تھی کہ اس نے اک لڑکی کی محبت پر دنیا ختم کر دی مگر کوئی خود اس سے پوچھتا سعد ملک نے جسے چاہا کم از کم وہ جیتی جاگتی لڑکی تو تھی۔ وہ تو ذہن میں محض ایک خاکہ بنائے اس کی پوجا کرتی ہے..... روحہ اور نوید اس کا کتنا مذاق اڑاتے ہیں اور سمجھاتے بھی ہیں۔ سعد نے کبھی اس کے خیالات کا مذاق تو نہیں اڑایا تھا مگر اسے وہ سمجھاتا اکثر تھا۔

''دینی یہ ٹھیک ہے کہ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے جیون ساتھی میں اپنی پسند کی تمام عادتیں دیکھنا چاہتا ہے مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا..... ہر انسان میں جہاں خوبیاں ہوتی ہیں خامیاں بھی پائی جاتی ہیں..... اور تم نے ٹوٹل بندہ ہی تصوراتی بنا کر رکھا ہوا ہے ذہن میں..... کیا تمہیں لگتا ہے کہ تمہیں بالکل اپنے تصورات کے مطابق انسان مل پائے گا۔ اس میں وہ تمام خوبیاں ہوں گی جو تم سوچتی ہو.....''

دینی خاموشی سے سعد ملک کو دیکھ رہی تھی اب تو وہ خود بھی مایوس سی ہو گئی تھی۔

''پتہ نہیں.....''

''مگر خواب دیکھنے پر خواہشات رکھنے پر ٹیکس تو نہیں ہے ناں ویرے..... بس میں بھی خواب دیکھتی ہوں میری تصوراتی دنیا بہت خوبصورت ہے.....''

''اور حقیقی زندگی اتنی ہی تلخ اور بدصورت ہے دینی میں نہیں چاہتا میری بہن کا اتنا پیارا دل ٹوٹے تم خدا کے لیے خوابوں میں جینا چھوڑ دو.....اور حقیقت کی آنکھ سے دنیا کو دیکھو.....'' سعد نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''اف او ویرے ساری عمر حقیقت کی تلخیوں میں ہی تو گزارنی ہے پھر کچھ دن سکون سے ان خوابوں کے ساتھ جی لینے دو پلیز.....''

سعد نے سر جھٹکا اس کی بہن کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔

''اچھا بتاؤ کراچی کا ٹور کیسا رہا.....سب سے مل کر کیسا لگا.....''

''بہت اچھا سعد قسم سے سب کتنے نائس تھے وہاں اور تمہیں پتہ ہے عمیر سے تو میری پکی والی دوستی ہوگئی ہے۔''

''مطلب پھر تو میری بہن کو کراچی راس آ گیا ہے.....''

''ہوں.....''

''یہ ہی تو خوبی ہے اس شہر اور وہاں کے لوگوں میں سحر میں جکڑ لیتے ہیں۔کہیں کا نہیں چھوڑتے.....''

سعد ملک کا کھویا کھویا لہجہ دینی کو بھی چپ کرا گیا۔اس کی تو ساری یادیں ہی اس شہر سے وابستہ تھیں۔

☆☆☆

پھوجی کا آنا شاک نہیں تھا ان کے آنے سے تو آشیانہ صدیقی کے مکین خوش ہوتے تھے مگر آج جس مقصد کے لیے آئی تھیں وہ بہت بڑا جھٹکا تھا.....ایک بے یقینی کی صورتحال تھی سوائے آصف صدیقی کے جو خوش دلی سے مسکرا رہے تھے.....اتنا بڑا صدمہ کھانے کے بعد ابا جانی ایک بار پھر.....!

''تم جانتی ہو ناں سائرہ محسن سے میرا لگاؤ میری وابستگی شروع سے ہے۔میں اسے خود سے الگ نہیں کرنا چاہتا مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری خوشی کا احترام کیا.....''

''میری اولاد کی وجہ سے آپ کو جو دکھ ملا بھیا اس کا ازالہ تو میں عمر بھر نہیں کر سکتی لیکن اس رشتے کے جڑنے سے اگر آپ کو خوشی ملتی ہے تو میری روح تک تو سکون مل جائے گا۔اللہ کو منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤں گی۔''

وہ رو پڑیں ان کے اندر سے وہ گلٹی نہیں جاتی تھی جو زینی ان کی زندگی پر مسلط کر گئی تھی۔

''نہیں سائرہ خود کو اس احساس ندامت میں کبھی نہ رکھنا جو ہوا وہ مقدر کا لکھا تھا.....میرا مالک ہم سب کے لیے جو کرتا ہے وہ بہتر کرتا ہے۔میرے دل میں تمہارے لیے کوئی رنجش نہیں ہے۔''

انہوں نے بہن کے سر پر محبت بھرا ہاتھ رکھ کر کہا تو سائرہ رحمٰن کے من کو جیسے شانتی مل گئی تھی۔

''پھر بھیا میں کب آؤں اپنی امانت لینے۔''

''ہوں یہ کی ناں تم نے بات'' وہ مسکرا دیئے۔

''ارے بھئی شازیہ بیگم منہ میٹھا کروائیں سب کا اللہ کے حکم سے ہم اک اور فرض ادا کرنے جا رہے ہیں۔''

شازیہ صدیقی سر ہلاتی اٹھ گئیں ان کے لیے یہ نیوز بالکل انجان تھی مجازی خدا نے ذرا بھی ان سے بات نہیں کی تھی مگر چونکہ نام محسن شیراز کا تھا سو وہ اطمینان سے انتظامات کرنے لگیں۔

''دیکھو سائرہ صاف اور سیدھی بات کروں گا منگنی شاید ہمیں راس نہیں ہے ہم نے بات سمجھوتے کر دی ہے میں اب اپنے فرض کی ادائیگی میں دیر نہیں کرنا چاہتا مل بیٹھ کر تاریخ طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں کتنا وقت درکار ہے تیاری میں بس یہ وقت دنوں پر محیط ہو مہینوں اور سالوں پر نہیں.....''

''بچی کی شادی کا معاملہ ہے آصف..... آپ تو ہمیشہ ہی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کرتے ہیں بھلا دنوں میں تیاری ممکن ہے۔'' شازیہ صدیقی کو مداخلت کرنی پڑی۔

''منی کی دونوں نندوں کی شادی ہے ڈیڑھ ماہ بعد اگر ہم.....''

''آپ کچھ لیٹ کرلیں کم از کم دو ماہ بعد.....'' وہ بولیں۔

''کیا ہوگیا ہے آپ کو جب ایک کام پندرہ بیس دنوں کے اندر ہوسکتا ہے تو دو ماہ کیوں.....؟'' ان کا لہجہ یکدم سخت ہوگیا۔

''سائرہ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

انہوں نے بہن سے بھی دریافت کیا جب بھابی کی بات پر انہیں غصہ آ گیا تھا تو پھر بحث بے کار تھی۔

''نہیں بھیا.....''

''احسن وغیرہ سے پوچھ کر مجھے فون کر دینا کارڈ وغیرہ کا آرڈر کرنا ہے باقی کی تیاریاں تو ہو جائیں گی.....''

''جیسے آپ کی خوشی.....'' سائرہ رحمان نے بات ہی ختم کر دی۔

☆☆☆

لبنیٰ امی جان کو وہ ساری شاپنگ دکھا رہی تھی جو اس نے دن بھر لگا کر کی تھی۔

''ماشاء اللہ ہر چیز پیاری ہے اللہ پاک میرے بچوں کے نصیب اچھے کرے پہننا اوڑھنا نصیب کرے۔''

''آمین.....''

لبنیٰ نے صدق دل سے کہا تھا وہ جانتیں تھیں کہ امی بہت سے وہموں کا شکار رہنے لگی ہیں۔

''اللہ پاک کے ہر کام میں انسان کی بہتری پوشیدہ ہوتی ہے کیا پتہ امی اس ذات پاک نے اسی لیے زینی اور شانی.....''

''میرے سامنے نام مت لیا کرو اس کا لبنیٰ جو ہمارے سر میں خاک ڈال گئی ہے جس نے ماں کی بیوگی کا احساس کیا اور نہ بھائیوں کی آبرو کا کہ وہ کیسے دنیا کا سامنا کریں گے.....'' وہ پھر سے رنجیدہ ہوگئیں۔

''میرے بچے کی تو تمام خوشیاں سب وہ ساتھ لے گئی جس کی خاطر وہ شانی سے لڑ رہا تھا ماموں سے بدتمیزی کر رہا تھا۔ اس نے اپنے بھائیوں کا مان بھی نہ رکھا..... لبنیٰ کیسے مرجھا گیا ہے میرا احسان آج تک وہ بھیا اور شانی کا سامنا نہیں کرسکتا۔''

وہ آبدیدہ سی بول رہی تھیں۔ احسن اور محسن کی لاؤنج میں آمد پر انہوں نے ٹاپک کلوز کر دیا وہ برسوں بعد آنگن میں اتری خوشیوں کو سوگوار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''لبنیٰ جلدی سے چائے پلا دیں پھر مجھے آشیانہ جانا ہے۔'' احسن نے آتے ہی وائف کو مخاطب کیا۔

''خیریت بچے.....''

''جی امی ماموں جانی کا فون آیا ہے کچھ ضروری کام ہے۔ اب ظاہر ہے شادی اتنی جلدی ہے تو تمام انتظامات مل جل کر مکمل ہی ہوں گے..... محسن کی تو انٹری منع ہے ورنہ بھلا ماموں ہمیں کہاں اتنا شرف بخشتے.....'' وہ اپنی بات بھی کر گئے اور محسن کو بھی چھیڑنے لگے جو مسکرا دیا تھا۔

''یہ تو ہے ماموں جانی کے لیے ساری دنیا ایک طرف اور محسن شیراز ایک طرف۔'' لبنیٰ نے بھی حصہ لیا۔

''اب اگر اتنے عرصے میں آپ کو مجھ میں موجود خوبیاں نظر نہیں آئیں تو اس میں میری کیا خطا وہ میرے ماموں ہیں مجھے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔''

''اور ماموں کی بیٹی.....'' لبنیٰ نے شوخی سے کہا۔

''وہ بھی جان لے گی وقت تو آنے دیں۔'' اس نے بھابی کی شوخی کا جواب انہی کے انداز میں دیا۔

''محسن تم خوش تو ہو ناں بچے.....''

جانے کن خدشات کے تحت امی نے پوچھا تھا۔

''امی ابھی بھی آپ کو سٹرفکیٹ نہیں ملا اس کی خوشی کا ذرا چہرہ دیکھیں اس کا کتنے رنگ کھلے ہیں۔'' احسن بھائی نے امی کے وہم دور کرتے ہوئے کہا تو محسن بھی جھینپ سا گیا۔ سائرہ رحمان کے دل میں اطمینان اترنے لگا۔ محسن کے وجیہہ چہرے پر خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

☆☆☆

ایسی بھی کیا جلدی تھی ابا جانی کو جانتے بھی تھے کہ یہاں بھی دو دو شادیاں ہیں کتنی مصروفیت ہوگی ذرا ٹھہر کر ہی رکھ لیتے ڈیٹ.....' ہنی کی الجھن صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

''اماں جانی نے کوشش کی تھی بات کرنے کی مگر تم تو جانتی ہو ناں ابا جانی کو..... یکدم گرم ہو گئے اماں اور پھوجی دونوں کو ہی خاموش ہونا پڑا.....'' شانی نے اسے وضاحت دی۔

''مگر اب یہ سب کیسے ہوگا ہزاروں کام بکھرے پڑے ہیں میں اپنا گھر بھی تو نہیں چھوڑ سکتی ناں..... امی کا بلڈ پریشر تو ذرا سی دیر میں ہائی ہو جاتا ہے۔ تنہا ان پر بھی میں اتنا برڈن نہیں چھوڑ سکتی.....' ہنی ڈسپریشن میں آ گئی۔

''اوکے میں اماں کو کہہ دوں گا..... اب میں فون بند کرتا ہوں.....'' شانی نے لائن کاٹ دی۔

''ارے..... تم کیوں اتنی بے وقوفی کی باتیں کر رہی تھیں کیا سوچے گا شانی کہ ذرا سا وقت پڑا تو ہماری بہن ہی ہاتھ پاؤں پھلا کر بیٹھ گئی..... حد کرتی ہو تم بھی.....'' رابعہ بیگم نے سر تھاما۔

''شکر ہے اللہ کا ہماری تقریباً آدھی تیاری مکمل ہو گئی ہے اور ابھی تو مہینہ باقی ہے تم افشین کی شادی بخوبی نمٹا کر بھی تیاری کر سکتی ہو۔ ایسی بھی کوئی افتاد نہیں آئی تھی تمہاری اماں کو کتنا برا لگا ہوگا۔' ہنی کو اب احساس ہوا تھا کہ واقعی وہ کتنی اجنبیت سے شانی سے مخاطب ہوئی تھی۔

''اچھا اب ٹینشن لینے سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تم آج کے دن میں جتنا کام ہوتا ہے سمیٹ لو..... کل سویرے اثیار تمہیں آشیانہ چھوڑ آئے گا۔''

''امی ابا جانی نے بھی بالکل اچانک ہی اتنا بڑا فیصلہ لیا ہے..... مجھے تو پریشان ہونا ہے ناں..... جو بات گماں تک میں نہ ہو..... بھلا پندرہ دن میں بھی تیاریاں ہوتی ہیں.....''

''ہو جاتی ہیں..... اگر ذہن کو فریش رکھ کر کی جائیں مگر تم تو ہزاروں الجھنیں بڑھا لیتی ہو.....'' امی بولیں تو وہ چپ ہو گئی۔

کیا واقعی ان کے اندر اتنی عجلت آ گئی تھی وہ اپنا موازنہ کرنے لگی۔

☆☆☆

''فاروقی تم جانتے ہو ہم کس قدر مصروف ہیں آج کل اس لیے چند دن تک آفس کی تمام تر ذمہ داری تم پر

ہے.....'' ابا جانی فاروقی انکل کے ساتھ ڈسکشن کر رہے تھے۔
''سر آپ بے فکر رہیں انشاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی''
''انکل میں انشاء اللہ ایک دو گھنٹے کے لیے ضرور آؤں گا۔ تاکہ آپ کو زیادہ پریشانی نہ ہو۔''
حالانکہ گھر میں کام ہزاروں تھے مگر جانے کیوں حسن اور پھر سعد ملک نے باتیں کیں وہ کہیں نہ کہیں اس کے ذہن سے چپک گئیں تھیں اور وہ اب فاروقی انکل کو ضرورت سے زیادہ واچ کرتا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ فاروقی انکل پر وہ مکمل توجہ رکھے۔
''شانی بچے تم میچ کرلو گے اتنے کام ابھی باقی ہیں۔'' ابا جانی نے پوچھا۔
''آئی ہوپ ابا جانی میں کرلوں گا.....'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''سر مجھے اجازت دیں.....'' فاروقی صاحب فائلز سمیٹ کر اٹھنے لگے۔
''ارے نہیں بھئی کھانا کھا کر جانا.....'' آصف صدیقی نے انہیں روکا مگر جلدی میں تھے معذرت کر کے چلے گئے۔
''شادی کے کارڈز کا کیا بنا شانی.....''
''ابا جانی عمیر اور اسامہ وہ ذمہ داری سے کر رہے ہیں'' اس نے تسلی دی۔
''دیکھ لو کوئی رہ نہ جائے بچے ہیں بعد میں کسی کی شکایت نہ ملے۔''
''نہیں انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا ابا جانی.....''
''ہوٹل تو کنفرم ہے اب.....''
''جی ابا جانی.....''
''حد ہوگئی شانی بہنوں کو ایسے بھی کوئی فون پر اطلاع دیتا ہے بھلا تمہیں چاہیے تھا اسے جا کر لے آتے.....'' شازیہ صدیقی جھلا رہی تھیں اکیلے اتنے کام سنبھالنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔
''میں نے تو انفارم کرنے کے لیے فون کیا تھا مگر محترمہ نے تقریر ہی شروع کر دی مجھے کال کاٹنی پڑی۔'' اس نے بتایا۔
''وہ بھی تو گھن چکر بن کر رہ گئی ہے بھلا دو دو نندوں کی شادی ہے اور ساری ذمہ داری اس پر ہے اسی لیے تو.....'' وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئیں۔
''خیر..... آصف میں اور عمیر ہنی کو لینے جا رہے ہیں اس کی سسرال کو انوائٹ بھی کرنا ہے.....''
بہنوں کے حق ہوتے ہیں گھر کی پہلی خوشی ہے کیا کہے گی اس کی ساس کہ فون پر اطلاع دے دی۔''
''آپ لے آئیں ہنی کو.....'' آصف صدیقی نے کہا۔
''اور شانی تم اپنی آنی کی طرف جاؤ انہیں اور فریال کو لے آؤ.....''
''میں گیا تھا آنی اور فریال صبح آئیں گی اسامہ کے ساتھ آنی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''
''اچھا ٹھیک ہے.....''
وہ چادر سنبھالتے ہوئے بولیں پھر عمیر کو دیکھنے لگیں جو شاید باہر ان کا ہی منتظر تھا۔

☆☆☆

آشیانہ صدیقی کی رونق عروج پر تھی کتنے عرصے بعد یہاں خوشی لوٹی تھی۔ ہر سو گونجتی ہنسی کی جلترنگ اور شور و ہنگامے نے چار چاند لگا دیئے تھے گھر کی رونق کو ہنی نے آ کر بہت حد تک تمام کام سنبھال لیے تھے اربد کو تو عمیر ہی رکھتا تھا سو اسے یہ فکر بھی نہ تھی کہ اربد تنگ کرے گا۔ فریال اور طوبیٰ نے بھی آ کر اس کی بہت ہیلپ کی تھی۔ اماں جانی کو اس کے آنے سے بہت سکھ سا ملا تھا۔

''افشین کہاں ہے.....؟'' فریال نے کافی دیر سے اسے نہیں دیکھا تھا۔

''کچن میں ہے.....''

''کیا.....؟'' ہنی کا پارہ ہائی ہو گیا۔

''حد ہو گئی ہے یہ چار دن رہ گئے ہیں اب بھی وہ کچن میں ہے.....''

''تمہارے لاڈلے بھائی کا حکم ہے چائے کا.....''

''آگ لگے اس کی چائے کو..... شانی بھی ناں.....'' شادی تو شانی کی ہونی چاہیے تھی تاکہ اس کی عقل ٹھکانے آتی فریال تم افشین کو کمرے میں بھیجو اور اس کے لیے چائے بنا دو.....''

''او کے.....''

''تم نے چائے پینی تھی مجھے کہہ دیتے دو چار دن کی مہمان ہے وہ اب تو اسے سکون سے بیٹھنے دو'' وہ کپ اس کے سامنے پٹختے ہوئے بولی۔

''شور سنا ہے تم نے نیچے..... میرا سر پھٹنے لگا تھا درد سے۔ اتنا ہنگامہ.....''

نیچے لڑکیوں نے ڈھولکی رکھی ہوئی تھی۔

''ہاں تو شادی ہے گھر میں..... شور تو ہو گا ناں.....'' وہ پسلیوں پر ہاتھ جمائے اسے گھورنے لگی۔

''اچھا ناں میری ماں آئندہ کچھ نہیں کہوں گا'' شانی نے ہاتھ جوڑے۔

''چائے پی کر افشین کے لیے پھولوں کا زیور لا دینا اٹھن کی رسم کے وقت ہمیں ضرورت ہے۔''

''او کے..... اثبار بھائی کب آئیں گے..... قسم سے ہماری تو کسی کو فکر ہی نہیں ہے..... شادی اگر محسن کی نہ ہوتی ناں تو فکر ہی نہیں تھی وہ تو خود سنبھال لیتا سب.....''

''میں نے فون کر دیا ہے انہیں شام میں آ جائیں گے..... اور پلیز تمہارے پاس ٹائم ہو تو میرے ساتھ ذرا مارکیٹ چلنا.....''

''عمیر کو لے جاؤ.....'' اس نے صاف منع کیا۔

''قسم سے ہنی ٹائم نہیں ہے.....'' اس کے گھورنے پر وہ التجا کرنے لگا.....

ہنی کو شاید بہن پر ترس آ گیا تھا او کے کہہ کر چلتی بنی.....

☆☆☆

مہندی کی رسم کے بعد جب وہ افشین کے پاس آ کر بیٹھا تو یہ احساس شدت اختیار کر گیا کہ اب وہ بھی نی کی طرح مہمان بن کر بھاگتے دوڑتے ہی ان سے ملنے آیا کرے گی اتنے دنوں میں مصروفیت میں شاید س کی سوچیں اس طرف نہ جا سکیں تھیں۔ مگر اتنا تو طے تھا کہ اب وہ پہلے کی طرح نہ رہا تھا جیسے کہ ہنی کی شادی پر تھا..... ان دو ڈھائی سالوں میں ذیشان احمد صدیقی کی پوری شخصیت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ افشین

کا اداس چہرہ دیکھ کر اس کا دل بھی تڑپا تھا۔ مگر پھر اسے اماں کی وہ بات یاد آ گئی جو انہوں نے ہنی کی شادی پر اسے کہی تھی لڑکیاں تو چڑیوں کی مانند ہوتی ہیں ماں باپ کے گھر اپنا دانہ دنکا پورا کرتی ہیں اور پھر اڑ جاتی ہیں.....

افشین کا بھی دانہ دنکا پورا ہو چکا تھا شاید..... اتنی جلدی میں سب کچھ ہوا تھا کہ وہ بے چاری بھی سمجھ ہی نہ پائی مگر اگلے دن جب نکاح نامے پر سائن کرنے کا وقت آیا تو کئی لمحے اس کے ہاتھ ٹھہر گئے ماں باپ اور بھائیوں سے دوری کے احساس نے اس کی آنکھیں نم کر دیں۔

''افشین سائن کرو.....''

اثبار بھائی کا شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہرا تھا اس کے حلق میں جیسے کچھ پھنس گیا بمشکل خود کو باز رکھتے ہوئے وہ لرزتے ہاتھوں سے سائن کرنے لگی مگر خاموش پانی پر بند نہ باندھ سکی جو پلکوں کی باڑھ توڑ کر چہرے پر پھسلنے لگا۔

''ارے تم رو رہی ہو.....''

بس اس کی برداشت ختم ہوگئی وہ اثبار بھائی کے کندھے سے لگ کر رو دی۔

''تم اگر یوں ہی روتی رہیں تو محسن اسٹیج چھوڑ کر بھاگ جائے گا تمہاری صورت دیکھ کر.....''

''اور کیا ساری محنت خاک میں ملا دی بے چاری بیوٹیشن کی.....''

عمیر بھی اس کے پر سر کھڑا ہو گیا۔ افشین نے شاکی نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔

''اچھا بس کر دو ناں اماں نے دیکھ لیا ناں تو ان کی طبیعت خراب ہو جائے گی اور وہ تمہارا بھائی جو خود کو اسٹون مین بنائے رات سے آنکھوں میں پانی لیے گھوم رہا ہے تمہیں دیکھ کر تم سے پہلے رونے بیٹھ جائے گا۔'' عمیر نے اسے سمجھایا۔

''میں جان بوجھ کر نہیں رو رہی خود بخود آنسو بہہ رہے ہیں۔''

افشین نے ہاتھ سے آنسو صاف کرنے چاہے تو ہنی نے فوراً ہی اس کے ہاتھ پر تھپڑ مار کر روکا اور پھر ٹشو سے اس کا چہرہ صاف کیا جو میک اپ خراب ہوا تھا وہ درست کیا۔

''اب اگر تم نے رونے کی کوشش بھی کی ناں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''تم سے برا اس وقت کوئی ہے بھی نہیں ظالم انسان'' افشین نے بھینچے بھینچے انداز میں رائے دی۔

مگر رخصتی کے وقت ہنی کی دھمکی بھی کارآمد نہ ثابت ہوئی وہ ابا جانی سے لپٹ کر بری طرح رو دی۔ خود ہنی بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر پائی تھی۔

☆☆☆

میڈ رکھنے کا تو آشیانہ میں رواج ہی نہ تھا خاص کر کچن تو گھر کی خواتین خود ہی سنبھالتی تھیں۔

''فل ٹائم میڈ بھی افشین کی کمی کو پورا نہیں کر سکتے.....''

''پھر کیا کروں.....''

ابھی تو دوسرا ہی دن تھا افشین کو گئے کہ اس نے سر تھام کر دہائی دی۔

''اماں مجھے چائے پینی ہے.....''

لاچار شازیہ صدیقی نے خود اسے چائے بنا کر دی۔
''اب تک نیند پوری نہیں ہوئی ان سب کی.....'' وہ چائے پیتا ہوا بولا۔
''اتنے دن کی تھکن ہے بچے سونے دو.....تم کیوں اٹھ گئے ریسٹ کرتے.....''
''مجھے آفس جانا ہے اماں جانی.....'' وہ بہت ذمہ داری سے بولا۔
''پھر خالی پیٹ چائے کیوں انڈیل رہے ہو میں ناشتہ بنا دوں.....''
''رہنے دیں وہیں کچھ کھا لوں گا۔''
اس نے سہولت سے منع کر دیا اور تیار ہو کر آفس آ گیا۔ حسن کو ذیشان کی پابندی بہت اٹریکٹ کرتی تھی۔
''شاہ نواز ہمدانی والے کانٹریکٹ کا کیا بنا حسن.....''
''فاروقی صاحب اور سر.....'' وہ چپ ہو گیا۔
''چپ کیوں ہو گئے.....''
''تھنک سر میرا خیال ہے کہ اس پر ہی کام ہو رہا ہے ان فیکٹ شاہ نواز ہمدانی والا پروجیکٹ فاروقی صاحب دیکھ رہے ہیں مجھے انہوں نے منع کر دیا ہے کہ میں اس میں مداخلت نہ کروں.....''
''وائے.....''
''سر کا حکم ہے.....''
حسن نے مؤدب انداز میں کہا.....شانی خاموش ہو گیا۔ جتنے قابل اعتبار فاروقی صاحب تھے حسن بھی اس کے لیے اتنا ہی قابل اعتبار تھا.....پھر ابا جانی کیوں حسن کے ساتھ اس طرح بی ہیو کرتے ہیں۔
''او کے فائن.....''
حسن کے جاتے ہی شاہ نواز ہمدانی آ گئے اچانک ان کی آمد شانی کے لیے حیران کن تھی۔
''کیسے ہو بیٹا.....!''
''فائن انکل.....آپ کیسے ہیں.....!''
''الحمدللہ ٹھیک ہوں.....''
وہ شانی پر نگاہ جمائے بولے.....شانی کو فت محسوس کرنے لگا۔
''صدیقی صاحب سے ملاقات کرنی تھی۔''
''ابا جانی تو آج نہیں آئیں گے.....''
رات ہی تو وہ ابا جانی سے ملے تھے ہوٹل میں اب جانے ایسا کیا خاص کام پڑ گیا کہ بنا اطلاع چلے آئے ابا جانی جتنا انہیں پسند کرتے تھے شانی کو ان سے اتنی چڑ تھی.....

☆☆☆

محسن اس کے لیے کوئی انجان شخص نہیں تھا بچپن سے اب تک وہ ساتھ رہ کر بڑے ہوئے تھے بہت اچھا دوست ثابت ہوا تھا وہ ان کا ہر مشکل، ہر دکھ میں ان کے ہمراہ ہوتا.....افعان فرید کے معاملے میں وہ اس کے ساتھ رہا کتنی ہی بار وہ محسن کے کندھے پر سر رکھ کر روئی تھی۔ افعان کے ہرٹ کرنے پر.....
وہ یہ بھی جانتی تھی کہ محسن ہنی کو کس شدتوں سے چاہتا تھا اس کے من کے کسی کونے میں یہ احساس بھی تھا کہ شاید

محسن نے ابا جانی کی وجہ سے یہ شادی کی ہو..... لیکن محسن کے چہرے پر جھلکتی خوشی سے اس کا یہ احساس بھی دور جا سویا تھا وہ مطمئن سی ہوگئی تھی۔

محسن کا محبت بھرا رویہ اس کے سارے وہم دھو گیا..... اور اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان اور بے پایاں خوشی ولیمے میں سب کو نظر آئی تھی وہ بنی سے بھی بہت گرم جوشی سے ملی تھی۔

''تم خوش ہو ناں افشین.....''

''بہت خوش ہوں.....''

اس کی آواز سے خوشی جھلک رہی تھی۔

''یعنی ابا جانی نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے ناں..... ہمیں تو نہیں پتہ ہوتا افشین کہ مقدر میں کیا درج ہے مگر رب کے فیصلے آنے والے وقت کے ساتھ ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ ہم بے صبرے اور غلط تھے اس کا ہر فیصلہ ہمارے حق میں بہترین ہوتا ہے۔ ہم افعان فریدی کے باعث کتنی اذیت میں رہے۔ مگر دیکھو اللہ پاک نے تمہارے نصیب میں محسن شیراز جیسا بہترین انسان لکھا تھا..... ہمیشہ خوش رہو بہنا''

اس نے افشین کا چہرہ چومتے ہوئے دعا دی تھی۔

''یہ چوری چھپے کس کی برائیاں ہو رہی ہیں دونوں بہنوں میں.....''

''آف کورس تمہاری..... میں افشین سے پوچھ رہی تھی کہ تمہاری کوئی شکایت ہے تو بتا دے..... مجھے نہیں پتہ تھا افشین کو تم سے اتنی ساری شکایات ہیں.....'' بنی نے محسن کو ڈرایا۔

''امپاسبل.....'' محسن نے نفی میں سر ہلایا۔

''میری وائف کو مجھ سے کمپلین ہو ہی نہیں سکتی.....''

''اُف او اتنا اعتماد..... صرف ایک دن میں.....''

''یونو حریم اثبار احسن! اعتبار ہر رشتے کی بنیاد ہوا کرتا ہے..... بنا اعتماد کے تو رشتے نہیں چلتے.....''

''جناب میں تو بھول ہی گئی تھی کہ افشین کے شوہر کے روپ میں کوئی اور نہیں محسن شیراز میرے سامنے کھڑا ہے۔'' بنی نے سر پیٹا۔

''اینی وے..... مذاق کر رہی تھی خوش رہو تم دونوں اللہ پاک بے پناہ خوشیاں تمہیں عطا کرے.....''

''آمین ثم آمین.....''

اب مجھے اجازت ہے میں اپنی شریک حیات کے پاس بیٹھ سکتا ہوں۔

''ضرور بیٹھو ہم نے کب منع کیا ہے''

بنی نے ہاتھ پکڑ کر اسے افشین کے ساتھ تو بٹھایا تھا اور خود اردگرد کو دیکھنے سٹیج سے اتر گئی۔

☆☆☆

افشین صرف ایک دن کے لیے آئی تھی ولیمے کے بعد اور وہ گئی تو بنی نے بھی تیاری باندھنی شروع کر دی۔ اماں جانی روکنے کے حق میں نہیں تھیں کیونکہ وہ جانتیں تھیں کہ ان کے اپنے گھر میں بھی شادیاں ہیں البتہ ذیشان کو بنی کا اتنی جلدی جانا ناگوار گزر رہا تھا۔

''میرا پیارا بھیا قسم سے یہ شادیاں ہو جائیں پھر جتنے دن کے لیے کہے گا میں رہنے آجاؤں گی..... ابھی میری

مجبوری ہے۔''

''ڈھائی سال ہو گئے تیری مجبوریاں کبھی ختم ہی نہیں ہوتیں..... بعد میں پھر وہ ہی ناٹک شروع کر دو گی اثبار نہیں چھوڑتے..... حقیقت میں تم لڑکیاں خود بدل جاتی ہو شادی کے بعد.....''

''بدلنا پڑتا ہے جانو اور تمہیں یہ بات سمجھ میں تب آئے گی جب بیوی لے آؤ گے پھر دیکھوں گی کیسے روز اسے میکے لے کر جاؤ گے۔'' شانی سر تھام کر رہ گیا۔

''ہو گئی شروع تقریر..... اماں جانی آپ کو نہیں لگتا کہ یہ وقت اور عمر سے پہلے ضرورت سے زیادہ بڑی ہو گئی ہے۔''

''شادی کے بعد ہر لڑکی کو بڑا ہونا پڑتا ہے بچے..... ذمہ داریاں سر پر پڑ جائیں تو انسان خود بخود بڑا ہو جاتا ہے۔'' اماں اسے سمجھانے لگیں۔

''چلو عمیر بھئی میں تیار ہوں.....''

''اثبار بھائی نے کہا بھی ہے کہ شام تک ویٹ کر لو وہ خود آ کر لے جائیں گے مگر مجال ہے جو تم کبھی کسی کی مانتی ہو۔'' ایک تو ہنی کے جانے پر اعتراض دوسرا وہ آفس سے لیٹ ہو رہا تھا سو جھنجلانا فطری تھا۔

''مجھے بریک فاسٹ دیں اماں میں لیٹ ہو رہا ہوں۔ ابا جانی تو سب کے سامنے میرا شاہی استقبال کر دیں گے۔''

''بس مجھے یہ ہی عادت زہر لگتی ہے تمہاری سب کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھایا کرو بعد میں میرا سر کھپاتے ہو..... کچن میں رضیہ بی بی موجود ہیں ان سے کہو تمہارا ناشتہ بنا دیں گی.....'' اماں ڈانٹنے لگیں تو اس کا موڈ مزید بگڑ گیا۔

''رہنے دیں بس.....'' وہ آفس بیگ اٹھاتا تیزی سے نکل گیا۔

''ہنی یہ دونوں تو میرا دماغ خراب کر دیں گے افشین ہی انہیں ہینڈل کر سکتی تھی۔ مجھ میں اب اتنا دم خم نہیں کہ ان کی فرمائشیں پوری کروں بھئی..... میں تو تھک جاتی ہوں.....''

اماں کتنی اکیلی پڑ گئی تھیں یکدم اوپر دونوں بھائی سر چڑھے پہلے چھوٹی اماں اور پھر افشین ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھیں اماں کو ان کی ضدوں اور نخروں کی عادت نہیں تھی۔ اب دو تین دن میں ہی وہ عاجز آ گئیں..... ویسے بھی وہ اکثر ہی گھٹنوں کے درد کا شکار رہتی تھیں۔ ایسے میں ان سے اب کام ہوتے بھی نہیں تھے۔

''اماں شانی کی شادی کر دیں.....''

''سوچتی تو ہوں مگر پھر جو دھکا اسے لگا ہے اس سے ابھی تو سنبھلا ہے کہیں پھر سے نہ چڑ جائے شادی کے ذکر سے.....''

''ہاں اماں جو کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ کیا ہے زینی نے.....'' ہنی نے تاسف سے کہا۔

''پرانے زخم کریدتے رہو تو وہ کبھی نہیں سوکھتے بھلا شانی کیسے بھلائے گا۔ ہر تیسرے دن تو یہاں وہ ہی ذکر ہوتا ہے۔'' عمیر چڑ کر بولا۔

''یہاں سے بھی بھوکا گیا ہے آگے اگر ابا جانی نے کچھ کہہ دیا سارا دن کچھ نہیں کھائے گا۔ عجیب مخلوق ہوتی ہے

یہ بہنیں بھی پہلے اپنا عادی بنا لیتیں ہیں پھر چھوڑ کر چلی جاتیں ہیں۔ اب جانے فشین کے بنا رہنے کی عادت کب تک ہوگی۔ اب تک تو پہلی والی کے بغیر رہنے کی عادت بھی ٹھیک سے نہیں ہوئی تھی۔''

وہ کہیں کا غصہ کہیں نکالتا اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''اماں میں نے جانا تھا ابھی.....''

''شام میں چلی جانا ورنہ دونوں کا موڈ مزید خراب ہو جائے گا۔'' اماں نے رسان سے کہا وہ سر ہلاتی مان گئی۔

☆☆☆

''آفس کے بعد کیا ہابیز ہیں آپ کی ذیشان صاحب.....''

شرٹ اور ٹائٹس میں چہرے پر بے تکا میک اپ جمائے وہ شانی سے مخاطب تھی۔

جو اتنی دیر سے ابا جانی اور ہمدانی صاحب کی بورنگ باتیں ''انجوائے'' کر رہا تھا..... کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان محترمہ کی کمپنی کو بھرپور انجوائے کرتا مگر اب وہ پہلے والا شانی رہا ہی نہیں تھا۔

''کچھ نہیں.....''

''کچھ تو کرتے ہوں گے فرینڈز کے ساتھ گیدرنگ پارٹی وغیرہ.....''

''نیور ہمارے ابا جانی ایسی پارٹیز کے سخت خلاف ہیں۔'' وہ شاید جان بوجھ کر اسے ڈرا رہا تھا۔

''رئیلی اکیسویں صدی میں بھی اس طرح سوتے ہیں لوگ یقین نہیں ہوتا..... اور آپ ان کی بات مان لیتے ہیں..... میں تو ایک دن بھی گھر پر نہیں گزار سکتی مجھے کوئی روکے تو قیامت آجاتی ہے گھر میں..... کسی میں اتنی ہمت نہیں جو مجھے منع کرے۔''

اس کا غرور دیکھ کر اماں کی تو ہوائیاں اڑ گئیں ان کے جاتے ہی وہ ابا جانی کے سامنے ہی شروع ہو گئیں۔

''یہ لڑکی سلیکٹ کر رہے ہیں آپ اپنے ہونہار بیٹے کے لیے..... ارے میرز نام کو نہیں چھوٹے بڑے کی ریسپکٹ کا تو پتہ نہیں ہے اسے۔ اماں باوا کم از کم کپڑے تو ڈھنگ کے پہنا سکتے تھے۔ کیا ان کا اولاد پر اتنا بھی بس نہیں چلتا..... حد ہو گئی آصف کم از کم مجھے یہ امید نہیں تھی آپ سے.....'' آج ابا جانی چپ تھے شاید وہ بھی مایوس سے ہوئے تھے لڑکی کو دیکھ کر۔

''ساری عمر اس گھر میں میڈ نہیں رکھے گئے اور جو بہو کے نام پر شوپیس آپ نے چوز کیا ہے وہ گھر کے نام سے چڑتی ہے اسے ہمارا لائف سٹائل بورنگ لگتا ہے۔ میں اپنے اتنے مہذب بچے کی زندگی یوں برباد کبھی نہیں ہونے دوں گی۔

اماں کے کمنٹس پر ابا جانی بھی مسکرا دیئے تھے۔

''ارے شازیہ بیگم اتنا بھڑکنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے کون سا فائنل ڈی سی ژن لے لیا ہے اگر آپ کو لڑکی پسند نہیں ہے تو ہم منع کر دیں گے آپ پریشان مت ہوں۔

شازیہ صدیقی نے حیران ہو کر مجازی خدا کو دیکھا وہ اتنی آسانی سے مان گئے تھے.....!

''رہنے دیں سچ کہیں ناں خود آپ کی مرضی نہیں ہے۔ اگر آپ کی رضامندی ہوتی تو ہم کچھ بھی کہہ لیتے آپ نے سنی کب تھی ہماری.....'' اماں جانی نے سچ بیان کیا۔

''چلیں جو بھی ہے ہم شاہ نواز ہمدانی سے معذرت کر لیں گے آپ دل برا نہ کریں۔''

کوئی اس لمحے ذیشان احمد صدیقی سے پوچھتا کہ اس کے من کا بوجھ کس قدر ہلکا ہوا تھا۔

☆☆☆

''حسان تم بھی ہمارے ساتھ آشیانہ چلو ناں ابا جانی کو اچھا لگے گا۔''

افشین اماں ابا سے ملنے جا رہی تھی سو اس نے حسان کو بھی آفر کر دی جو تھکا تھکا سا بیٹھا تھا۔

''تم جاؤ افشین میرا من نہیں ہے..... ماموں اور شانی کا رویہ پہلے جیسا نہیں ہے میرے ساتھ.....''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے حسان ایسا کچھ نہیں ہے۔'' افشین نے کہا۔

''جو میں محسوس کرتا ہوں تم لوگ کبھی نہیں سمجھ سکتے۔'' شانی بہت بدل گیا ہے بات تو کرتا ہے مگر اس کا من صاف نہیں ہے۔

''وہ بدل گیا ہے اس کے بہت سے ریزن ہیں صرف تمہاری وجہ سے تو ایسا نہیں ہوا..... وہ دل ہمیشہ صاف رکھتا ہے حسان تم اسے اب بھی غلط سمجھ رہے ہو۔'' وہ کہتے کہتے لب بھینچ کر اٹھ گئی۔ محسن نے خاموشی سے سب دیکھا تھا اور اب راستے میں افشین کی بے جا خاموشی پر وہ مسکرا دیا۔

''مجھ سے ناراضگی کی وجہ سویٹ ہارٹ''

''آپ جانتے ہیں کہ حسان کی سوچ غلط ہے پھر بھی آپ خاموش بیٹھے رہے اسے ذرا بھی نہ ٹوکا۔ میرے بھائی نے اس سے زیادہ دکھ سہا ہے۔ صرف زینی ہی نہیں حسان نے بھی اس سے کس نفرت کا رویہ رکھا تھا ہم سب جانتے ہیں۔'' محسن نے افشین کا روٹھا چہرہ دیکھا۔

''یہ کافی نہیں کہ وہ اپنے سابقہ رویے پر اب تک پچھتا رہا ہے۔''

''ہاں تو شرمندگی اس کے من میں ہے ناں شانی کو کیوں بلیم کر رہا ہے۔''

''افشین میرے لیے حسان اور شانی دونوں ایک سی اہمیت رکھتے ہیں میں شانی کے درد کو بھی محسوس کرتا ہوں اور حسان کی شرمندگی اور دکھ کو بھی جس طرح شانی وہ ذلت اب تک ذہن سے نہیں مٹا سکا۔ حسان کیسے بھول سکتا ہے۔ پلیز یار ان دونوں کو وقت درکار ہے..... اگر حسان اسٹریس کم کرنے کے لیے کچھ کہہ بھی دیتا ہے تم سنجیدگی سے مت لیا کرو حقیقت میں وہ اب تک اس صدمے سے باہر نہیں نکلا.....''

''ایم سوری شاید میں شانی کو لے کر زیادہ امیوشنل ہو گئی تھی۔'' اس نے جھٹ کھلے دل سے معذرت کی۔

''کبھی میرے لیے بھی اتنی امیوشنل ہوئی ہو مائی ڈیئر وائف.....''

افشین کو اس موضوع سے ہٹانے کے لیے اس نے شوخ لہجے میں کہا تھا مگر افشین سے کوئی جواب ہی نہ بن پڑا۔

''ہاں جناب ہم کہاں اتنی محبت کے قابل ہیں۔'' افشین نے جواباً اسے نروٹھے پن سے دیکھا۔

''اب بھی آپ کو پروف درکار ہے یقین کے لیے.....''

''محبت کا اظہار کرنے سے محبت کی تجدید از سرِ نو ہو جاتی ہے ڈیئر وائف سو اظہار کرتے رہنا چاہیے۔''

''محبت کبھی بھی اظہار کی محتاج نہیں ہوتی جناب انسان کا رویہ اس کا عمل خود بخود ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ آپ سے کتنی محبت کرتا ہے۔'' محسن نے سر تھاما۔

''ارے یار میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم ذیشان احمد صدیقی کی بہن ہو اس کی فلاسفی بھی محبت کے موضوع پر سب

سے جدا ہے۔''

''میرا بھائی ہر لحاظ سے سب سے جدا ہے۔'' اس کے اندر تفخر تھا۔

''تم تو سارے بہن بھائی ہی دنیا سے جدا ہو جانِ من.....'' اس نے رومینٹک انداز میں کہا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

☆☆☆

دن اس تیزی سے گزر گئے علم ہی نہ ہوا اور آج وہ ارم اور کرن کو رخصت کر کے گھر لوٹے تو جیسے گھر میں سناٹے سے محسوس ہوئے رابعہ بیگم کی آنکھیں بیٹیوں کی جدائی پر نم تھیں۔ ہنی نے کتنی دیر انہیں خود سے لگائے رکھا۔

''امی دعا کریں کہ اللہ پاک انہیں اتنی خوشیاں اور سکھ عطا کرے اپنے گھروں میں کہ آپ کا دل انہیں ہنستا بستا دیکھ کر کھل اٹھے۔''

''آمین.....''

انہوں نے ہنی کا سر تھپکا۔

''تم اب جا کر آرام کرو قسم سے بیٹا تمہارے لیے تو دل سے دعا نکلتی ہے جانے میں نے کون سی نیکی کی ہو گی جس کے صلے میں تم جیسی بہو ملی..... اتنی امید بھی نہیں جتنا تم نے خود کو اس گھر کے ماحول میں ڈھال لیا..... کہاں شہزادیوں کی طرح پلی بڑھی اور کہاں یہ ذمہ داریاں۔''

''امی آپ لوگوں کا پیار ہی میرا سب سے بڑا ٹانک ہے۔ بس مجھے محبت چاہیے کیونکہ میری اماں کہتی تھیں کہ محبت ہی وہ طاقت ہے جو انسان سے ہر کام کرا سکتی ہے۔''

''خوش رہو میری بچی.....'' وہ اس کا ماتھا چوم کر بولیں۔

''اب ریسٹ کرو کل ولیمے کے لیے بھی.....''

''بھول گئے آپ صبح ناشتہ لے کر جانا ہے پہلے ولیمہ تو رات میں ہو گا ناں.....'' اس نے اثبار کو یاد دلایا۔

''ارے ہاں مگر ہنی ابھی پلیز سونے دو صبح دیکھ لیں گے۔'' وہ تھکن سے نڈھال تھا۔

ہنی نے بھی کچھ نہ کہا تھا..... وہ تو خوش تھی اتنی بڑی ذمہ داری کتنے احسن طریقے سے اللہ پاک نے ادا کرا دی تھی تمام لوگ خوش تھے۔ صرف اس کی اپنی سسرال ہی نہیں کرن کے سسرال والے بھی اس کی کتنی تعریف کر رہے تھے۔

اگلا سارا دن بھی بے حد مصروف گزرا تھا۔ آدھی رات کو جا کر کہیں بستر نصیب ہوا تھا۔

''مجھے اب تھکن اتارنے کے لیے دو تین دن کے لیے آشیانہ جانا ہے میرے بھائی بھی خفا ہو رہے تھے کہ تم بھاگتے دوڑتے آتی ہو۔'' ناشتہ پر وہ اثبار سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں چلی جاؤ بچے.....'' رابعہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''اگلے ہفتے مجھے تین دن کے لیے اسلام آباد جانا ہے میں تمہیں آشیانہ چھوڑ دوں گا..... تم آرام سے تین دن میں تھکن اتار سکتی ہو۔'' اثبار نے مسکرا کے کہا۔

اس کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ وہ مان تو گئے تھے اگلے ہفتے ہی سہی..... وہ سرشاری سب کو ناشتہ سرو کرنے لگی۔

☆☆☆

''ارے ڈونٹ وری صدیقی آئی نو ویری ویل کہ آج کل کے بچے اپنی مرضی سے جینا پسند کرتے ہیں۔ رشتہ نہ ہونے سے ہماری ریلیشن شپ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا انشاء اللہ.....''

''تھینک یو ہمدانی تم نے میرے من سے بوجھ اتار دیا۔ بلیومی مجھے یہ سب کہتے ہوئے اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔'' آصف صدیقی نے کہا۔

''کم آن صدیقی اس دور کے بچوں پر حکم نہیں چلا سکتے اب تو ان سے ریکوسٹ بھی ڈرتے ڈرتے کرنی پڑتی ہے اپنی بات منوانے کے لیے۔''

وہ شاید اپنے بچوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے مگر آصف صدیقی کے چہرے پر اطمینان تھا خوش نصیب تھے وہ کہ اس دور میں بھی ان کی اولاد بہت مہذب اور فرماں بردار تھی۔

بہر حال ہمدانی کے دوستانہ انداز نے جہاں آصف صدیقی کو پرسکون کیا شانی کے لیے بھی یہ اطمینان کا باعث تھا کہ اب وہ بنا کسی دباؤ کے ہمدانی سے بزنس کے معاملات ڈیل کر سکتا تھا۔ آفٹر آل اب وہ سارا بزنس خود ہی لک آفٹر کر رہا تھا۔ ابا جانی کی طبیعت کے باعث وہ انہیں آفس نہیں آنے دیتا تھا..... اور اب جبکہ سب کچھ اس کے ہاتھوں میں تھا تو اسے لگا کہ حسن اور سعد ملک کی باتوں میں کچھ نہ کچھ سچائی تو ضرور تھی۔

وہ ابا جانی سے اسی معاملے میں بات کرنا چاہتا تھا مگر رات میں اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں ہاسپٹلائز کرنا پڑا۔

''کئی دن سے بہت بے چین سے ہیں تمہارے ابا ٹھیک سے سوتے بھی نہیں جانے کیا ٹینشن ہے۔''

افشین آئی تو وہ اسے بتا رہی تھیں۔ افشین انہیں حوصلہ دینے لگی اگلے دن ابا جانی گھر آ گئے تھے اب بہت بہتر تھے۔

''اب آپ نے مکمل ریسٹ کرنا ہے ابا جانی..... پلیز اگر کوئی پریشانی ہے تو آپ ہم سے شیئر کر لیں۔''

''نہیں بچے پریشانی تو کوئی بھی نہیں ہے بہت مطمئن ہوں میں..... تمہیں دیکھتا ہوں تو روح تک میں سکون اتر جاتا ہے۔ تمام میری فکریں تو تم نے سنبھال لیں ہیں۔'' وہ مسکرائے تھے۔

''پھر آپ اپنی کیئر کیوں نہیں کرتے کئی دن سے میں آپ کو بے چین دیکھ رہی ہوں۔'' شازیہ صدیقی بھی ان کے پاس آ گئیں۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے بھئی خوامخواہ وسوسوں کا شکار نہ ہوں میں اب بالکل ٹھیک ہوں..... دراصل رات کے ڈنر میں ہم برسوں بعد آپ کے ہاتھ کی بریانی کھائی ناں بس پھر کچھ زیادہ ہی کھا گئے۔'' ان کا موڈ بہت لائٹ تھا۔

شانی بھی مسکرا دیا مگر یہ بات تو طے تھی کہ ابھی ابا جانی کو فاروقی صاحب کے بارے میں کوئی بات نہیں بتانی ہے۔

☆☆☆

ہنی ناشتہ تیار کر کے کمرے میں آئی تھی تاکہ اثبار کی تیاری مکمل کر دے آج انہوں نے اسلام آباد جانا تھا وہ انہی کی چیزیں رکھ رہی تھی جب اثبار نے بڑے خوشگوار موڈ میں اسے بانہوں میں تھاما تھا۔

''کیا بات ہے جناب آج بڑے رومانٹک موڈ میں ہیں صبح صبح.....''

''اب دو تین دن کی دوری جو آ رہی ہے..... پتہ ہے ہنی تم نے مجھے اس قدر اپنا عادی بنا دیا ہے کہ ایک پل بھی

تمہارے بن رہنے کا تصور میری جان نکال دیتا ہے۔''

''اچھا جی......'' وہ مسکرائی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا ہنی کہ تم میرے لیے خود کو اتنا بدل لو گی...... میں تو اس لاپرواہ نٹ کھٹ شہزادی پر مرمٹا تھا جس کے خوبصورت چہرے پر بلا کی معصومیت اور بچپنا تھا...... مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ تم شادی کے بعد یوں اتنے ڈیسنٹ طریقے سے مجھے اور میرے گھر کو اپناؤ گی...... میں تو یہ سوچ سوچ کر ہی ہلکا رہتا تھا کہ محل کی رہنے والی یہ شہزادی پتہ نہیں میرے ساتھ ایڈجسٹ کر بھی پائے گی کہ نہیں...... پہلی نظر کی محبت کی طاقت نے تمہیں اپنانے کا جو عزم مجھے دیا تھا کبھی کبھی وہ بھی ڈگمگا جاتا تھا......لیکن یار تم نے تو اس طرح خود کو اس ماحول میں ڈھالا کہ میں حیران رہ گیا۔قسم سے ہنی آئی ایم پراؤڈ آف یو......''

''میں اکیلے شاید کچھ بھی نہ کر پاتی اشبار آپ کی محبت آپ کے اعتماد نے مجھے ہمت دی آپ نے بھی تو قدم قدم پر میرا ساتھ دیا ہے...... مجھے مان دیا......حوصلہ دیا کہ وہ یہ سب کر سکتی ہوں میری ہمت آپ نے بڑھائی ہے ہمیشہ اور آپ کا ہاتھ تھام کر ہی میں تمام مشکلیں پار کر پائی ہوں۔''

اس کے خوبصورت چہرے پر سچائی رقم تھی اشبار احسن بے اختیار اس کی پیشانی کو لبوں سے چھوا تھا۔

''تھینک یو سو مچ ڈیئر وائف......''

''اچھا بس کریں اب......''

اس نے اشبار کی بانہوں کے گھیرے سے خود کو چھڑایا۔

''ابھی میں نے اپنی تیاری بھی کرنی ہے۔''

''ہوں میں نے عمیر سے کہہ دیا تھا وہ تمہیں لے جائے گا......''

اشبار احسن اب آئینے کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا۔

''ارید کہاں ہے آج کمرے میں بڑی خاموشی ہے......''

''اپنی دادی کے پاس ہے۔ اتنا تنگ کرتا ہے ناں کہ بس...... ابھی امی کے پاس بٹھا کر آئی ہوں مگر مجھے پتہ ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا ہوگا...... میں دیکھتی ہوں۔ آپ آ جائیں ناشتہ تیار ہے۔''

''آ رہا ہوں۔''

اشبار احسن بیڈ پر بیٹھ کر سوکس پہنتے ہوئے بولے اور ہنی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''تجھے پتہ ہے تیری بے جا مصروفیت نے تیری فٹنس کا ستیاناس کر دیا ہے رات کو کھاتے ہی لیٹ جاتا ہے صبح کی ایکسرسائز بالکل ختم کر دی ہے موٹا ہو گیا ہے تو......'' عمیر نے اسے ٹوکا جس پر ذرا برابر بھی اثر نہ ہوا تھا اور سستی سے لیٹا رہا۔

''چل ناں واک کرتے ہیں ابا جانی کے ساتھ......''

''نہیں یار نیند آ رہی ہے۔''

''شانی تم اپنے بنائے اصول خود ہی توڑ رہے ہو۔ حد ہو گئی یاد ہے تم مجھے اور افشین کو زبردستی ٹہلنے پر مجبور کرتے تھے۔'' ہنی نے بھی اسے ٹوکا تھا۔

''یار قسم سے بہت تھکن ہو رہی ہے۔صبح سنڈے ہے ناں سارا دن ایکسر سائز کرلوں گا پرامس.....''
عمیر منہ پھلا کر اٹھ گیا اور باہر لان میں ابا جانی کے ساتھ واک کے لیے چل دیا۔
''جانتی ہوں میں.....تم آصف صدیقی کے سپوت ہو مگر مت بھولو کہ تمہاری تربیت میں میرا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے اور صحت کا خیال کے معاملے میں قطعی کمپرومائز نہیں کروں گی جاؤ کچھ دیر بھائی کے ساتھ چہل قدمی کرو میں تمہارے لیے اسٹرونگ سی چائے بنواتی ہوں۔''
''رہنے دیں اماں اب چائے میں وہ مزہ نہیں آتا جو افشین کے ہوتے آتا تھا.....کتنا تنگ کرتے تھے ہم اسے مگر اب نہ کھانے میں ذائقہ محسوس ہوتا ہے نہ چائے میں مزہ آتا ہے۔''
اماں جانی مسکرا دیں کسی نہ کسی بہانے دونوں بھائی بہنوں کو یاد کرتے رہتے ہیں۔
''میں بناتی ہوں اپنے بھائی کے لیے چائے اماں جانی.....'' ہنی جوارید کو سلا رہی تھی اٹھتے ہوئے بولی۔
''تھینکس ہنی.....''
وہ ہنی کا سر تھپکتا لان میں بھاگا جہاں عمیر بہت خاموشی سے ابا جانی کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔شانی کے جوائن کرنے پر اسے اچھا لگا ہلکی پھلکی باتیں اور عمیر کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے وہ دونوں بھائی کافی دیر تک چہل قدمی کرتے رہے۔ابا جانی البتہ تھک کر بیٹھ گئے تھے ہنی وہیں چائے لے آئی تو لان میں ہی بیٹھ کر چائے انجوائے کرنے لگے۔
''اس بار میں تمہارا کوئی بہانہ نہیں سنوں گا پورا ایک ماہ رکو گی تم''
شانی کی بات پر اس کی آنکھیں پھیل گئیں اثبار نے سختی سے کہا تھا کہ اس کی واپسی سے پہلے وہ گھر میں موجود ہو.....
''اپنے بھائی سے خود بات کرلینا.....'' اس نے صاف جان چھڑائی۔
''دس از ناٹ فیئر یار تم ہر باریوں ہی کرتی ہو قسم سے میں تو پلان کر رہا تھا کہ صبح افشین کو بھی لے آئیں گے اور کچھ دن تم دونوں کے ساتھ ہم خوب مزے کریں گے.....''
''افشین تو تم سے بھی آگے نکل گئی چند گھنٹوں کے لیے آتی ہے اور محسن کے ساتھ فوراً واپس.....'' عمیر کو شکوہ تھا۔
''بیٹا جب بیٹیاں پرائی ہو جاتی ہیں پھر ہم ان پر زبردستی نہیں کر سکتے وہ بے چاریاں بھی مجبور ہوتی ہیں ان کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں.....رشتے بدل جاتے ہیں اور نئے رشتوں کو استوار کرنے کے لیے انہیں وقت دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔'' ابا جانی نے بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔
''تم لوگوں کو خوشی نہیں ہوتی تمہاری بہنیں اپنے گھروں میں خوشحال ہیں ہنی کی ہی مثال لے لو تم دونوں اس سے امید کر سکتے تھے کہ یہ اتنی ذمہ داری سے رشتے نبھائے گی.....خود کو بدل کر یہ مکمل سسرال کے ماحول میں ڈھل گئی.....بھئی مجھے تو اتنی خوشی ہوتی ہے جب اس کی ساس اس کی تعریف کرتی ہے۔اپنا آپ بہت فخر سا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے گھر کی سب سے لاابالی بچی نے کیسے پورا سسرال سنبھالا ہے۔''
''سارا گھڑا پہ سسرال کے لیے ہی ہے ابا جانی یہ کچھ دن اگر ہمارے ساتھ رہ لے گی تو کیا ہو جائے گا ان سالوں میں کبھی یہ دو چار دن سے زیادہ رکی ہے بھلا..... ہر بار اس کے پاس بہانوں کی لائن ہوتی ہے۔'' وہ خفا سا

نظر آ رہا تھا۔

''اف او..... ابھی جو دو دن ہیں وہ تو اچھے سے گزارو ناں بعد کی بعد میں دیکھ لیں گے۔''

ہنی نے اس کے بال بگاڑے وہ بھی خاموشی سے چائے انجوائے کرنے لگا.....

☆☆☆

اگلے دن ہی وعدے کے مطابق وہ افشین کو لے آیا تھا اور آج ان کا آؤٹنگ کا پروگرام تھا.....

''ابا جانی آپ بھی چلتے ہمارے ساتھ.....'' ابا جانی نے صبح ہی منع کر دیا تھا اور پھر ظاہر ہے اماں جانی بھی نہیں جا رہی تھیں ابا جانی کی طبیعت کے باعث وہ انہیں اکیلا کم ہی چھوڑتی تھیں۔

''ارے یار افشین محسن کو تو فون کر دو وہ کب تک آئے گا.....''

سب کی تیاری مکمل تھی جانے اب محسن کہاں رہ گیا تھا۔

''میں نے انہیں فون کر دیا ہے آ رہے ہیں وہ.....'' افشین ارید کو گود میں ڈالے اس کے ساتھ مستیاں کر رہی تھی۔

''کتنا پیارا ہے تیرا بیٹا تیرا ہی روپ چرایا ہے جیسے.....''

اس نے ارید کے معصوم سے گال چومے۔

''اللہ تمہیں بھی اتنا ہی پیارا بیٹا عطا کرے۔'' ہنی نے دعا دی وہ جھینپ گئی۔

''ناں بابا ناں بھانجا ہمیں مل چکا ہے..... اب ہمیں پیاری سی بھانجی چاہیے..... اور افشین اس کا نام میں رکھوں گا.....''

شانی کی بکواس نے تو اس کا چہرہ ہی سرخ کر دیا تھا..... وہ ابھی سے ہواؤں میں تیر چلا رہا تھا۔

''تمہیں پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے ہر دفعہ تم یہ ہی رٹ لگا کر بیٹھ جاتے ہو اللہ پاک پہلا بیٹا دے گا۔''

''اف توبہ ہنی تمہاری سوچ تو بالکل تمہاری ساس جیسی ہوتی جا رہی ہے بھلا بیٹی کے ہونے میں کیا قباحت ہے۔''

''میری ساس نے کبھی ایسا نہیں سوچا..... اس معاملے میں تم انہیں قطعی کچھ نہیں کہو گے..... وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ بیٹا ہو یا بیٹی اللہ صحت اور زندگی کے ساتھ عطا کرے۔'' ہنی نے اپنی ساس کی بھرپور سائیڈ لی تھی۔

''اچھا چھوڑو یہ بحث اور چلو گاڑی میں سامان رکھنا ہے.....''

شانی اٹھ گیا محسن بھی آ گیا تھا یوں ان بہن بھائیوں کا مختصر سا قافلہ پکنک پوائنٹ کی طرف رواں دواں ہوا تھا۔

''کتنے سالوں کے بعد آج اکٹھے کہیں گھومنے آئے ہیں محسن.....'' شانی کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔

''ہاں یار وہ دن تو جیسے خواب ہی ہو گئے جب ہم ہر مہینے میں ایک بار ضرور آؤٹنگ کے لیے جاتے تھے اور خوب مزہ کرتے تھے۔'' محسن نے کہا۔

''اور سب سے زیادہ انجوائے بھی شانی ہی کرتا تھا ناں..... توبہ وہاں سے بھی کتنی لڑکیوں کے نمبرز لے کر آتا تھا..... پتہ نہیں لڑکیاں بھی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے گھومتی تھیں۔'' افشین کو بھی وہ دن شدت سے یاد آئے تھے۔

''لڑکیاں تو آج بھی موصوف پر اسی طرح مرتی ہیں مگر جناب کا مزاج ہی اب بدل گیا ہے۔''

''ارے.....!'' شانی نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''جب میں ڈمنگ کرتا تھا تب بھی تمہیں ہی اعتراض تھا اور مت بھولو تم نے ہی مجھے اپنی قسم دے کر وعدہ لیا تھا کہ.....''

''جناب تم کہاں اتنے وعدوں کے پکے تھے۔ وہ مہ جبیں کے منگیتر نے تمہارے حقیقتاً حواس معطل کر دیئے تھے۔''

''میں ڈرنے والا نہیں تھا تم نے ہی تو کہا تھا۔'' وہ بحث کرنے لگا۔

''اچھا تو کیا برا کہا تھا اگر واقعی خدانخواستہ گولی سینے پر لگ جاتی تو.....!''

اس کی دونوں بہنیں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھیں۔

''کیا مطلب وہ گولی ارادتاً کسی نے شانی کو ماری تھی۔

''اوگاڈ شانی تم اتنے احمق تھے۔''

''اچھا بس بھی کردو ہم یہاں انجوائے کرنے آئے ہیں مجھے ڈسکس کرنے نہیں.....''

چل اٹھ محسن.....تم تو یوں بیٹھ گئے ہو آ کر جیسے پیدل آئے ہو۔'' اس نے بحث سمیٹی اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر حسن کو بھی کھڑا کیا۔

''کتنا کچھ بدل جاتا ہے ناں افشین''

پانی کی لہروں پر نگاہیں جمائے ہنی بہن سے مخاطب تھی۔

''ہاں دیکھو ناں.....محسن تو شروع سے یوں ہی ہمارے بیچ رہے تھے.....کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ مستقبل میں ہمارا تعلق بھی ہو سکے گا۔ مگر جو بھی ہے ہنی آئی ایم سو ہیپی قسم سے محسن بہت اچھے شوہر ہیں اتنی کیئر کرتے ہیں میری.....اور پھوجی وہ اتنا پیار کرتی ہیں کہ بس سب بہت اچھے ہیں۔ یعنی بھابی احسن بھائی.....بس حسان کچھ الگ رہتا ہے۔ سب کہتے ہیں وہ اب تک وہ صدمہ ذہن سے نکال ہی نہیں پا رہا ہے۔''

''پھوجی تو شروع سے ہی ہم سب کو اسی طرح چاہتی ہیں یاد ہے شانی کو کتنا پیار کرتی تھیں شانی میں تو جیسے جان تھی ان کی.....تبھی ہی تو انہوں نے یہ رشتہ کیا تھا۔''

''شانی کو تو وہ آج بھی اتنا ہی چاہتی ہیں ہنی.....بہت یاد کرتی ہیں مگر تمہیں تو پتہ ہے شانی اب کتنا کم جاتا ہے ہری شادی کے بعد سے تو پھر بھی آنے جانے لگا ہے پہلے تو بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔''

''وہ بھی کیا کرے حالات ہی ایسے تھے اور اب ویسے ہی اسے ٹائم نہیں ملتا.....ماشاء اللہ بہت ذمہ داری سے ں نے سارا بزنس سنبھال لیا ہے۔''

''کوئی سوچ سکتا تھا ہنی کہ ہمارا شانی اتنی بڑی ذمہ داری اٹھا لے گا.....کیسے ضد کر کے اس نے انجینئرنگ میں ڈمیشن لیا تھا۔''

''ہاں اور چھوٹے ابا نے کتنی مشکل سے ابا جانی کو منایا تھا.....آج اگر چھوٹے ابا ہوتے تو کبھی شانی پر اتنا ذن نہ ہوتا ان کی کتنی خواہش تھی کہ شانی انجینئرنگ کرے۔'' ہنی کی پلکیں نم ہوئیں۔

''آہ.....بس یادیں رہ گئی ہیں ہنی.....کتنی جلدی وہ لاپروائی اور بے فکری کے دن گزر گئے ناں اب تو خواب سا لتا ہے وہ سب.....''

''اسی لیے میں کہتا تھا ناں تمہیں کہ اس زندگی کو انجوائے کر لو.....مگر تم پر تو بس سگھڑاپہ طاری رہتا تھا نہ خود مزے

کیے اور نہ ہمیں کرنے دیتیں تھیں۔'' شانی جانے کب ان کے ساتھ آ بیٹھا۔
''اس کا مزاج ہی الگ تھا شانی' ہنی نے کہا۔
''عمیر......اور محسن کہاں ہیں۔''
''فٹ بال کھیل رہے ہیں۔''
''ہائیں یہ کرکٹ کے دیوانے کب سے فٹ بال کھیلنے لگے بھئی۔''
''عمیر کا من چاہ رہا تھا اور جا کر دیکھو تو تمہارا بیٹا بھی کھیل رہا تھا۔''
''اچھا......'' وہ خوش دلی سے بولی۔
''چلو ناں افشین ہم بھی جا کر دیکھتے ہیں۔''
اس نے افشین سے کہا......اور تینوں ان کے پاس آ گئے...... بہت عرصے بعد آج انہوں نے بھرپور انجوائے کیا تھا۔

☆☆☆

آصف صدیقی شام کی خبریں سن رہے تھے اور شازیہ صدیقی خادماں اور رضیہ کو ابھی ڈنر کا مینو دے کر آئیں تھیں اور مجازی خدا کے ساتھ بیٹھ کر نیوز سننے لگیں۔
''بریکنگ نیوز......ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ اسلام آباد سے کراچی آنے والا طیارہ حادثے کا شکار ہو گیا تمام مسافر اور عملہ جاں بحق......''
''ایسی خبریں تو روز کا معمول ہی بن گئیں ہیں آصف دل بہت برا ہوتا ہے جانے کتنے خاندان اجڑے ہوں گے کتنے گھروں کے چراغ بجھ گئے ہوں گے......''
شازیہ صدیقی ایسی نیوز پر اکثر ہی آبدیدہ ہو جاتیں تھیں ایک طرف وطن عزیز کے بگڑتے حالات اور پھر یہ حادثے جانے کیا بنے گا ہمارے ملک کا۔
''حادثات پر کس کا بس ہے شازیہ بیگم اللہ کی مرضی ہے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔''
''بے شک ہر کام اللہ کی رضا ہوتا ہے مگر کچھ غلطیاں تو انسان خود کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں بھی ایسا حادثہ ہوا تھا سنا تھا ناں کہ طیارہ میں خرابی کے باعث ایسا ہوا تھا۔ کیا پہلے سے یہ خرابیاں چیک نہیں ہوتیں؟ کتنی قیمتی انسانی جانیں ایسے حادثوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔''
وہ غمگین ہو کر اٹھ گئیں آصف صدیقی بھی مغرب کی نماز کے لیے چلے گئے تھے......نماز کے بعد کافی دیر وہیں بیٹھے رہے گھر لوٹے تو بچے بھی آ گئے تھے۔
تمام چینلو پر ایک ہی خبر تھی۔
ابھی وہ چینل چینج ہی کرنے والے تھے کہ ان کا موبائل بجنے لگا۔
دوسری طرف ابرار احسن تھے انہوں نے جو خبر انہیں دی تھی وہ قیامت سے کم نہ تھی۔
(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے......)

☆☆☆

رنگ جہاں
اندرونی صفحات میں

حسن کی دیوی ..... سری دیوی

سری دیوی انڈین سینما کی خوبصورت اور انتہائی مقبول اداکارہ ہیں جن کی شخصیت کی چمک پوری طرح بھارتی سینما پر آج بھی چھائی ہوئی ہے۔ رواں برس سری دیوی کو بالی وڈ میں پورے پچاس برس ہو چکے ہیں حال ہی میں اپنی نئی فلم سے انہوں نے اپنی تیسری فلمی سنچری مکمل کی ہے۔

اپنے 300 فلموں کے کیریئر میں سری دیوی نے تامل، تیلگو، ہندی زبانوں میں بنی فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ انہیں بالی وڈ سینما کی پہلی سپر اسٹار حسینہ بھی کہا جاتا ہے۔ سری دیوی کی سب سے زیادہ کمرشل ہٹ فلم ''مس ہوا ہوائی'' کو اب تک 9 مرتبہ بہترین اداکارہ کے فلم فیئر ایوارڈز کے لیے نامزدگی حاصل ہو چکی ہے جن میں سے چار ایوارڈز ان کی جھولی میں آئے۔

1996ء میں سری دیوی نے انیل کپور اور سنجے کپور کے بڑے بھائی فلمساز بونی کپور سے شادی کر لی تھی۔ جس کے بعد 1997ء میں ان کی دو فلمیں ''میری بیوی کا جواب نہیں'' اور ''جدائی'' ریلیز ہوئیں۔ ''جدائی'' بلاک بسٹر فلم تھی جس میں سری دیوی نے انیل کپور اور ارمیلا کے ساتھ کام کیا تھا۔ اس کے بعد اداکاری سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے سری دیوی نے اپنے گھر پر توجہ دی۔ 15 برس تک فلمی دنیا سے دور رہنے کے بعد 2012ء میں سری دیوی نے فلم ''انگلش ونگلش'' سے ایک ماں کے روپ میں شاندار واپسی کی۔ گلیمرس کرداروں میں بجلیاں گرانے والی سری دیوی نے ''انگلش ونگلش'' میں ایسی گریس فل پرفارمنس پیش کی کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔ اب ایک مرتبہ پھر سری دیوی ماں کے روپ میں سلور اسکرین پر جلوہ گر ہوئی ہیں۔ 53 برس کی عمر میں آج بھی سری دیوی انتہائی خوبصورت نظر آتی ہیں اور ہر اداکار کی خواہش ہے کہ ان کے ساتھ زندگی میں ایک بار سکرین شیئر کرنے کا موقع اسے ضرور ملے۔ سری دیوی نے

انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

س: آپ نے ماں کے کردار سے فلمی دنیا میں واپسی کی تھی اور اب ایک مرتبہ پھر آپ اپنی نئی فلم میں ماں کا کردار نبھا رہی ہیں۔ اس فلم میں بطور اداکارہ آپ کو کیا چیز مشکل لگی؟

ج: اس فلم میں میرے کردار کا ایک جذباتی سفر ہے جو میرے لیے بہت مشکل تھا۔ اس کے علاوہ اکشے کھنہ اور نواز الدین صدیقی جیسے بڑے فنکاروں کے ساتھ کام کرتے ہوئے مجھے ہر وقت اچھا کام کرنے کی کوشش کرنا تھی۔

س: آپ خود بھی ایک ماں ہیں۔ کیا ماں کی حیثیت سے آپ کو کردار نبھانے میں مدد حاصل ہوئی؟

ج: ہاں میں ماں ہوں، اس لیے مجھے کردار کے جذبات سمجھنے میں تھوڑی مدد ملی۔ ایک ماں کی حیثیت سے میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ کبھی میں اس حالات میں ہوں جس میں میرا کردار ہے۔ بطور اداکارہ یہ میرے لیے ایک اچھا تجربہ تھا۔

س: آپ فلم کی شوٹنگ کے لیے جورجیا بھی گئی تھیں۔ وہاں کے سخت حالات میں کام کرنے کا تجربہ کیسا رہا؟

ج: جورجیا کا موسم یقینی طور پر ہمارا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ ہمیں انتظار کرنا پڑتا تھا کہ کب بادل جائیں گے اور کب ہم شوٹنگ کریں گے۔ کچھ مناظر میں فلم کے ہدایتکار روی ادیوار نے بادلوں کے ساتھ بھی شوٹنگ کی تھی اور ان کے لیے ہم نے سورج کے بادلوں میں چھپنے کا گھنٹوں انتظار کیا۔ جورجیا میں شوٹنگ کا سب سے مشکل مرحلہ یہ تھا کہ وہاں کھانے کو کچھ خاص نہیں تھا کیوں کہ ہم ایک دور دراز گاؤں کے لوج میں قیام کیے ہوئے تھے۔ وہاں ہمیں گوشت، آلو اور پنیر کھانے کو میسر تھا۔ میں سبزیاں کھاتی ہوں، اس لیے میں نے پندرہ دن تک بڑی مشکل سے گزارا کیا۔

س: حقیقی زندگی میں آپ ایک ماں کی طرح اپنے بچوں کے لیے فکرمند رہتی ہیں؟

ج: پتہ نہیں کیوں میں اپنے بچوں پر حق نہیں جتاتی لیکن یہ سچ ہے کہ میں اپنی بیٹیوں کے بارے میں بہت فکرمند رہتی ہوں۔ میں ہمیشہ اپنی بیٹیوں کے لیے محتاط رہتی ہوں۔

س: آپ نے جب 1997ء میں فلمی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ اس وقت آپ باکس آفس کی ملکہ تھیں۔ اپنا عروج چھوڑ کر اچانک گھریلو زندگی میں قدم رکھنے کا فیصلہ آپ کے لیے کتنا مشکل تھا؟

ج: میرے لیے یہ فیصلہ کبھی بھی مشکل نہیں تھا۔ میں اپنے بچوں کی پیدائش کے بعد ہی یہ فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ میں ہر چیز میں اپنا بہترین رول دینا چاہتی ہوں۔ میں نے فلمی دنیا کو اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال دیئے اور پھر اس کے بعد جب جھانوی اور خوشی پیدا ہوئیں تو میں نے پوری طرح ماں کی ذمہ داریاں نبھانے کا فیصلہ کیا۔ میں کوئی بھی کام آدھے دل سے نہیں کرسکتی۔ میں ہر قدم پر اپنے بچوں کے ساتھ موجود رہنا چاہتی تھی اور اسی لیے میں نے فلمی دنیا سے دوری اختیار کی۔

س: خوشی اور جھانوی میں سے آپ کس کے زیادہ قریب ہیں؟

ج: جھانوی اور میں زیادہ قریب ہیں، میں اسے پیار سے جانو کہتی ہوں۔ خوشی (کپور) بونی جی سے زیادہ قریب ہے۔ خوشی زیادہ خودمختار ہے لیکن جھانوی کو ہمیشہ ہر معاملے میں اپنی ماں چاہیے۔

س: اپنے بارے میں کوئی پانچ باتیں ایسی بتائیں جسے بہت کم لوگ جانتے ہوں؟

ج: میرے قریبی دوست کہتے ہیں کہ میری حس مزاح بہت خوب ہے۔ مجھے میٹھا کھانے اور شاپنگ کرنے کا بہت شوق ہے۔ میں بہت زیادہ حساس اور مذہبی ہوں۔

☆☆☆

ریشمی مصالحہ

ریشم رپورٹر: محمد طلحہ

دنیا رنگ و نور کی دلچسپ خبریں

خبریں بے بنیاد ہیں

اداکارہ فضا علی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ انسان کی زندگی میں اس کی قسمت کا بڑا عمل دخل ہے۔ بعض اوقات انتہائی خوب صورت چہرے سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور معمولی صورتوں والے اپنے فن کی بدولت شوبز میں شہرت کی بلندیوں پر نظر آتے ہیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ مختلف پراجیکٹس میں مصروف ہوں اور ہمیشہ معیار کو ترجیح دیتی ہوں۔ جس سکرپٹ میں میرے کردار میں مارجن نہ ہو اسے ہرگز قبول نہیں کرتی۔ فضا علی نے کہا کہ میڈیا میں میرے حوالے سے متعدد بار شوبز کو خیر باد کہنے کی خبریں آئی ہیں جو کہ بالکل بے بنیاد ہیں۔

تاج چھن گیا؟

شاہ رخ خان، سلمان خان اور عامر خان گزشتہ تین دہائیوں سے بھارتی فلم انڈسٹری پر راج کر رہے ہیں اور تینوں ہی اپنی منفرد اداکاری کی وجہ سے کروڑوں لوگوں کے دلوں پر راج کر رہے ہیں۔ ان میں سے شاہ رخ خان کو بالی ووڈ کا کنگ، سلمان خان کو دبنگ خان اور عامر خان کو مسٹر پرفیکشنسٹ کے ناموں سے جانا جاتا ہے۔ مگر کچھ دنوں سے یہ خبریں بھی گردش کر رہی ہیں کہ بالی ووڈ کے ''کنگ'' کا تاج اب شاہ رخ خان کے بجائے عامر خان کے سر پر سج چکا ہے۔ رپورٹ کے مطابق شاہ رخ خان اور سلمان خان کی بجائے گزشتہ کئی برسوں سے عامر خان مسلسل ہٹ فلمیں دیتے رہے ہیں۔ جبکہ سلمان خان اور شاہ رخ خان کی ہٹ فلموں کا گراف تیزی سے نیچے آ رہا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بھی کچھ غلط نہیں ہے کہ اصل میں کنگ کہلانے کے صحیح حقدار عامر خان ہی ہیں۔

ایک جانب جہاں عامر خان کی فلم ''دنگل'' بالی ووڈ کے تمام ریکارڈ پاش پاش کر رہی ہے تو دوسری جانب سلمان خان کی نئی فلم ٹیوب لائٹ اچھا بزنس کرنے میں ناکام رہی ہے جبکہ شاہ رخ خان بھی 2013ء میں ریلیز ہونے والی فلم ''چنائی ایکسپریس'' کے بعد کوئی ہٹ فلم دینے میں ناکام رہے ہیں۔ فلموں کی تجارت سے وابستہ تجزیہ کار رمیش بالا کہتے ہیں کہ یوں تو تینوں خانز ہمیشہ ایک دوسرے کو ٹکر دیتے ہیں تاہم جہاں تک فلموں کی کامیابی کے حوالے سے بات کی جائے تو عامر خان باقی دونوں خانز سے بہت آگے نکل چکا ہے۔

ارشد خان (چائے والا) پاکستانی نہیں

سوشل میڈیا کی ایک تصویر سے راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے والا ارشد خان پاکستانی نہیں بلکہ

افغان شہری نکلا۔ نادرا رپورٹ کے مطابق ارشد خان کے پاس پاکستانی شناختی کارڈ نہیں بلکہ وہ افغان شہری ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم ہے۔

قندیل بلوچ کے بعد.....!

(اخباری رپورٹ) گزشتہ دنوں قندیل بلوچ کی برسی کے موقع پر اس کے والدین نے بتایا کہ قندیل بلوچ اپنے کنبے کی واحد کفیل تھی اور اس کے بعد اب کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ پہلے معاف کرو پھر خرچہ دیں گے۔ جبکہ ایک نجی ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے قندیل بلوچ کے والد نے کہا کہ وہ اپنے ہی خلاف مقدمہ درج ہونے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں اور حکومت سے ان کی التماس ہے کہ ان کے بیٹے اسلم شاہین کے خلاف بھی مقدمہ خارج کیا جائے کیوں کہ ابتداء میں بیٹی کے قتل کی وجہ سے جذباتی ہو کر انہوں نے اپنے بیٹے کے خلاف بیان دے دیا تھا جبکہ اب انہیں احساس ہو رہا ہے کہ یہ انہوں نے غلط کیا۔

ہیوی ویٹ چیمپئن سے ناجائز تعلقات

پاکستانی نژاد برطانوی باکسر عامر خان کی سابق اہلیہ نے باکسر انتھونی جوشوا سے تعلقات کے حوالے سے خاموشی توڑ دی۔ سماجی رابطوں کی ویب سائٹ ٹوئٹر پر اپنے پیغام میں فریال مخدوم کا کہنا تھا کہ انہیں کچھ نہیں پتہ کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن جو بھی ہو رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہو رہا۔ اور کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے اپنے سابق شوہر عامر خان کو جو سکرین شارٹس بھیجے تھے وہ جعلی تھے انہوں نے بتایا میری سکرین شارٹس کو عامر خان نے انتھونی جوشوا سے میری گفتگو سمجھا۔ حالاں کہ ہم دونوں تو پوری لائف میں کبھی ملے بھی نہیں۔

دہشت گردوں سے تعلقات.....؟؟

نجی ٹی وی کی خاتون اینکر پرسن کے خطرناک ترین دہشت گردوں سے تعلقات کا معاملہ اسلام آباد ہائی کورٹ میں دائر درخواست پر وفاق کو نوٹس جاری کر دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق نجی ٹی وی کی اینکر پرسن نادیہ خان کے خلاف خطرناک ترین دہشت گردوں سے مبینہ تعلقات کے حوالے سے اسلام آباد کے رہائشی عاصم خان سکندر نے اسلام آباد ہائی کورٹ میں درخواست دائر کر رکھی ہے۔ جس پر اسلام آباد ہائی کورٹ کے جسٹس شوکت صدیقی نے کیس کی سماعت کرتے ہوئے وفاق کو نوٹس جاری کرنے کا حکم دیا ہے۔

مومنہ مستحسن نے اپنا لائف پارٹنر ڈھونڈ لیا

گلوکارہ مومنہ مستحسن کی شادی اگلے چند ماہ کے اندر ہو جائے گی۔ شادی کی فائنل ڈیٹ کا اعلان محرم الحرام کے بعد کیا جائے گا۔ مومنہ مستحسن کوک سٹوڈیو میں راحت فتح علی خان کے ساتھ گانے کے بعد بہت زیادہ شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ گزشتہ دنوں علی ظفر کے بھائی دانیال ظفر کے ساتھ ان کی منگنی کی خبریں عام ہوئیں تو گلوکارہ نے اس خبر کی تردید کر دی لیکن اب چند روز قبل ان کی پاکستانی نژاد امریکی بینکر علی نقوی کے ساتھ باقاعدہ منگنی ہو گئی ہے۔ اس حوالے سے کراچی میں دونوں نے ایک دوسرے کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی جس کے بعد مومنہ نے منگنی کی تصاویر خود ٹوئٹر پر شیئر کیں۔ ذرائع کے مطابق مومنہ کی شادی آئندہ چند ماہ میں متوقع ہے۔

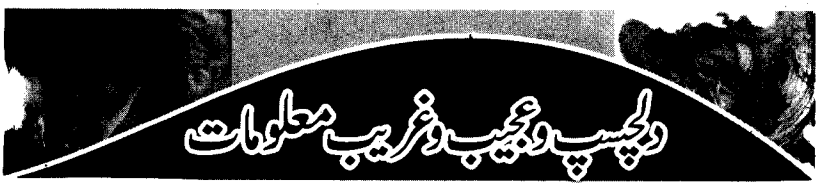

دلچسپ و عجیب و غریب معلومات

موت کا خوف

یوکشید نامی مصر کا سلطان زندگی کے آخری ایام میں اپنے قتل سے اتنا خوفزدہ تھا کہ ایک رات میں سونے کے لیے تین مختلف گھروں میں جایا کرتا تھا۔ یہ عمل اس کی زندگی کے آخری دم تک جاری رہا اور وہ کسی جگہ بھی تین گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہرتا تھا۔

☆☆☆

ننگے پاؤں چلنا

بلجیم غالباً دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں ننگے پاؤں چلنا جرم ہے۔ وہاں ننگے پاؤں چلنے والوں کو باقاعدہ سزا دی جاتی ہے۔

☆☆☆

چائے بطور دوا

یہ بات حیرت سے بھرپور ہے کہ چائے جو آج کل ایک مقبول اور عام مشروب ہے۔ کسی زمانے میں چین میں بطور دوا استعمال ہوتی تھی۔ یاد رہے کہ چائے کی ابتداء بھی چین سے ہوئی تھی۔

☆☆☆

پلک جھپکا کر برقی آلات کنٹرول کرنے والی عینک

سائنسدانوں نے ایک ایسی اسمارٹ عینک تیار کی ہے جسے پہن کر کوئی بھی شخص پلک جھپکاتے ہوئے برقی آلات کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ ماہرین نے ایک سینسر بنایا ہے جسے ٹرائبو الیکٹرک جنریٹر کہتے ہیں اور یہ ایک سادہ چشمے میں فٹ ہو جاتا ہے۔ اس خاص عینک کو پہن کر پلک جھپکائیں اور لائٹس بند کر دیں جبکہ یہ عینک معذور افراد کی آنکھوں کے اشارے سے خاص میسج بھی بھیج سکتی ہے۔ پولیمر (ربڑ کی طرح کا ایک خاص قسم کا مادہ) کی سطحوں اور دھات کی کوٹنگ پر مشتمل یہ سینسر آنکھ میچنے اور بند کرنے کی حرکات کو نوٹ کر کے ایک سگنل خارج کرتا ہے۔ اگر آپ عینک پہن کر لگاتار تین مرتبہ پلکیں جھپکائیں گے تو اسکرین کے الفاظ منتخب ہو جاتے ہیں اور کمپیوٹر پر لکھا آپ کا پیغام دوسروں تک پہنچ جاتا ہے۔

☆☆☆☆

پیدائش کا سن 786ء

خلیفہ بغداد ہارون الرشید کے سن پیدائش 786ء کی خصوصی اہمیت یہ ہے کہ اس سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعداد نکلتے ہیں۔

☆☆☆

لمبی عمر والا درخت

کیلی فورنیا کے کوہ سفید پر پایا جانے والا ایک پائنس دنیا میں سب سے زیادہ لمبی عمر والا درخت ہے۔ جس کی عمر کا اندازہ 4900 سال لگایا گیا ہے۔

☆☆☆

حیرت انگیز چشمہ

سمرقند (ازبکستان) کے پہاڑوں میں پانی کا ایک ایسا چشمہ ہے۔ جس کا پانی گرمیوں میں یخ ٹھنڈا اور سردیوں میں اس قدر گرم ہوتا ہے کہ اس کے اندر انڈہ

ابالا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

سب سے بڑی کرسی

کرسیاں بنانے کا بھی عالمی ریکارڈ ہے۔ دنیا کی سب سے پہلی بڑی کرسی 1944ء میں سویڈن میں بنائی گئی۔ اس کی اونچائی 9 میٹر اور چوڑائی 4 میٹر تھی۔ آپ خود سوچیں اس پر ایک آدمی بیٹھتا ہوگا یا کہ پورا خاندان۔ اسے سویڈن کی ایک بڑی فیکٹری کے سامنے نصب کیا گیا۔

☆☆☆

مسلمان خلاباز

دنیا کا پہلا مسلمان خلاباز سعودی عرب کا شہزادہ سلطان بن سلمان بن عبدالعزیز تھا جو امریکی اور فرانسیسی خلابازوں کے ساتھ خلائی شٹل ''ڈسکوری'' (Discovery) میں بیٹھ کر خلا پر گیا۔

نیل آرمسٹرانگ دنیا کا پہلا امریکی خلاباز تھا جب اس نے پہلی بار چاند پر قدم رکھا تو اس نے ہر طرف اذان کی گونج سنی۔ اسی سے متاثر ہوکر بعدازاں وہ مسلمان ہوگیا۔

☆☆☆

خوفناک رسم

نائیجیریا کے بعض قبیلوں میں لاش دفنانے کا طریقہ بڑی حد تک خوفناک ہے لیکن یہ رسم قبیلے کے سردار تک محدود ہے۔ جب کسی قبیلے کا سردار مر جاتا ہے تو اس کی لاش کو محل کے اس کمرے میں رکھا جاتا ہے جہاں شاہی تخت ہوتا ہے۔ اسی دوران رعایا' عمر رسیدہ عورتیں اور مختلف قبیلوں کے سردار آکر اسے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک ہفتے تک جاری رہتا ہے اور پھر 7واں دن آپہنچتا ہے۔ جب لاش دفنانے کی رسم بڑے خوفناک طور پر ادا کی جاتی ہے جس کی مثال دنیا کے کسی مہذب ملک میں نہیں ملتی۔ 7 ویں دن علی الصبح قبیلے کے تمام بزرگوں کی موجودگی میں لاش کے چار ٹکڑوں کو لے جاکر دیہات کے چار کونوں میں دفن کردیا جاتا ہے لیکن دل نکال کر رکھ لیا جاتا ہے اور ہونے والے نئے سردار اگر وہ مرحوم سردار کا بیٹا یا رشتہ دار نہ ہو جس سے اس کا خونی رشتہ ہو وہ دل کھلا دیا جاتا ہے۔ دل کھاتے ہی وہ قبیلے کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ دل کا کھانا ایک طرح کا حلفیہ اقرار ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کا خیرخواہ رہے گا اور مرنے والے بادشاہ کے ادھورے کاموں کو تکمیل تک پہنچائے گا۔ یہ خوفناک رسم آج بھی قائم ہے۔

☆☆☆

جھینگر

جھینگر ایک چھوٹا سا کیڑا ہے۔ یہ جسامت میں زیادہ سے زیادہ ایک انچ لمبا ہوتا ہے لیکن جب یہ آواز نکالتا ہے تو اس کی آواز ایک میل تک سنی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

گھوڑے اور مویشی

بیٹھے ہوئے گھوڑے اپنی اگلی ٹانگوں پر اٹھتے ہیں جبکہ دیگر مویشی جن میں گائیں' بھینسیں وغیرہ شامل ہیں پچھلی ٹانگوں پر اٹھتے ہیں۔

☆☆☆

نابینے دانشور

فارسی زبان کے پہلے شاعر رودکی' انگریزی کے مشہور شاعر ملٹن' اردو کے مشہور شاعر جرأت' مصر کے مشہور مصنف اور فلاسفر ابوالعلا اور وزیر تعلیم ڈاکٹر طٰہٰ حسین نابینا تھے۔

☆☆☆☆

ریشم کا باورچی خانہ

آپ اور آپ کے مہمانوں کی جان
چٹ پٹے اور مزیدار پکوان

عید الاضحیٰ اسپیشل

ہما نواب خان

کھڑے مصالحے کا بھنا گوشت

اجزاء:

گوشت	ایک کلو
پیاز	آدھا کلو
ثابت لال مرچ	آٹھ سے دس عدد
پسی ہوئی لال مرچ	حسب ضرورت
ثابت دھنیا	تین چائے کے چمچ
کالی مرچیں	حسب ضرورت
لونگ	بارہ عدد
ادرک کٹی ہوئی	تھوڑی سی
لہسن	سات عدد جوے
دہی	ایک پاؤ
تیل	ایک کپ

ترکیب:

ایک دیگچی میں گوشت اور تمام اجزاء گلانے کا پانی ڈال کر پکنے کو رکھ دیں۔ گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو کھڑے مصالحے کا بھنا گوشت تیار ہے۔ اس کھانے میں تمام مصالحے ثابت ڈالے جاتے ہیں۔

کشمیری گشتابے

بکرے کا گوشت	ایک کلو
یخنی	دو پیالی
نمک	حسب ذائقہ
ادرک پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
سیاہ زیرہ	دو چائے کا چمچ
سونف	دو چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	دو چائے کے چمچ
گرم مصالحہ پسا ہوا	دو چائے کے چمچ
چھوٹی الائچی	دو عدد
چینی	ایک چائے کا چمچ
فریش کریم	آدھی پیالی
دہی	آدھی پیالی
دودھ	ایک پیالی
گھی	آدھی پیالی

ترکیب:

گوشت کو چوپر میں پیسیں اور پیستے ہوئے اس میں

ادرک، سیاہ زیرہ، سونف، دھنیا، کالی مرچ اور ایک چمچ گرم مصالحہ ڈال دیں تھوڑی تھوڑی یخنی ساتھ میں ڈالتے جائیں، دو چمچ دہی اور ایک چمچ گھی بھی شامل کرلیں۔ اس مکسچر کو دس سے پندرہ منٹ فریج میں رکھ کر چھوٹے چھوٹے کوفتے بنالیں۔ دیگچی میں بقیہ گھی کو دو سے تین منٹ گرم کریں اور اس میں دودھ، دہی، کریم، چینی اور گرم مصالحہ ڈالیں۔ اس میں کوفتے ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر اتنی دیر پکائیں کہ شوربہ مکمل طور پر خشک ہو جائے۔ گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

☆☆☆☆

مصالحہ کباب

اجزاء: قیمے کیلئے:

قیمہ	آدھا کلو
لہسن، ادرک پیسٹ	چائے کا چمچ
نمک	چائے کا ایک چمچ
کٹی لال مرچ	چائے کا چمچ
زیرہ	چائے کا ایک چمچ
گھی	کھانے کے دو چمچ
پیاز (چاپ کی ہوئی)	3 عدد
ہری مرچ	3 عدد
ہرا دھنیا	(باریک چاپ کرلیں تھوڑا سا)
کارن فلور	کھانے کا ایک چمچہ

مصالحے کے لئے:

پیاز (چاپ کی ہوئی)	ایک عدد
لہسن پیسٹ	چائے کا ایک چمچ
ٹماٹر (چاپ کئے ہوئے)	6 سے 7 عدد
ہری مرچ	6 سے 7 عدد
ادرک لمبائی میں کٹی ہوئی	تھوڑی سی
تیل	1/4 کپ
قصوری میتھی	چائے کا ایک چمچہ
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:

تمام اشیاء کو مکس کریں اور 1/2 گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ پھر لمبے کباب بنائیں اور ہلکے فرائی کریں اور انہیں کوئلے کا دھواں دے دیں۔ دوسری دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز فرائی کریں۔ پیاز لائٹ براؤن کرنے کے بعد لہسن ڈال دیں۔ پھر ٹماٹر ڈالیں اور بھونیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو پانی ڈال دیں اور ساتھ میں کباب ڈال دیں۔ ہری مرچ، میتھی، ادرک اور ہرا دھنیا ڈال کر 5 منٹ تک دم دے دیں۔

☆☆☆☆

مزیدار فرائی کلیجی

اجزاء:

کلیجی	ایک کلو
ہری مرچ	5 عدد
ہری پیاز	ایک پاؤ
ٹماٹر	ایک پاؤ
پسی لال مرچ	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	ایک پوتھی
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

کلیجی کو دھولیں اور پانی کے علاوہ لہسن ڈال کر اسے اچھی طرح ابال لیں تاکہ بساند نکل جائے، کلیجی کا پانی نکال کر پھینک دیں اور دوسری دیگچی میں گھی گرم کریں۔ گھی گرم ہو جائے تو اس میں کلیجی ڈال کر فرائی کریں۔ چند منٹ بعد اس میں پیاز باریک کاٹ کر آدھی ملائیں اور

آدھی بچالیں جب یہ مرکب پکنے لگے تو باقی کتری ہوئی پیاز، ہری مرچ، ٹماٹر اور ابلے ہوئے لہسن کے جوے، پسی لال مرچ اور نمک کے ہمراہ اس میں شامل کر دیں۔ چند منٹ پکنے دیں اس کے بعد پانی خشک کر لیں اور کلیجی بھون لیں۔ بھوننے کے بعد ہرا دھنیا کتر کر ڈال دیں۔

☆☆☆

مٹن گرین کڑاہی

اجزاء:

بکرے کا گوشت	ایک کلو
لہسن چھلا ہوا	دو کھانے کے چمچ
ادرک باریک کٹی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
دہی پھینٹا ہوا	آدھی پیالی
ہری مرچیں پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
آئل	آدھی پیالی

ترکیب:

کڑاہی میں ایک کھانے کا چمچ آئل ڈال کر درمیانی آنچ پر ایک سے دو منٹ گرم کریں پھر اس میں لہسن اور گوشت ڈال کر چار سے پانچ منٹ بھونیں۔ ہری مرچیں، کالی مرچ، سفید زیرہ اور ثابت دھنیا ڈال کر دو سے تین منٹ بھونیں۔ پھر ایک پیالی پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے رکھ دیں۔ جب گوشت گلنے پر آجائے تو نمک، دہی اور آئل ڈال کر اتنی دیر بھونیں کہ ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں اور تیل علیحدہ ہو جائے۔ آخر میں ادرک اور ہرا دھنیا چھڑک کر ہلکی آنچ پر تین سے چار منٹ دم پر رکھ دیں۔ پھر ڈش میں نکال کر نان یا

پراٹھوں کے ساتھ اس زبردست کڑاہی کا مزہ لیں۔

☆☆☆☆

ریشمی کباب

اجزا:

قیمہ	1 کلو
کشمیری مرچ	1 چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	2 کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	3 عدد
پیاز پیسٹ	1/2 کپ
ادرک لہسن پیسٹ	1,1 کھانے کا چمچ
کالی مرچ	1 چائے کا چمچ
کچا پپیتا	2 کھانے چمچ
انڈے	2 عدد
ڈبل روٹی	2 سلائس
نمک	حسب ذائقہ
آئل	فرائی کے لیے

ترکیب:

قیمہ میں مرچ، ہرا دھنیا، پیاز (باریک کاٹ لیں) لہسن، ادرک، کالی مرچ، پپیتا، انڈے، نمک ڈال کر کباب بنا لیں پھر ان کو فرائی کر لیں آئل میں آخر میں کوئلہ گرم کر کے ڈبل روٹی کے پیس پر رکھیں اور اس پر آئل ڈالیں اور 1 منٹ کے لئے دم پر رکھ دیں۔ پیش کرنے سے پہلے کوئلہ ہٹا لیں اور ہری مرچیں اور دھنیا ڈال کر پیش کریں۔

رنگ میں بھنگ

انجم انصار

نیا قانون

سب سے زیادہ کیا چلتا ہے؟ کسی سے بھی یہ سوال کر لیں..... وہ یہی جواب دے گا کہ سب سے زیادہ منہ چلتا ہے۔

جتنی دل چاہے باتیں کر لو..... اور جتنا دل چاہے کھاتے چلے جاؤ، کبھی دل نہ بھرے اور نہ ہی نیت۔

ہماری فیملی کے لیے یہ خاص بات ہے کہ ہر فرد ہی کم سخن اس لحاظ سے ہے کہ دوسرے کو بولنے کا موقع دیتا ہیں۔ مگر کھانے پینے کے معاملے میں ہر شخص اپنا رائ رڈ خود توڑتا نظر آتا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ منہ چلانے والوں میں گھر کے تمام اراکین شامل ہیں۔

یوں تو ہر جگہ ہی کھانے کے تین اوقات معین ہوتے ہیں، صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا۔ مگر ہمارے ہاں نہ ٹائم کی پابندی ہے اور نہ کھانے کی۔ جس کو جتنا بھی کھانا ہے..... اور کتنی مرتبہ بھی کھانا ہے، وہ کھا سکتا ہے اس لیے ڈائننگ ٹیبل ہر وقت بھری پڑی رہتی ہے۔

ملازم کا کام یہ ہوتا ہے کہ میز سے استعمال شدہ پلیٹیں چمچے اور گلاس اٹھا کر انہیں دھو کر دوبارہ رکھتا ہے کہ کسی بھی وجہ سے ہاتھ اور منہ رکنے میں تاخیر کا کوئی سبب آڑے نہ آئے۔

ہم لوگ دعوتوں میں بھی بہت شوق سے جاتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں، لوگ دہل کر رہ جاتے ہیں، اکثر خواتین تو آیات قرآنی کا ورد کرنے لگتی ہیں کہ دیگر مہمانوں کو کوئی شکایت نہ رہے۔

ہم لوگ مہذب قسم کے لوگ ہیں۔ اگر ہماری کوئی دعوت نہیں کرتا ہے تو اس کا زیادہ برا مانتے ہیں۔ اب جیسے بڑی مامی پر ہماری چار دعوتیں چڑھی ہوئی تھیں مگر وہ ٹالے چلی جا رہی تھیں۔ کبھی خواہ مخواہ کا درد ان کی ٹانگوں میں ہو جاتا اور وہ مہمانوں کے سامنے اپنے درد کی ایسی ایسی پرفارمنس دیتیں کہ غصہ آتا۔ دیوار پکڑ کر چلتیں۔ ہر قدم بڑھانے میں آہیں بھرتیں اور اپنے آپ کو فلمی صلواتیں الگ سناتیں۔ (ہم اپنے گھر آ کر گھنٹوں ان کی نقلیں اتارا کرتے)

اور ہمارے سامنے دعوت کا ذکر تو کیا، کھانے پینے کی چیزوں کا نام لینے تک سے گریز کرتیں اور ہم گھر میں بیٹھ کر انہیں اچھا خاصا برا بھلا کہا کرتے (چالاک لوگوں کی کمی نہیں ہے)

پھر خدا کا کرنا ہوا کہ مرغیوں کی بیماری کی خبر ایسی پھیلی کہ اچھے اچھے مرغی خوروں نے مرغی کھانا چھوڑ دی..... تب بڑی مامی کو ہماری دعوت کا خیال آیا۔ دعوت قبول کرنے میں ہم نے لمحہ بھر کی دیر نہیں لگائی۔ ہم نے کیسی اچھی اچھی ان کی دعوتیں کی تھیں اور وہ خوب ٹھونس کر گئی تھیں۔

بڑی ممانی جو اپنی دعوتوں میں منے سے پیالے میں مرغی کا قورمہ رکھا کرتی تھیں اور اب اس دعوت میں انہوں نے ہر چیز مرغی کی بنائی تھی۔ بس کسٹرڈ انہوں نے کسی طرح دودھ کا بنا لیا تھا ورنہ ان کا بس چلتا تو وہ بھی کسی بیمار مرغی کو پیس کر اس کا میٹھا بنا لیتیں۔

''مامی! آپ نے تو حد کر دی، ہر چیز مرغی کی بنائی ہے۔'' میں نے تمسخر سے کہا۔

''لوگ خواہ مخواہ کی افواہیں اڑاتے ہیں اور پھر ہم نے تو خوب بھون کر پکائی ہے۔ اتنی دیر تک پکنے میں اس کے سارے جراثیم بھی جل گئے ہوں گے۔''

'' گائے کے گوشت کے کباب آپ ہمیشہ بناتی تھیں، آپ نے وہ بھی مرغی کے بنا لیے.....؟'' امی نے حیرت کے ساتھ ان سے پوچھا۔

''ٹی وی میں دیکھا تھا، اب گائے پاگل ہوگئی ہیں، اس لیے مارے ڈر کے گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ چلتر پنے سے بولیں۔

'' اے ہے، قورمہ بکرے کے گوشت کا بنا لیتیں.....؟'' اماں بھی طنز کرنے کا کوئی موقع چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھیں۔

'' بکرے کے گوشت میں ہراند آتی ہے۔ ایسا بھکی گوشت کس سے کھایا جاتا..... میں نے تو ہر چیز مرغی کی بنائی ہے کہ سنا ہے تمہارے گھرانے کو کولیسٹرول کی زیادتی کا مرض بھی لاحق ہے۔'' (انہوں نے مزید احسان دھرا)

بیمار مرغیوں کے خدشات کے باوجود سب نے خوب رج کر کھایا مگر گھر میں آکر ہر شخص مسلسل بڑی مامی پر صلواتیں سنا رہا تھا۔ برتنوں کی بری کوالٹی سے لے کر مختلف ڈیزائنوں کے گلاس تک، ہر بات ہمارے دل کو آگ ہی لگا رہی تھی۔ گھر میں کسی کو چھینک بھی آتی تو وہ بھی بیمار مرغیوں کے خانے میں جاتی جو انہوں نے پندرہ دن پہلے ہمیں کھلائی تھیں۔ ایسی دعوتیں کرنے والوں کو ہم لوگ موجب سزا سمجھتے ہیں۔ مگر آہ، ہمارے ہاں ایسا کوئی قانون ابھی تک لاگو نہیں ہے۔ اگر ایسا قانون بن جائے تو بے شمار لوگ جیلوں میں بند نظر آئیں۔

کاش..... یہ نیا قانون جلد بن جائے تو پھر دیکھئے گا کہ میں بڑی مامی کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔

بڑی آپا کا تو یہاں تک خیال ہے، مرغی والوں نے جو مری ہوئی مرغیاں پھینکی ہوں گی، مامی نے سارے آئٹم ان سے ہی تیار کیے ہوں گے کہ اس دن انہوں نے اپنی طبیعت خرابی کے بہانے کے باعث ہمارے ساتھ ایک نوالہ بھی نہیں کھایا تھا۔

کیوں نہیں کھایا تھا؟ اس کی وجوہات سوچ کر ہی دماغ میں الاؤ دہک رہا ہے۔ جس کو کوئی بجھانے والا بھی نہیں ہے۔

☆☆☆☆

دل کا دریا.....!

صابرہ آپا کی بھی برداشت کی حد تھی، کوئی اور ہوتا تو اپنی مرضی ضرور چلاتا۔ اب فرحت کا دماغ ہی تو خراب تھا کہ بھری تھالیوں پر لاتیں چلا رہی تھیں۔ صابرہ آپا ایک تو بڑی مشکلوں سے اپنے ملنے والوں کے طفیل ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس کے لیے رشتے تلاش کرتیں اور فرحت ایسے روکھے پن سے ''نہ'' کا ہنکارا مارتیں کہ غصہ ہی آجاتا۔

اپنی ''نہ'' کرنے کی تاویلیں اس کے پاس بے شمار تھیں۔

''سراج سے اس لیے شادی نہیں کرنی کہ اس کی تازہ تازہ بیوی مری ہے۔ اس کی گفتگو سے کافور کے بھپکے آتے ہیں۔ سعید الدین کی داڑھی چھدری ہے۔ اچھی نہیں لگتی۔ ثاقب جمیل کی شکل ڈراؤنی ہے، شوکت نثار کی آواز گرج دار ہے، احسن مرزا کی آواز زنانی ہے، شاہد وودود کی چال مستانی ہے۔''

''مگر حفیظ ماسٹر تو بہت اچھا ہے۔ اس کے رشتے کو کیوں منع کرتی ہے؟'' صابرہ آپا دکھ کے ساتھ پوچھ

رہی تھیں۔

''ماسٹر سے شادی کر کے اپنی زندگی ضیق کروانی ہے، کسی صورت میں ماسٹر سے شادی نہیں کروں گی۔''

صباحت کے باؤلے پنے کی رٹ بدستور قائم تھی۔

''پاگل ہے ناں کم بخت، لوگ پڑھے لکھے لوگوں کو پسند کرتے ہیں اور تو تعلیم یافتہ میں عیب نکال رہی ہے۔''

''اماں، ماسٹر سے شادی کر کے گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ ناچنا پڑے گا، آپ کو کیا معلوم ماسٹر ساڑھے بارہ بجے سکول سے واپس آ کر روٹی مانگے گا۔ اگر گھاگ قسم کا ماسٹر ہوا تو جائے گا بھی دیر سے۔ سال کی پچیس پکی چھٹیاں، پندرہ میڈیکل کی، ڈھائی مہینے کی گرمیوں کی تعطیلات، دس دن کی سردیوں کی۔ سکول میٹرک، انٹر کا سینٹر بنا تو پھر چھٹیاں۔ اور یہ کراچی شہر ہنگاموں اور کرفیو کا شہر، یہاں تو سکول بھی کبھی کبھار ہی کھلتے ہیں۔ بن مانگی چھٹیوں میں تو وہ میرا جینا حرام کر دے گا۔ مجھے نہیں چاہیے ایسا شوہر جو ہمہ وقت میرے پیچھے گھوم کر میرا جینا عذاب کر دے۔''

''اری پاگل، آج کل کی لڑکیاں ایسے شوہر پسند کرتی ہیں جو اپنی بیوی کے پیچھے پیچھے گھومتے رہیں اور سسرال میں ان کا ہی راج ہو۔ بھرے سسرال کو آج کل کون سی لڑکی پسند کرتی ہے، زیادہ تر لڑکیاں یہی سوچتی ہیں کہ میاں بے شک ایک آنکھ کا ہو مگر سسرال کا بکھیڑا نہ رکھتا ہو۔ تو تو اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ حفیظ تعلیم یافتہ ہے گورنمنٹ سکول کا ملازم اور پھر شہزادے کی طرح بالکل اکیلا بھی۔''

''ارے اماں، لڑکیوں کا کیا ہے، اگر یتیم خانے والے اپنے لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں تو شہر بھر کی لڑکیاں پہلے وہاں بھاگیں مگر مجھے حفیظ اس وجہ سے ناپسند ہیں کہ وہ پندرہ سال سے سکول ماسٹر ہیں۔ ہر وقت تو ان کی نظریں کلائی کی گھڑی پر ناچیں گی۔ میں دو گھنٹے کے لیے سونے کے لیے بھی لیٹوں گی تو موصوف کو یوں لگے گا کہ میں چار پیریڈ فری رہی۔ ہر کام، ہر بات اپنے موڈ کے حساب سے چاہیں گے۔ دوسرے کی بات سننا ان کا منصب نہیں ہو گا اور کس قدر جھکی ہوں گے، اس کا اندازہ میں نے بردکھوے والے دن ہی لگا لیا تھا، جب موصوف نظریں جھکائے، مجھ سے کہہ رہے تھے۔

''فرحت صاحبہ، آپ اپنے بارے میں مفصل بتائیے کہ آپ کے شوق و ذوق کیا ہیں؟ میں تو آپ کو نوٹ کرا چکا ہوں کہ ہر بات کے معاشرتی اور نفسیاتی جواز اخذ کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔''

''ارے، وہ تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ ڈائیلاگ تو تجھ سے بولنے سے رہا تھا، آخر کچھ تو بات کرتا، کچھ نہ بولتا، تو تو اسے گونگا کہہ دیتی۔ بے چارہ دو چار جملے کہہ گیا۔ تو تو اس کے دس معنی اخذ کرنے بیٹھ گئی۔''

''اماں، میں بھی تو آخر سکول ٹیچر ہوں۔ ایک بات کی دس باتیں اخذ کرنا میرا معمول ہے۔ کوئی سیدھی بات بھی کرے تو میں اسے پہلے ٹیڑھی کر کے دیکھتی ہوں، ان معمولات سے نہ میں چھٹکارا پا سکتی ہوں اور نہ وہ تو پھر کیا فائدہ، ایک دوسرے کا جی جلانے سے۔ اس سے بہتر کیا یہ نہیں کہ ہم علیحدہ علیحدہ دل کے دیئے جلائیں۔ کسی نہ کسی کو آخر کار پا ہی لیں گے، ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ یوں بھی بے چاری ٹیچروں کی شادیاں دیر سے ہی ہوتی ہیں۔ مگر ہو ضرور جاتی ہیں۔

☆☆☆

نامور شعراء کرام کی بہترین غزلیات کا گلدستہ

پاک فوج

مرے وطن کے عظیم لشکر، میں کیوں نہ کہہ دوں
کہ ہم نے سونپی ہے ذمہ داری
خیال رکھنا ہے سرحدوں کا
کمال جرأت سے تم نے اپنی قسم نبھائی، نبھا رہے ہو
وطن کے اندر، وطن سے باہر، وطن کی سرحد
تمہارے جذبوں، تمہارے قدموں، تمہاری جرأت کی
داستاں ہیں
شہید تم ہو، تمہی ہو غازی، گلاب تم ہو
تمہارے جسموں سے جب بھی گرتے ہیں
خوں کے قطرے
بدن تمہارے گلاب جیسے، گریں کبھی تو
حسین دھرتی کے ذرے ذرے
سلام کرتے ہیں گیت گا کر
جہانِ عظمت میں سر اُٹھا کر
نشانِ حیدر تمہیں عطا کر
عظیم دھرتی بدن میں اپنے تمہیں سجا کر
تمہاری عظمت، تمہاری شوکت پہ ناز کرتی
سوال بن کر وہ پوچھتی ہے
منافقینِ وطن بتاؤ
وطن پرستی یہ میرے بیٹوں کی ہے نہیں تو!
بتاؤ کیا ہے؟

﴿گل بخشالوی، کھاریاں﴾

♥♥♥♥♥♥

غزل

کتنے ہی ڈور سانس کی نام و نمود خاک
ہونا ہے ایک روز یہ قصرِ وجود خاک
ٹوٹا کسی کا دل جو گرا دوسری طرف
میزان میں پڑا ترا زعمِ سجود خاک
تجسیم کر رہا ہے وہ دستِ کمال سے
آتش پرست، دہرے، مسلم، ہنود خاک
اس محفلِ طرب میں نہیں چاشنی کوئی
دل میں رمق نہ ہو اگر، بزمِ سرود خاک
بڑھنے لگے ہیں چار سو رسموں کے دائرے
ٹھوکر لگا کے پاؤں کی کردوں قیود خاک
یہ قوم ان ہی راستوں پہ چل پڑی ہے پھر
جن پر ہوئیں تھیں ایک دن عاد و ثمود خاک
سینے میں کوئی آگ ہے ارشد لگی ہوئی
ورنہ ہماری آنکھ سے اٹھتا یہ دود، خاک

﴿ارشد محمود ارشد، سرگودھا﴾

♥♥♥♥♥♥

غزل

چہچہاتی بولتی آنکھوں کا اُونچا شور ہے
شام کے دھندلے شجر پر کتنا اچھا شور ہے
آشنائی کا سفر تھا اور کتنی خامشی
واپسی کا راستہ ہے اور کتنا شور ہے
ذات کی تنہائی میں ہوتا نہیں کوئی شریک

بند ہیں گاڑی کے شیشے ،اندر اپنا شور ہے
دور کے والان سے آتی صداؤں کی مہک
اور اُبلتے چاولوں کا دھیما دھیما شور ہے
وہ ہے خالی گھر کی صورت ، میں بھرا بازار ہوں
اُس کے جیسی خامشی ہے، میرے جیسا شور ہے
شہر سے بہتر تو ویرانے کا سناٹا ہی تھا
کیسی کیسی بولیاں ہیں ، کیسا کیسا شور ہے
ختم کر ڈالے گا اک پل میں سکوتِ بے دلی
کھیل کے میدان سے آیا ہے ، زندہ شور ہے
رات کے پچھلے پہر کا ہے صدا جنگل سمجھ
میری خاموشی کے اندر بے تحاشا شور ہے
اِس طرف آتا نہیں کوئی کہ اُس سے پوچھ لوں
آسماں کے پار سے اُٹھتا یہ کیسا شور ہے؟
کان میں کہرام ، دل میں کھولتی آواز کا
لوگ لب بستہ ہیں ، چہروں سے اُبلتا شور ہے
ہاوہو ، فریاد ، چیخیں ، نالۂ دل دادہ گاں
جھوٹ ہیں سارے دلاسے اور سچا شور ہے

﴿میجر شہزاد نیر، کوئٹہ﴾

♥♥♥♥♥

غزل

منظر تصورات کے عنقا نہیں ہوئے
لیکن سخن میں معنی کے در وا نہیں ہوئے
اب کے بھی بوند بوند سمندر ہی پی گیا
سیراب اب کی بار بھی صحرا نہیں ہوئے
گھائل ہوئے تھے دونوں کبھی ایک تیر سے
قلب و نگاہ بعد میں یکجا نہیں ہوئے
یہ فیصلہ زمانے پہ ہم چھوڑ آئے ہیں
یعنی خود اپنے عشق کا دعویٰ نہیں ہوئے
جنسِ ہنر کو لے کے نہیں دربدر گئے
ہم طالبِ ستائشِ دنیا نہیں ہوئے
دریائے فن میں گو رہے تا عمر غوطہ زن
مضمون تشنگی سے مبرا نہیں ہوئے
کیا اب بھی ایک اور قیامت گزرنی ہے
کب حشر اس زمین پہ برپا نہیں ہوئے
وہ جو کبھی حدود سے آگے نہیں گئے
جاذب کسی محاذ پہ پسپا نہیں ہوئے

﴿محمد اکرم جاذب، منڈی بہاؤلدین﴾

♥♥♥♥♥

غزل

لگی دل لگی ہو تو کیا کیجیے
اگر غم خوشی ہو تو کیا کیجیے
ہنسوں کھل کھلا کے یہ سوچا تو ہے
ہنسی چیخ سی ہو تو کیا کیجیے
یہ دل رو رہا ہے مگر درد سے
لبوں پر ہنسی ہو تو کیا کیجیے
ترے پاس سب کچھ ہے فضلِ خدا
وفا کی کمی ہو تو کیا کیجیے
پتنگ کی طرح کٹ کے اُڑتے رہے
ہوا سر پھری ہو تو کیا کیجیے
محبت تڑپ اور غم امتیاز
یہی شاعری ہو تو کیا کیجیے

﴿الیس امتیاز احمد، کراچی﴾

♥♥♥♥♥

غزل

نہ آؤ تو نظارے روٹھ جاتے ہیں
فلک کے چاند تارے روٹھ جاتے ہیں
ذرا سی دیر ہوجائے جو آنے میں
تو گھر کے لوگ سارے روٹھ جاتے ہیں
تمہارا ذکر کرنا بھول جاؤں تو

تمہارے غم کے مارے روٹھ جاتے ہیں
کسی کی بے رخی کا کیا گلہ کرنا
تلاطم میں کنارے روٹھ جاتے ہیں
عجب ہی ماجرہ ہے کیا کیا جائے
ضیا ہو تو ستارے روٹھ جاتے ہیں
بتا سکتا نہیں کیا لطف آتا ہے
وہ جب کرکے اشارے روٹھ جاتے ہیں
کبھی کاجل بھری آنکھیں ہوئی برہم
کبھی گیسو سنوارے روٹھ جاتے ہیں
تمہارے روٹھنے سے یوں بھی ہوتا ہے
مرے احباب سارے روٹھ جاتے ہیں
بھلا اُن کا کوئی جیتا ہے دنیا میں
جہاں میں جن کے پیارے روٹھ جاتے ہیں
مرے یار اعظمی جی کج ادا ٹھہرے
بہانے سے وہ سارے روٹھ جاتے ہیں
﴿محمد طفیل اعظمی، لاہور کینٹ﴾

♥♥♥♥♥

غزل

ہم کہ جتنے بھی داغ رکھتے ہیں
لوگ ان کے سراغ رکھتے ہیں
بوئے جدت ہے ان کے شعروں میں
جو خیالوں کے باغ رکھتے ہیں
شب کی ٹوٹی ہوئی فصیلوں پر
ہم جلا کر چراغ رکھتے ہیں
ان کی باتوں پہ کیوں یقین کریں
کچھ تو ہم بھی دماغ رکھتے ہیں
دن میں مصروف رہنے والے ہی
شب میں اکثر فراغ رکھتے ہیں
صرف لاکر شراب دے ساقی
پینے والے ایاغ رکھتے ہیں
اس جہاں میں تری طرح صابر
ہم بھی اپنا سراغ رکھتے ہیں
﴿صابر عظیم آبادی، کراچی﴾

♥♥♥♥♥♥

تتلی

نجانے کہاں سے یہ آتی ہے تتلی
گلوں کو ادائیں دکھاتی ہے تتلی
دکھوں میں بھی دیتی ہے دل کو تسلی
سکھوں میں بھی وہ گیت گاتی ہے تتلی
چُرا کر گلوں سے وفاؤں کی خوشبو
پھر اپنے ہی اشکوں نہاتی ہے تتلی
مسرت کے پھول اب سب میں لٹا کر
جدائی کے آنسو بہاتی ہے تتلی
بڑھا کر توانائی اپنی اُڑاں میں
دلوں میں بھی الفت جگاتی ہے تتلی
بہاروں خزاؤں کی بے رونقی کو !
اداؤں سے دم دم سجاتی ہے تتلی
محبت کی خوشیاں حسن سے ہی پوچھو
مرے من کو کیسے لبھاتی ہے تتلی
﴿ایم حسن نظامی، قبولہ شریف﴾

♥♥♥♥♥♥

شریکِ حیات کے نام ایک نظم

اے مرے ہم سفر
ساتھ تیرے جو بیتے ہیں دن
راحتوں میں گزرتے ہیں سب
ہاں! محبتوں میں ہی سب گزارے ہیں دن
سب منافع میں میں نے شمارے ہیں دن
شکر یہ تیرا کہ
تو نے گرتے کو سنبھالا ہے

میرے غم کو تو نے اپنی
ان محبتوں سے سنبھالا ہے
اب کبھی جو اکیلا ہوتا ہوں
سوچتا ہوں کہ گر
تو نہ ملتی تو میں
ٹوٹ کر کب کا بکھر گیا ہوتا
کرچیوں میں ہی بٹ گیا ہوتا
شکریہ تیرا کہ
تو نے گرتے کو سنبھالا ہے
مجھ کو پھر سے بنا ڈالا ہے

{عبدالرؤف سمرا، خانیوال}

♥♥♥♥♥♥

غزل

تری ہی عطا کا سہارا ضروری
اگر ہے بچھڑنا ہمارا ضروری
صنم ہے شناسا وہ اثاثہ
ہے اپنا ملن یہ خدارا ضروری
ہمیں تو خبر ہی نہیں کچھ جہاں کی
ہے دل کو ترا ہی نظارا ضروری
خوشی میں مگن ہے یہ سارا جہاں تو
ہمیں بھی ملے اب اشارا ضروری
دفا تو نہیں ہے دغا بھی نہیں ہے
ہے پھر بھی ترا ہی اجارا ضروری

{معصومہ ارشاد سولنگی، سندھ}

♥♥♥♥♥♥

غزل

تڑپ رہا ہے زمانے سے بسملِ گریہ
کرم کے ہاتھ پہ رکھا نہیں دلِ گریہ
یہ گھر نہیں یہ حرم ہے خراب حالوں کا
یہاں پہ بجتی ہے ہر روز محفلِ گریہ
انا کے دشت سے باغِ ندا تک آئے ہیں
نہ یارِ غار تھا کوئی نہ شاملِ گریہ
ہر ایک رنگِ ملامت سے روشناس ہوئے
بجز ہوا ہی نہیں کچھ بھی حاصلِ گریہ
میں اُس مقامِ تحیر پہ ہوں جہاں عادل
قدم سے خود ہی لپٹتی ہے منزلِ گریہ

{عزیز عادل، مردان}

♥♥♥♥♥♥

غزل

وہ یوں ہیں دوستو مرے اشعار منفرد
میں لاتا ہوں ردیفیں لگاتار منفرد
سرقہ کا داغ میرے سخن میں کہیں نہیں
میری ہر اک زمین چمکدار منفرد
شاید سمجھ گیا ہے وہ میرے مزاج کو
دینے لگا ہے داد مرا یار منفرد
دینے لگا ہے درسِ محبت وہ آج کل
کرنے لگا ہے پیار کا اقرار منفرد
یہ کیا ؟ جو تم نے پہلے کہے تھے وہی تو ہیں
مصرعے کوئی دکھاؤ تو دو چار منفرد
تو قافلے سے ہٹ کے الگ سمت چل پڑا
تو ہوگیا ہے یار سمجھدار منفرد
فنکار کو قبول نہیں مال و زر میاں
یہ مال منفرد ہے خریدار منفرد
بالے پہ میرے آ کے تڑپ کر وہ مر گیا
اس نے کیا ہے آخری دیدار منفرد
عارف میں عزمِ زورِ قلم کا سپاہی ہوں
میں مر گیا تو ہونگے عزادار منفرد

{عارف نظیر، کراچی}

♥♥♥♥♥♥

ریشمی سندیسے

کسی اپنے کے نام

جب کوئی اپنا کسی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو اس وقت دل پر نجانے کیا گزرتی ہے، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ دنیا کی رنگینیاں مانند پڑنے لگتی ہیں۔ اسی طرح میرا بھی کوئی اپنا مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ بس ایک اس کی محبت ہی ہمارے دل میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ جہاں اس سے بچھڑنے کا دکھ ہے۔ وہاں دل کو ایک خوشی بھی ہوتی ہے کہ اتنے عرصے بعد اس نے میرے پیار کو میری دوستی کو میری تڑپ کو سمجھا اور یہی پل میرے دل کے ارمان تھے کہ کاش وہ مجھے اپنا سمجھے۔ میری دوستی، میرا پیار حتیٰ کہ میرا سب کچھ اسی کے لیے ہی تو ہے۔ کاش وہ لمحات جو تم نے میرے ساتھ گزارے وہیں تھم جاتے۔ لیکن ایسا کب ہوتا ہے۔ یہ وقت بھی بڑا ہی بے رحم ہے۔ اسے تو ذرا بھی احساس نہیں ہوتا اور اپنی مخصوص رفتار سے چلتا ہی رہا اور نجانے وہ لمحات بیت گئے اور ہمارے نا چاہتے ہوئے بھی ہم سے جدا ہو گئے۔

روح تک بھی نیلام ہو جاتی ہے بازار عشق میں
اتنا آسان نہیں ہوتا کسی کو اپنا بنا لینا.....!

(مقصود احمد بلوچ، میاں چنوں)

نوجوان کے نام

میں آج ان نوجوانوں سے مخاطب ہوں۔ خدارا ''محبت'' کی پاکیزگی اس کی خوبصورتی، اس کے مفہوم کو اس کی اہمیت کو، اس کے رتبے کو..... اس کی سچائی کو مسخ نہ کریں، پامال نہ کریں، برباد نہ کریں، تباہ نہ کریں..... محبت و عشق، دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے عشق مجازی اور ایک عشق حقیقی۔ حقیقی تو اس رب سے کیا جاتا ہے جس کی حاکمیت اس کائنات کے ذرے ذرے پر ہے..... وہ انسان کو محبوب بنا دیتا ہے۔ ''حق اللہ ہو'' کا ورد کرنے والا۔

دوسرا مجازی..... خدارا جب ہم ایک دوسرے سے محبت یا عشق کرتے ہیں تو پورے خلوص، سچائی ایمانداری کے ساتھ کریں۔ بے لوث اور بے مول کریں، دل کی تمام تر گہرائیوں سے کریں۔ عہد اور وعدے کریں تو پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ کریں۔ محبت، پیار، عشق، چاہت کو کھیل نہ سمجھیں نہ کھیل بنائیں۔ کسی کے ارمانوں اور جذبوں کو مجروح نہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کو نظر میں رکھیں۔ کسی سے محبت کریں تو سچی پاکیزہ ہو اور اسے بخیر انجام دیں۔ اس کو آخری منزل پر پہنچائیں اسے اپنی عزت اور اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ آج ہی میں نے فیس بک پر ایک کہانی پڑھی بہت دکھ ہوا۔ میرے بچوں..... فلرٹ کرنا بہت بڑا اخلاقی جرم ہے۔ پیارے بچوں زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف راغب ہو جاؤ۔ ہزاروں برائیوں اور کوتاہیوں سے بچ جاؤ گے۔ بہت زیادہ لکھنا چاہتی ہوں لیکن وقت اور صفحات کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر رہے

(مسز نگہت غفار، کراچی)

آپ کے روبرو

ملاقات: ممتاز احمد

انٹرویو: مجید احمد جائی

السلام علیکم! قارئین بتاتا چلوں کہ میرا رابطہ ایک ڈائجسٹ کے پلیٹ فارم سے مجید احمد جائی سے ہوا، ان کے خطوط اور کہانیاں پڑھ کر ان سے رابطہ کرنے کی درخواست کی۔ تب سے آج تک ہمارا رشتہ محبتوں بھرا ہے۔ ہم ادبی باتیں کرتے ہیں۔ لکھنے لکھانے کی باتیں کرتے ہیں۔ مجید احمد جائی کی بدولت ہی میں، ریشم کے پلیٹ فارم میں آیا۔ میری کتاب کی کمپوزنگ سے مشورات تک اُن کا ہاتھ ہے۔ اپنے علاقے میں ادبی لائبریری کے نام سے لوگوں کو علم اور شعور کی طرف گامزن کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ میں نے چاہا کیوں نا اُن سے آپ کی ملاقات کرائی جائے یقیناً آپ اُن کو عرصہ سے جانتے ہوں گے پھر بھی میری خواہش پر اُنہوں نے انٹرویو دیا۔

سوال: آپ کا اصل اور پورا نام کیا ہے؟

جواب: میرا نام مجید احمد ''جائی'' تخلص ہے جو کہ میری ذات سے اُخذ ہے، میری قوم جٹ جائی ہے۔ مجید احمد جائی کے مکمل نام سے لکھتا ہوں۔

سوال: تاریخ پیدائش، سن اور رہائش کیا ہے۔

جواب: میری تاریخ پیدائش 20 اگست 1984 بروز پیر ہے۔ صبح سحری کے وقت پیدا ہوا۔ مستقل رہائش ملتان کے نواحی گاؤں ''چاہ جائی والا'' ہے جو کہ میرا آبائی گاؤں ہے۔

سوال: تعلیمی قابلیت کیا ہے؟

جواب: ایم اردو کے ایگزام چل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر کورس کر چکا ہوں جن میں آئی ٹی، کورل ڈرا، گرافکس، ان پیج وغیرہ شامل ہیں۔

سوال: اپنی فیملی کے بارے بتائیں کون کون ہیں۔؟

جواب: میری فیملی میں امی جان، میرے علاوہ تین بھائی، دو بہنیں ہیں۔ ابو جان تین سال قبل وفات پا چکے ہیں۔ میری اور بڑے بھائی کی شادی ہو چکی ہے۔ بھائی کے دو بچے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بہن کی شادی ہو چکی ہے جس کی تین بیٹیاں ہیں۔ تینوں ہی مجھے اپنی جان سے پیاری ہیں۔ ماشاءاللہ سارے ہی پڑھے لکھے ہیں۔ یوں سمجھیں تعلیمی فیملی ہے۔ سب سے چھوٹی بہن سرکاری سکول میں ٹیچر ہے۔

سوال: آپ کو موسم کون سا پسند ہے؟

جواب: دِل کے ہزاروں موسم ہوتے ہیں اور اِنسان زیادہ دِل کی مانتا ہے۔ ان ہزار موسموں سے اللہ تعالیٰ نے چار موسم دِل سے باہر آشکار کیے ہیں اور مجھے ساون، برساتی موسم اچھا لگتا ہے۔ بھیگ جانا اچھا لگتا

ہے۔جب دل اور آنکھیں دونوں بھیگتے ہیں پانی چاہے بارش کا ہو یا آنسوؤں کا بھلا لگتا ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ فروٹ اور سبزی۔

جواب: جو بھی فروٹ میسر آ جائے خوشی سے کھاتا ہوں۔آم بہت پسند ہیں۔لیکن کھجور میں میری جان ہے۔سبزی میں کدّو شریف اور توریاں چاہے روز ہی مل جائیں شوق سے کھاتا ہوں۔اس کے علاوہ بھنڈی اگر اچھی پکی ہوئی ہو۔آپ نے پسند کا پوچھا ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے ہر پھل اور سبزی کو نعمت سمجھ کر استعمال میں لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا کرم ہر نعمت مجھے عطا ہوئی ہے۔

سوال: اپنی ڈیلی روٹین کے بارے میں بتائیں؟

جواب: زندگی مختصر سی ہے لیکن بہت مصروف ترین گزر رہی ہے۔ڈیلی روٹین کے بارے بتانے لگوں تو پوری داستان بن جائے پھر بھی آپ کے لئے اتنا کہوں گا کہ صبح سحر کے وقت اُٹھتا ہوں۔حمد و ثنا کے بعد جانوروں کے چارے کا انتظام کرتا ہوں۔اُن کی خدمت کے بعد کھیتوں میں تازہ ہوا سے لطف اندوز ہونے نکل جاتا ہوں۔پرندوں کے گیت سننے کے بعد گھر لوٹتا ہوں،نہاتا ہوں،ناشتہ بیگم صاحبہ تیار کر کے انتظار میں ہوتی ہے ناشتہ کے بعد آفس چلا جاتا ہوں۔آفس سے واپسی شام پانچ بجے ہوتی ہے۔بیگم دروازے پر استقبال کرتی ہے تو جانور میری راہ تک رہے ہوتے ہیں کیونکہ مجھے اُن سے اور اُن کو مجھ سے بہت محبت ہے جانور بھی ایسے ہیں کہ میری آہٹ پر قربان ہونے لگتے ہیں۔عشاء کی نماز کے بعد شام کا کھانا بیگم کے ساتھ کھاتا ہوں۔اُس کے بعد دوستوں سے گپ شپ کرتا ہوں اس دوران کمپیوٹر میرے انتظار میں ہوتا ہے۔لکھنے بیٹھ جاتا ہوں۔دن بھر میں کتاب کا مطالعہ بھی جاری رکھتا ہوں۔مزے کی بات تو یہ ہے جب تک کوئی کتاب نہ پڑھ لوں نیند نہیں آتی۔

سوال: دوستی سوچ سمجھ کر کرتے ہیں یا بنا سوچے سمجھے؟

جواب: بہترین سوال کیا گیا ہے۔دوستی ایسا جذبہ ہے جو سوچ سمجھ کر نہیں اُبھرتا۔یہ دل سے پھوٹنے والے جذبے ہیں۔جو دوستی کے مفہوم کو سمجھتے ہیں وہ ساتھ رہ جاتے ہیں نہیں تو زندگی تجربات کی آماجگاہ ہے۔

سوال: آپ کے بہترین دوستوں کے نام؟

جواب: یوں تو میری دوستی کتابوں سے ہے کیونکہ یہ کبھی دھوکہ نہیں دیتیں ہاں البتہ زندگی کو بسر کرنے کے لئے انسانی تعلقات ضروری ہیں بہترین تعلقات رکھنے کے لئے بہترین انسان کو دوست رکھا جاتا ہے۔میرے دوستوں کی فہرست بہت طویل ہے چلیں چند کا ذکر کیے دیتے ہیں۔عبدالعزیز جی آ،ڈاکٹر طارق محمود آکاش، راشد لطیف،اللہ دتہ مخلص،شاہد سلیم شاہد،ممتاز احمد،کاشی چوہان،عرفان راہے،علی عمران ممتاز،علی حسنین تابش، سمیع اللہ خان۔یہ میرے ادبی دوست ہیں قارئین کی تعداد بے شمار ہے اور میرا لنگوٹیا یار عبدالرحمٰن ہے،میرا کلاس فیلو بھی ہے آج کل موٹر وے پولیس میں اپنے فرائض ذے رہا ہے۔

سوال: پڑھائی میں کیسے تھے،لائق یا گزرا؟

جواب: الحمدللہ،پڑھائی میں لائق تھا،پانچویں میں اپنے ڈویژن میں فرسٹ آیا بغیر ٹیوشن کے۔میں ہمیشہ سکول میں پڑھتا تھا گھر میں گھریلو کاموں کی وجہ سے پڑھائی نہیں ہوتی تھی۔ہوم ورک بھی تفریح کے وقت اسکول میں کرتے تھے۔ریاضی میرا فیورٹ مضمون رہا ہے۔

سوال: میوزک اور موویز میں کس حد تک دلچسپی ہے۔؟

جواب: میوزک اور موویز میں خاص دلچسپی نہیں،جب فرصت ملتی ہے تو پرانے سونگ،پرانی فلم دیکھتا ہوں۔

سوال: پسندیدہ گلوکار،اور گلوکارہ۔؟

جواب: عطاءاللہ عیسیٰ خیلوی، اکرم راہی، ابرارالحق، مسعودرانا، مہندی حسن، نصرت فتح علی خان، وغیرہ

گلوکارہ: شبنم مجید، منی بیگم، فریحہ پرویز، نور جہاں، عابدہ پروین، منی بیگم کولائیوسُن چکا ہوں۔

سوال: افسانہ لکھنا آسان ہے یا ناول؟

جواب: تحریر جتنی مختصر لکھنی ہو اُتنی ہی مشکل ہوتی ہے۔ناول لکھنا آسان ہے۔افسانہ لکھنا مشکل کام ہے۔

سوال: آپ کی کتنی کتابیں آ چکی ہیں اور کتنی آنے والی ہیں۔؟

جواب: اب تک دو کتابیں مارکیٹ میں ہیں ''دقفس میں رقص'' افسانوی انتخاب ہے۔بچوں کی کہانیوں پر مشتمل ''اخلاق کا انعام'' رابعہ بک ہاؤس والوں نے شائع کی ہے۔اس کے علاوہ دو کتابوں کا افسانوی مسودہ تیار ہے۔ایک مسودہ کالموں پر مشتمل ہے۔دو تحقیقی کتب پر کام جاری ہے جو ملتان کی ادبی اور سیاسی شخصیات اور مشاہیر حضرات پر ہیں۔

سوال: کتنے سالوں سے لکھ رہے ہیں؟

جواب: میں 2003ء سے لکھ رہا ہوں۔

سوال: لکھنے کا آغاز کیسے کیا؟

جواب: لمبی کہانی ہے۔تنہائی سے جان چھڑوانے کے لئے لکھنا شروع کیا اور کافی حد تک محبوب کو کریڈٹ بھی جاتا ہے۔شاید محبت کا عنصر نہ ہوتا تو شاید میں کبھی نہ لکھ پاتا۔میرے محبوب کو کہانیاں پڑھنے کا شوق تھا، اور میرے دل سے آواز آئی کہ مجید جو رسالہ محبوب پڑھتا ہے تم بھی اس میں کہانیاں لکھو۔بس اُس دن سے لکھنے لگا اور جلد ہی میری کہانیاں شائع ہونے لگیں، پہلی تحریر 2003 ملتان کے اخبار (نیا دور) میں شائع ہوئی پہلی کہانی 2005 میں شائع ہوئی اور پھر یہ سلسلہ تیز سے تیز تر ہوتا گیا۔اب آپ کے سامنے ہوں۔انکشاف کرتا چلوں جس کے لئے لکھنے کا آغاز کیا تھا آج وہ میرے گھر کے گلشن کو آباد کیے ہوئے ہے۔جی ہاں محبوب، بیگم کے روپ میں میرے آنگن میں مسکراتا ہے۔

لکھنا تو خداداد صلاحیتیں ہوتیں ہیں لیکن ان صلاحیتوں کو آشکار کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی سبب ضرور بنتا ہے۔سو میرا یہی سبب بنا۔

سوال: کن موضوعات پر لکھنا چاہتے ہیں اور لکھ نہیں پاتے؟

جواب: الحمدللہ! ہر موضوع پر لکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔بس ایک خلش ہے کہ کچھ ایسا لکھوں کہ میرے ملک میں تخریب کاری کرنے والے سُدھر جائیں اور یہ ملک امن کا گہوارہ بن جائے۔آمین!

سوال: انٹرنیٹ کے استعمال کے حامی ہیں یا مخالف؟

جواب: دیکھیں، اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی چیز بُری نہیں بنائی، ہمارا استعمال اچھا یا بُرا ہوتا ہے۔ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں، مثبت اور منفی۔یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس پہلو کو لے کر چلتے ہیں۔انٹرنیٹ اچھی چیز ہے

اگر اس کا دُرست استعمال کیا جائے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، تہوار، تفریحی مقام، کھیل کون کون سے پسند ہیں؟

جواب: انسانی رشتے سب ہی اچھے ہوتے ہیں، سب سے پسندیدہ رشتہ، بہن اور ماں کا ہے، رنگ سفید اور سبز پسند ہے۔ خوشبو جو دِل کو بھا جائے، (چنبیلی) تہوار: ہر وہ تہوار جس سے دلی سکون میسر آئے، تہوار تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتے ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہیں جو انعام حاصل کرنے کی تمنا نہیں رکھتا۔ تفریحی مقام تو میں ملتان کا باسی ہوں یہاں تفریحی مقام سے زیادہ تاریخی مقام ملیں گے۔ تمنا ہے اُن وادیوں کی زیارت کروں جہاں آقا دو جہاں ﷺ کے قدم مبارک لگے ہیں۔ پاکستان کا کونہ کونہ دیکھنا چاہتا ہوں، خاص طور پر زیارت، کاغان اور گلگت۔

سوال: مستقل اور دلچسپی سے کس رسالے کا مطالعہ کرتے ہیں؟

جواب: میرے زیرِ مطالعہ ہر ماہ تقریباً آٹھ رسالے ہوتے ہیں، کتاب ان سے الگ ہے۔ ہر رسالے کا اپنا معیار ہے لیکن جس میں معلومات سے لے کر تفریح تک تمام لوازمات ملیں وہ ریشم ہے۔ ریشم خاندان ہے اور اس میں ہر ٹاپک پہ مضمون ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''اردو'' بھی اچھا ہے۔

سوال: کبھی لکھنے کی شدید خواہش ہو تو کاغذ اور قلم دسترس سے دُور ہو تو کیا کرتے ہیں؟

جواب: میں کمپیوٹر کا سہارا لیتا ہوں۔

سوال: غصہ کم آتا ہے یا زیادہ، جب آتا ہے تو کس بات پر۔

جواب: غصہ انسانی فطرت میں شامل ہے۔ جس کو غصہ نہ آئے وہ انسان ہی نہیں ہے۔ البتہ کسی کو زیادہ آتا ہے کسی کو کم۔ اس لئے پیارے حبیب ﷺ نے غصے پہ کنٹرول کرنے کے طریقے بتائے ہیں۔ میں غصے کا بہت تیز ہوں، جب سامنے والا جھوٹ پہ جھوٹ بولے جائے اور ادب کے دائرہ کار سے نکل جائے، اخلاق کا دامن چھوڑ کر رشتوں کے عزت و احترام سے عاری ہو جائے۔

سوال: غصے پہ کنٹرول کیسے کرتے ہیں؟

جواب: میں سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وضو کر لیتا ہوں، کھڑا ہوتا ہوں تو بیٹھ جاتا ہوں یا خاموشی اختیار کر لیتا ہوں۔

سوال: گھر سے جاتے ہوئے کیا خاص چیز ساتھ رکھتے ہیں؟

جواب: ظاہر ہے گھر سے جاتے ہوئے وائلٹ ضرور دیکھ لیتا ہوں، قلم اور آئی ڈی کارڈ کا ضرور خیال رکھتا ہوں۔

سوال: کسی شخص سے پہلی ملاقات سے کس چیز کا اندازہ لگاتے ہیں؟

جواب: اُس کے چہرے کے تاثرات اور اخلاق کو مدِنظر رکھتا ہوں۔ کیونکہ چہرے جھوٹ نہیں بولتے۔ آنکھیں سچ نہیں چھپا پاتیں۔ میں پہلی نظر کا قائل ہوں۔ پہلی نظر میں جان لیتا ہوں کہ سامنے والا شخص میرے لیے کیا جذبات و خیالات رکھتا ہے۔

سوال: صبح اُٹھتے ہی پہلا کام ہمیشہ کیا کرتے ہیں؟

جواب: آنکھ کھلتے ہیں نیلے آسمان کی طرف دیکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے زندگی کا ایک اور خوبصورت دن عطا کیا۔

سوال: آپ کے خاندان میں کوئی شاعر اور ادیب ہے؟

جواب: میرے خاندان میں مجھ سے پہلے کوئی شاعر اور ادیب نہیں تھا لیکن اب اُمید ہے اک کارواں چھوڑ جاؤں گا۔ میری بیگم بھی لکھنے لگی ہے اور میری بھانجی کو بھی بہت شوق ہے۔

سوال: اپنے لکھے ہوئے سے مطمئن ہیں؟

جواب: میرا ایمان ہے کہ مجھے اپنے لکھے کا حساب

دینا ہوگا سو کافی حد تک مطمئن بھی ہوں اور بے قراری بھی رہتی ہے کہ جو لکھنا چاہتا ہوں وہ نہیں لکھ پایا۔

سوال: آپ کی بہترین کہانی کون سی ہے؟

جواب: بڑا مشکل سوال کیا گیا ہے دیکھیں لکھاری کو اپنی ہر تحریر اچھی لگتی ہے ۔درجہ بندی کا حق تو قارئین کو ہوتا ہے ،کڑوے بادام اور سوگ زندگی کو بہترین کہہ سکتا ہوں لیکن قارئین نے بہت سی کہانیوں کو پسندیدگی کی سند سے نوازہ ہے اور میرے پاس قارئین کے لکھے گئے ہزاروں خطوط محفوظ پڑے ہیں ۔ہو سکتا ہے بہت جلد ان خطوط پر کتاب بھی لاؤں۔

سوال: کہانیاں کن موضوعات پر لکھنا پسند کرتے ہیں؟

جواب: جس موضوع کی ڈیمانڈ کی جائے ۔کوشش کرتا ہوں ہر موضوع میں اصلاحی اور معاشرتی پہلو نمایاں رہے اور قاری کو سبق ملے۔

سوال: آگے کا کیا پروگرام ،پلان ہے ناول لکھیں گے یا کچھ الگ؟

جواب: میں تحقیقی کام پر توجہ دے رہا ہوں۔داستان گوئی سے ہٹ کر ناول کی طرف راغب ہو رہا ہوں۔

سوال: کامیاب زندگی گزارنے کا سنہری اصول کیا ہے اور جس سے زندگی کی منزل پا لینے میں آسانی ہو؟

جواب: کامیاب زندگی گزارنے کا سنہری اصول صرف اور صرف دین اسلام کی پیروی میں ہے ۔اپنے آپ کو اسوۂ حسنہ پہ گامزن رکھیں تو زندگی کامیاب کیا کامیاب ترین گزرے گی انشاء اللہ

سوال: اب تک کتنے ایوارڈ جیت چکے ہیں؟

جواب: اب تک ماہنامہ ریشم سے پانچ بار ایوارڈ وصول کر چکا ہوں ۔تین ایوارڈ سچی کہانیاں کراچی سے ،کرن کرن روشنی سے ،قفس میں رقص پر ملتان کی ادبی تنظیم نے شیلڈ ،نوائے اکیڈمی سے سرٹیفکیٹ ،اس کے علاوہ بہت سی تنظیموں اور اخبارات سے اسناد وصول کر چکا ہوں۔

سوال: لوگ کہتے ہیں کتاب کوئی نہیں پڑھتا اور آپ ہیں کہ لائبریری کا آغاز کر کے مشکل کام کیوں کر رہے ہیں۔

جواب: دیکھیں پہلی بات تو یہ ہے ،کتاب کوئی نہ پڑھتا تو پبلشر روز کتابیں نہ شائع کرتے ۔کتاب ضرور پڑھی جاتی ہے ۔جو لوگ کتاب نہیں پڑھتے وہی ایسی باتیں کرتے ہیں ۔میں کتاب دوست ہوں اور کتابوں سے محبت ہے ۔میں چاہتا ہوں اپنے علاقے ،اپنے شہر اور اپنے معاشرے کو کتاب کے فروغ اور علم سے دوستی کی طرف راغب کروں ۔الحمدللہ!لائبریری کا تجربہ خوب رہا ہے ۔جب لائبریری میں کوئی کتاب پڑھنے ،لینے آتا ہے تو دل بہت خوش ہوتا ہے ۔میں اپنے خرچے پہ یہ سب کام کر رہا ہوں اور جو یہاں آتے ہیں ان کو ریفریشمنٹ بھی دیتا ہوں۔

سوال: قارئین ریشم کے لئے کوئی پیغام؟

جواب: اگر آپ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ایسا لکھیں جو بعد مرنے کے بھی آپ کو زندہ رکھے ۔محبتیں بانٹیں اور صبر و برداشت کا دامن کبھی نہ چھوڑیں۔

☆☆☆

روحانی معالج

نوٹ: کسی بھی آیت کو پڑھنے سے پہلے اول و آخر طاق میں درود شریف پڑھنا
نہ صرف اجر و ثواب کا موجب بنتا ہے بلکہ کام میں بھی یقینی کامیابی ہوتی ہے

مقدمے کی کامیابی کیلئے

واللہ غالب علی کل امرہ

تین مرتبہ پڑھ کر عدالت میں جائے۔ اللہ نے چاہا تو فیصلہ اس کے خلاف نہ ہوگا۔ تجربہ سے حقیقت کھلے گی۔

☆☆☆☆☆

اولاد کو نیک اور فرمانبردار بنانے کیلئے

رب اصلح فی ذریتی انی تبت الیک و انی من المسلمین

ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھے ذریتی کہتے وقت اپنی اولاد نافرمان کا خیال رکھے۔ چند روز ہی میں انشاء اللہ فرمانبردار ہو جائے گی۔

☆☆☆☆☆

خاتمہ سر درد

ایک سوتی رومال پر ایک سو مرتبہ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** پڑھ کر پھونک ماریں اور گرہ لگا دیں۔ یہ رومال سر میں اس طرح باندھیں کہ گرہ کنپٹی کے اوپر آ جائے۔ اگر درد پرانا ہو تو یہ رومال صبح سویرے باندھ کر رات کو سونے سے پہلے چند منٹ کے لیے کھول دیں اور پھر باندھ لیں اور کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ وضو یا غسل کے وقت رومال کھول لینے میں کوئی حرج نہیں۔

☆☆☆

کھانسی کی شکایت

جس کسی شخص کو کھانسی کی شکایت کثرت سے ہو اور علاج معالجہ کے باوصف بھی یہ پیچھا نہ چھوڑتی ہو تو ذیل کا عمل بے حد نافع ہے۔

اس مقصد کے لیے پانی پر باوضو حالت میں قبلہ رخ بیٹھ کر اکتالیس مرتبہ سورہ اخلاص اور اکتالیس مرتبہ (سلم قولا من رب الرحیم) (سورۃ یٰسین 36 آیت 58)

بمعہ اول و آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کر کے دن میں سات مرتبہ پلائیں۔ گیارہ دن کے بلا ناغہ عمل سے کھانسی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ

☆☆☆☆☆

بے اولاد جوڑے کے لیے

اس مقصد کے لیے نماز عشاء کے بعد ایک ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص بمعہ اول و آخر درود شریف ابراہیمی اکیس اکیس مرتبہ ورد کرے اور اللہ تعالیٰ سے اولاد کا سوال کرے۔

عامل کو چاہیے کہ اس عمل کو اکیس یوم تک جاری رکھے یہ عمل قمری مہینے کی پہلی جمعرات سے شروع کریں۔ انشاء اللہ اس عمل کی برکت سے آپ جلد اولاد سے فیض یاب ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

خود کلامی

ترتیب: حمیرا وحید

خلوص پیار بھری دوستی مبارک ہو
تمہیں یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو
(وحید اختر، اسلام آباد)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

تمہیں اور کیا دوں میں اس کے سوا کہ
تمہیں ہماری عمر بھی لگ جائے
(عامر محمود اعوان، دبئی)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

عجیب سانحہ گزرا اب مجھ پہ آج کی شام
میں آج شام تمہارے ہجر میں اداس نہ تھا
اب ایک سال تو یہ غم ہی کافی ہے
تمہاری سالگرہ پر تمہارے پاس نہ تھا
(حارث، کراچی)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

حسین چہرے کی تابندگی مبارک ہو
تمہیں اپنی سالگرہ کی خوشی مبارک ہو
(مدثر علی، دبئی)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

گھرا ہوا ہوں جنم دن کے تعاقب میں
زمیں آگے ہے اور آسماں میرے پیچھے
(بلال احمد، اٹک)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

سب سے پیارا مجھے لگتا ہے آپ کا جنم دن
اس کو میں نہیں چاہتا گزارنا آپ کے بن
(محمد شبیر، سعودی عرب)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

تہہ دل سے جنم دن کی بدھائی دیتا ہوں
یہ نہ سوچنا کہ رسم دنیا نبھائی ہم نے
(نوشین اختر، ملتان)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

ہر لمحہ آپ کے ہونٹوں پہ مسکان رہے
ہر غم ہمیشہ آپ سے انجام رہے
(صلاح الدین، حسن ابدال)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

زندگی کی کچھ خاص دعائیں لے لو ہم سے
جنم دن پر کچھ نذرانے لے لو ہم سے
بھر دے رنگ میری زندگی کے پہلو میں
آج وہ حسین مبارک باد لے لو ہم سے
(ذیشان محمود، لاہور)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

آنکھوں پہ تاروں سی چمک ہونٹوں پہ مسکان ہے
بھرا دامن رہے خوشیوں سے کھلا چاند سا مکھڑا رہے
(مقصود احمد بلوچ، میاں چنوں)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

یہ دن یہ مہینہ یہ تاریخ جب آئی
ہم نے کتنے پیار سے سالگرہ کی محفل سجائی
(ممتاز احمد، سرگودھا)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

رفعتیں اور بلندی بھی تجھ پہ ناز کرے
تیری یہ عمر خدا اور بھی دراز کرے
(سیدہ سحرش، فتح جھنگ)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

تحفہ میں آج میں اپنا دل ہی دیتا ہوں
یہ حسین موقع میں گنوانا نہیں چاہتا ہوں
اپنے دل کی بات تمہارے سامنے بتلاتا ہوں
اورتمہارے جنم دن کی مبارک میں تمہارے نام کرتا ہوں
(لاریب، پشاور)

جہاں جہاں شام غم کی افسردگی کا ماتم بپا ہوا ہے
سبھی سے ہنس کے گلے ملا ہے وہاں وہاں مہرباں سمندر
وفا کی بستی میں رہنے والوں سے ہم نے محسن یہ طور سیکھا
لبوں پہ صحرا کی تشنگی ہو مگر دلوں میں نہاں سمندر
(مسز نگہت غفار، کراچی)

سمجھیں گے لوگ نیند سے بہتر نماز کو
شامل ہو دل کا سوز جو تیری اذان میں
(غلام باہو، سبی)

بہت یقیں ہے کہ ہم اس میں کامراں ہوں گے
ہمارے دیس میں یہ وقت امتحان کا ہے
(ثناء ناز، رجانہ)

کہہ دو یزید وقت سے مت امتحان لے
سولی پہ حق کا برملا اظہار عشق ہے
(وقاص خان نیازی، سبی)

پھولوں نے امرت کا جام بھیجا ہے
سورج نے گگن سے سلام بھیجا ہے
مبارک ہو آپ کو جنم دن
تہہ دل سے ہم نے یہ پیغام بھیجا ہے
(تنزیلہ، اسلام آباد)

بار بار یہ دن آئے ، بار بار یہ دل گائے
تو جیئے ہزاروں سال ، یہی میری آرزو ہے
(منان، خانیوال)

آسمان کی بلندیوں پہ نام ہو آپ کا
چاند کی دھرتی پہ مقام ہو آپ کا
ہم تو رہتے ہیں چھوٹی سی دنیا میں
پر خدا کرے سارا جہان ہو آپ کا
(مہران گلزار، واہ کینٹ)

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوب
تب کہیں جا کے تیرے دل میں جگہ پائی ہے
(انیلا، نواب شاہ)

میں نے سوچا کہ تمہیں اس موقع پہ کوئی تحفہ بھیجوں
پر میرے پاس تو لفظوں کے سوا کچھ بھی نہیں!
(افشاں طارق، چکوال)

آج پھر سے مدہوش ہونے کا دن آیا ہے
یاد آجائے یہ دن زندگی میں ہزار بار
تمہارے جنم دن پہ دنیا کا
پیار اکٹھا کر کے تیرے اوپر کردوں نچھاور میرے یار
(عمامہ، کوئٹہ)

کیسی خوشی کہاں کا طرب کیسی لذتیں
آئی ہے عید آج تیرے آستاں سے دور
(جمیلہ بشیر، پتوکی)

ان کی طرف گزر ہو تو کہہ دینا اے صبا
کرتا تھا انتظار کوئی سوگوار عید
(شمائل احمد، رحیم یار خان)

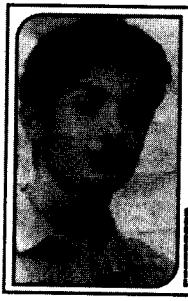

آپ کے اوراق

ترتیب: عبداللہ مسرور

جس نے ایک سنت کو زندہ کیا

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ، بن عوف مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جو (شخص) میری سنتوں میں سے ایک سنت بھی زندہ کرے، پھر لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو اس کو عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے بدعت ایجاد کی پھر اس پر عمل کیا گیا تو اس پر ان عمل کرنے والوں کے برابر وبال ہوگا اور ان کے وبال میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔''

(سنن ابن ماجہ شریف)

******

مہکتی کلیاں

☆ بعض اوقات الفاظ سے زیادہ خاموشی میں وضاحت ہوتی ہے۔

☆ زندگی کا وقفہ نہایت قلیل ہے لیکن اگر مصیبت ہو تو یہ طویل ہے۔

☆ زندگی ایک خوبصورت کتاب ہے مگر بہت کم لوگ اسے پڑھنا جانتے ہیں۔

☆ جو شخص علم رکھے اور اس پر عمل نہ کرے وہ ایسا بیمار ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر وہ علاج نہیں کرتا۔

☆ انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اٹھانے کے باوجود خود کو پھول کی طرح ہلکا محسوس کرتا ہے۔

☆ کبھی تلواروں کے وار خالی اور کبھی خواب سچے نکل آتے ہیں۔

☆ اگر چاہتے ہو کہ کامیابی تمہارے قدم چومے تو مستقل مزاجی کو اپنا شعار بنالو۔

☆ جو حق پر ہوتے ہیں، وہ مضبوط قدم رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں ریت کی طرح بکھر نہیں جاتے۔

☆ سب سے بڑا عیب وہ ہے جو خود آپ کو محسوس نہ ہو۔

☆ محبت ایک مذہب ہے جو کسی فلسفے کا محتاج نہیں۔

☆ بدصورت چہرہ بدصورت دماغ سے بہتر ہے۔

☆ غم سے روح میں توانائی آتی ہے۔

☆ زندگی ایک پھول ہے اور محبت اس کا شہد۔

☆ دوستی کی شیرینی کو ایک دفعہ کی رنجش کی یاد ہمیشہ زہر آلود کرتی رہتی ہے۔

☆ تیرا وہ دوست، جو اس خوبی کی تعریف کر رہا ہے جو تجھ میں نہیں ہے تو کل وہ اس بری عادت کا ذکر بھی کرے گا جو تجھ میں نہیں ہے۔

(ممتاز احمد، سرگودھا)

******

بہار رُت

میرے مالک تیرا کرم ہے
تو نے ہر اک موسم
ہمارے لیے ہی بنایا ہے

تیری ہر اک رت میں
چھپی ہماری راحت ہے
پر بہار رت جب بھی آتی ہے
تو دل میرا مچلنے لگتا ہے
نئے پھول کھلتے ہیں تو
دل انگڑائیاں لیتا ہے
اس موسم کے آتے ہی
دل امیدیں باندھتا ہے
کہ میرا سجنا میرا ساتھی
میرا ہمدم میرا ماہی
اس بہار رت میں تو
آن ملے گا مجھ سے بھی

(انتخاب: مسز پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

******

کیا خیال ہے

☆ دنیا میں جتنے نیک مرد ہیں، صرف عورت کی وجہ سے ہیں کچھ بیوی کے خوف سے کچھ حوروں کے شوق سے۔

☆ میں نے ایک دن دل سے پوچھا۔ وعدوں اور یادوں میں کیا فرق ہے؟
دل نے جواب دیا۔ پتر میرا کام تو بس بلڈ سپلائی کرنا ہے۔ اے اونگیاں بونگیاں تسی ایجاد کیتیاں نیں۔

☆ یہ جو ہم آج کل اجڑے ہوئے سے لگتے ہیں یہ عشق کی نہیں صاحب! ساری گرمی کی مہربانی ہے۔

(پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

******

خاموش محبت

ایک لڑکی ایک لڑکے کو روز دیکھنے کے لیے اس کی شاپ سے ایک سی ڈی خریدا کرتی تھی۔ لڑکی کو لگتا تھا کہ لڑکا اسے کبھی نہیں پیار کرے گا۔ لیکن پھر بھی وہ ہر روز ایک سی ڈی خریدتی۔

ایک دن لڑکی نے اس لڑکے کے غم میں آ کر خودکشی کر لی کہ لڑکا اسے کبھی بھی پیار نہیں کرے گا۔ جب اس بات کا پتہ لڑکے کو چلا کہ اس لڑکی نے خودکشی کر لی ہے تو وہ اس کے گھر گیا۔ جب گھر گیا تو اس لڑکی کی ماں نے اس لڑکے کو اس لڑکی کا روم دکھایا۔ لڑکے نے دیکھا کہ اس کے روم میں ساری کی ساری سی ڈیز ابھی تک سیل پیک تھیں۔ یہ دیکھ کر لڑکا رونے لگا۔ کیونکہ وہ ہر روز ان سی ڈی کے اندر ایک لو لیٹر ڈالتا تھا۔

''پیار کو اظہار کی ضرورت ہوتی ہے پیار کرو تو اظہار بھی کرو۔''

(مقصود احمد بلوچ، میاں چنوں)

******

ایک دعا تمہاری سالگرہ پر

یہ ماہ و سال کے سلسلے
یہ فراق و وصال کے مرحلے
یہ چراغ شام کی لو..... کی طرح کھلے ہوئے
یہ متاع صبح کی طرح سینہ گل پہ ہیں جو سجے ہوئے
یہ وہ روز و شب ہیں
کہ جن کی آب و ہوا نے تجھ کو بہار دی
خدا کرے
ترے جسم و جاں کی بہار پر
ترے آئینے کی کنار پر
تری چشم خواب سراب پر
ترے خاص رنگ گلاب پر
یہی آب و تاب سجی رہے
یہ میری دعا ہے کہ ترے دل کی کلی ہمیشہ کھلی رہے

(صوفیہ اصغر، لاہور)

******

چمکتے موتی

کبھی زندگی میں انسان جسے چاہتا ہے پاتا نہیں اور

جسے پاتا ہے چاہتا نہیں۔ عشق ایک بے مقصد چیز ہے اس لیے اسے چاہو جو تمہیں چاہے اور اسے دیکھو جو تمہیں دیکھے اپنا ہاتھ اسے دو جو اس تقاضے کا خواہش مند ہو کبھی بھی انسان سے ملو تو اسے اتنے پرخلوص انداز کے ساتھ ملو کہ تمہاری یاد مدتوں اس کے دل میں نقش ہو کر رہ جائے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اگر ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤ تو وہ تمہیں ڈھونڈیں اور اگر مر جاؤ تو روئیں کتنے عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی خوشیوں کی خاطر اپنی خوشیاں قربان کر دیتے ہیں۔

(مسز نگہت غفار، کراچی)

******

بجلی

گرمی آ رہی ہے
بجلی جا رہی ہے
ذرا دور بیٹھنا
پسینے کی بو آ رہی ہے
بجلی کم ہے بہت
صرف پنکھوں کی آواز آ رہی ہے
ہوا تو نہیں آ رہی
نیند بھی اب جا رہی ہے
صرف مچھروں کی آواز سنائی دے رہی ہے
جاتے جاتے قدم رک جاتے ہیں
باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے
گرمی ہر طرف چھا رہی ہے
بجلی کب آئے گی
ہر طرف سے صدا آ رہی ہے

(حمیرا وحید، واہ کینٹ)

******

آپ بھی پریشان ہوں

کرایہ دار نے نصف شب کو مالک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مالک مکان نیند سے بیدار ہو کر جلدی سے دروازے پر آیا تو کرایہ دار بولا ''میں اس مہینے کا کرایہ ادا نہیں کر سکوں گا۔''

''مگر یہ اطلاع دینے کا کون سا وقت ہے؟'' مالک مکان غصے سے بولا ''تم یہ بات مجھے صبح بھی بتا سکتے تھے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے، مگر میں نے سوچا، اس پریشانی میں اکیلا کیوں جاگتا رہوں۔''

(نازیہ حسین، کراچی)

******

ستم ظریفی

راحیل کے پاس ایک کبوتر موجود تھا مگر اب اسے کبوتر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ اب اسے طوطا پالنے کا شوق ہو گیا تھا مگر بولنے والا طوطا مہنگا آتا تھا، ہاتھ تنگ ہونے کی وجہ سے راحیل بولنے والا طوطا نہیں خرید سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ سبز پینٹ کی ایک چھوٹی ڈبیا خرید کر اور اپنے کبوتر پر پینٹ کر کے اسے ہی طوطا بنا لے گا اور بولنا بھی سکھا دے گا۔

دو دن بعد اس کا دوست ثاقب اس سے ملنے پہنچا تو اس نے دیکھا کہ کبوتر مرا پڑا تھا اور راحیل اس کے پاس اداس بیٹھا تھا۔ ثاقب نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ پینٹ کرنے سے کبوتر مر جائے گا۔''

''ارے بھئی..... یہ پینٹ کرنے سے نہیں مرا۔'' راحیل نے صفائی پیش کی۔ ''ابھی تو میں اس پر پہلا کوٹ کرنے کے لیے ریگ مال سے رگڑائی ہی کر رہا تھا کہ یہ مر گیا۔''

(نبیل عابد، لاہور)

******

دوست

لفظ ''دوست'' زبان سے ادا کرنا کتنا سہل ہے مگر اس کا مفہوم سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ دوستی ایک ہمہ گیر بندھن ہے جسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔ وہ تمام خوبیاں جو ہم الگ الگ رشتوں میں ڈھونڈتے ہیں اگر ہم ایک ہی رشتے میں پانا چاہیں تو وہ ایک سچے اور مخلص دوست کی صورت میں ہمیں مل سکتی ہیں۔ یہی وہ رشتہ ہے جو دکھ بھرے لمحوں میں ساتھ دیتا ہے۔ دھوپ میں چھاؤں کا احساس دلاتا ہے اور جب کبھی قدم ڈگمگانے لگیں تو سہارا دیتا ہے۔

(ایس، امتیاز احمد، کراچی)

******

کنجوسی

ساجد حد سے زیادہ کنجوس تھا گو کہ اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی مگر پھر بھی اس کی جیب سے پیسہ نہیں نکلتا تھا۔ ایک دن یہ نو بیاہتا جوڑا کلفٹن گیا۔ نئی نویلی بیگم نے جھولے پر بیٹھنے کی فرمائش کی تو ساجد نے کہا ''نہیں بھئی تمہیں چکر آجائے گا'' چاٹ کھانے کی فرمائش کی تو ساجد نے کہا'' بازار کی چیزیں گندی ہوتی ہیں ابھی تمہاری شادی ہوئی ہے تمہیں ڈائریا ہوگیا تو کیا کروں گا؟''

''مگر پاپ کارن کی خوشبو کتنی اچھی لگ رہی ہے''

دلہن سے نہ رہا گیا۔

''وہ تو ٹھیک ہے چلو تمہیں پاپ کارن کی مشین کے پاس لے چلوں وہاں سے خوشبو زیادہ اچھی آئے گی۔''

(زیدہ نذیر، لاہور)

******

قطعہ

محبت درد کا نشتر بنی ہے
زیست کانٹوں کا بستر بنی ہے
یہ جو پہچان میری بنی ہے
تیرے ہجر میں مر کر بن گئی ہے

(سباس گل، رحیم یار خان)

******

دعا

دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ دعا ایک ندا اور فریاد ہے۔ دل مضطرب کی دھڑکن جب الفاظ کا روپ دھارتی ہے تو دعا کہلاتی ہے۔ شب تاریک کی تنہائیوں میں آنکھ سے نکلنے والا آنسو بھی دعا ہے۔ کوئی حرج نہیں، اگر ہم ذرا نظریں جھکا لیں۔ اپنے گریبان میں جھانکیں، ہماری دعائیں محض تکلف بن کر رہ گئی ہیں۔ ہمیں دعا نہیں رسم دعا یاد رہ جاتی ہے۔ ہم دعائیں مانگتے نہیں بلکہ پڑھتے ہیں۔ لیکن پھر گلہ کرتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ انسان اپنے اعمال کی عبرت سے بچ سکتا ہے اور تقدیر رحم کھا سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ دعائیں مانگی جائیں نہ کہ پڑھی جائیں۔ آئیں! رب العالمین کے حضور ہاتھ اٹھاتے ہوئے، دعا مانگیں۔

(ماہم اینڈ علیشاہ، لاہور)

******

سوال

ہم سے اسی حد میں سوال ہوں گے جو ہماری حد تھی۔ ایک اپاہج انسان سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس کے دوڑنے کی رفتار کیا تھی۔ صاحبان دل سے دل کی بات ہوگی۔ صاحبان فکر سے فکر کی بات ہوگی۔ جس آدمی کو قلم کی طاقت عطا کی گئی اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی تحریر کس سمت میں استعمال کی۔ الفاظ کی نشست سے و برخاست اتنی اہم نہیں جتنے الفاظ کے مدعا اور معنی۔ تحریر گویائی کی طرح ایک عظیم تحفہ ہے قدرت کا اور اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

(واصف علی واصف، انتخاب: ابراہیم، میانوالی)

******

باتیں صحت کی

ڈاکٹر اظہر سعید

برف..... درد میں دے تسکین کا احساس

آج سے کچھ عرصہ پیشتر جب بھی گھر کے کسی فرد (پھر وہ چاہے بچہ ہو، جوان ہو یا پھر اس کا شمار گھر کے بزرگ افراد میں ہوتا ہو) جسم میں کہیں بھی درد کی کوئی شکایت ہوا کرتی تھی تو گھر کی خواتین فوراً سے پیشتر گرم پانی کی بوتل، گرم تاول یا رومال سے اس جگہ کی سینکائی کا مشورہ دیا کرتی تھیں، لیکن اب اس اکیسویں صدی میں جہاں ہر طرف تبدیلی کا نعرہ مقبول ہو رہا ہے وہیں اس درد سے نمٹنے کے بھی نت نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور اگر آپ ذرا پرانے خیالات کے مالک ہیں (جیسا کہ ہمارے ہاں کی بیشتر خواتین کا وطیرہ ہے) تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان نئے نئے طریقوں کے بارے میں جان کر حیرت سے آپ کا منہ کھلا کا کھلا رہ جائے کہ یہ کیسے ممکن ہے لیکن گھبرائیے مت، حیرت انگیز ایجادات کی اس صدی میں سب کچھ ممکن ہے حتیٰ کہ درد کو بھگانے کے لیے نئے اور کارآمد طریقے یعنی برف کا استعمال جی ہاں، برف کی یہ چھوٹی سی ٹکیا منٹوں میں آپ کے ہر درد کو دور بھگا کر آپ کے ہر درد کا درماں بن سکتی ہے۔

سوجن کو کم کرے:

کیا آپ اکثر گردن یا پٹھوں کی سوجن کے مسئلے سے پریشان رہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو متاثرہ حصوں پر آئس پیک سے ٹکور کیجئے اور سوجن و درد جیسی تکالیف سے نجات حاصل کیجئے۔ یہ عمل خون کی شریانوں کو سکیڑ دے گا، جس کی بناء پر جسم میں ہونے والا سوزشی عمل دھیما پڑ جائے گا۔

استعمال کا طریقہ:

ایک چھوٹے سائز کا کپڑا لے کر اس میں چار سے پانچ آئس کیوبز رکھ کر اسے لپیٹ لیں اور درد سے متاثرہ حصے پر کم سے کم 20 منٹ تک ٹکور کریں۔ ہر ایک گھنٹے کے بعد اس عمل کو دہرائیں۔ کبھی بھی برف کو براہ راست اپنی جلد پر استعمال نہ کریں کیونکہ آپ کا یہ عمل فراسٹ بائٹ (یعنی سخت سردی کی زد میں آ کر جسم کی کسی بافت کا مردہ ہو جانا جسے عرف عام میں ہم پالا مار جانا بھی کہتے ہیں) کا سبب بن سکتا ہے۔

درد میں آرام لائے:

ہوسکتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر پٹھوں کے کھنچاؤ کا شکار ہو جایا کرتے ہوں یا پھر یہ کسی انجکشن سے ہونے والا درد ہو۔ ایسے میں درد کی جگہ پر آئس پیک سے کیا گیا مساج آپ کے درد اور بے آرامی کو دور کرنے میں معاونت کرسکتا ہے۔ یہ عمل جسم میں ہونے والی سوزش میں تسکین آمیز احساس مہیا کرے گا اور اس حصے کی خون کی گردش کو بہتر بناتے ہوئے درد کو دور بھگانے میں مددگار ثابت ہوگا۔

استعمال کا طریق:

کسی بھی انجکشن یا ویکسین کے بعد ہونے والے درد کے لیے ایک آئس کیوب لے کر اسے اپنی ہتھیلیوں پر رگڑیے اور اپنی ہتھیلی کو متاثرہ جگہ پر رکھ کر نرمی سے تھپ تھپائیے کسی بھی اعصابی درد یا پٹھوں کے درد و کھنچاؤ میں ایک آئس کیوب لے کر اسے متاثرہ حصے پر نرمی سے رگڑیں۔ بہتر نتائج کے حصول کے لیے اس عمل کو دن میں دو سے تین مرتبہ دہرائیے۔

دھوپ سے جھلسی ہوئی جلد کے لیے:

کیا آپ کی جلد سورج کا براہ راست سامنا کرنے کی وجہ سے سانولی اور جھلسی ہوئی دکھائی دیتی ہے؟ یا پھر کیا آپ سوختگی شمس کے مسئلے سے دو چار ہیں؟ اگر ایسا ہے تو دو سے تین آئس کیوب لے کر انہیں فیس ٹاول یا کسی ٹشو میں لپیٹ کر نرمی و ملاحت سے چہرے پر پھیرے یہ نہ صرف متاثرہ حصے کو تسکین آمیز احساس مہیا کرے گا بلکہ آپ کی جلد کو نمی پہنچا کر اس کی کھوئی ہوئی دلکشی کو بحال کرے گا۔ یہ اس لیے کہ برف میں پانی موجود ہوتا ہے اور جب اسے جلد پر استعمال کیا جائے تو یہ جلد کی سوزش و درد میں آرام پہنچاتا ہے۔

دانت کے درد میں تسکین پہنچائے:

ہوسکتا ہے کہ آپ میرے اس مشورے کو محض ایک مذاق سمجھ کر بات کو ہنسی میں اڑا دیں لیکن برف واقعتاً آپ کے دانت کے درد میں آرام لاسکتی ہے۔ اگر آپ دانت کے درد یا مسوڑھوں کی سوجن و سوزش کے عارضے میں مبتلا ہیں تو اس حساس جگہ پر جہاں آپ کو تکلیف محسوس ہو رہی ہے آئس کیوب کا استعمال کیجیے یہ عمل کچھ دیر کے لیے آپ کی رگوں اور مسوڑھوں کو سن کر دے گا اور آپ کی اذیت کو کم کرتے ہوئے سکون کا احساس فراہم کرے گا۔

استعمال کا طریقہ:

ایک چھوٹے سائز کا چوکور کپڑا لے کر اس میں تین سے چار آئس کیوب رکھ کر اسے لپٹ لیں اسے چند منٹ کے لیے اپنے گالوں پر (متاثرہ حصے کے

نزدیک) رکھیے۔ آپ برف کو براہ راست درد کی جگہ پر بھی رکھ سکتی ہیں لیکن یہ قدرے تکلیف دہ ہوسکتا ہے۔

سیاہ حلقے دور کرنے میں موثر:

سیاہ حلقے خواتین کی خوبصورتی کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو کم و بیش ہر عمر کی خاتون کو متاثر کیے ہوئے ہے لیکن برف کی مدد سے آپ ان سیاہ حلقوں اور آنکھوں کے نیچے سوجن جیسے مسائل کو موثر طور پر حل کر سکتی ہیں۔

یہ عمل خون کی شریانوں کو سکیٹر دیتا ہے اور چہرے کی جلد کی ساخت کو جوں کا توں رکھتے ہوئے آنکھوں کے نیچے موجود گہرے رنگ کو ہلکا کر دیتا ہے۔ یہ آپ کی جلد کو موئسچرائز کر کے ماند پڑتی ہوئی رنگت اور ڈل ہوتی ہوئی جلد جیسے مسائل کو شکست دیتے ہوئے جلد کو نئے سرے سے شگفتہ و تر و تازہ بنا دیتا ہے۔

استعمال کا طریقہ:

ٹھنڈے یخ پانی میں لیونڈر آئل کے چند قطرے شامل کریں اور کاٹن بال کی مدد سے اس سولوشن کو آنکھوں کے گرد موجود سیاہ حلقوں پر لگا کر نرمی و ملاحت سے تھپ تھپائیں۔ فوری آرام کے لیے اس عمل کو تواتر سے دہرائیں اور آنکھوں کو اک نئی روشنی و تازگی عطا کریں۔

☆......☆......☆

بی بی کی بیوٹی ٹپس

ترتیب: کشائش مسرور

عید پر بالوں کے اسٹائل ایسے بنائیں

بالوں کو اسٹائل دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ان خواتین کے ساتھ بھی یہ بڑا مسئلہ بن سکتا ہے جن کے بال آسانی سے سنور جاتے ہیں۔ اس کا انحصار بالوں کی ساخت پر ہوتا ہے کہ کون سا اسٹائل درست رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ بناوٹ اور رنگ میں مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح چہرے کو بھی مدنظر رکھنا ہوتا ہے کیونکہ ہر چہرے پر ہر اسٹائل اچھا نہیں لگتا ہے۔ اگر چہرے کی بناوٹ کو دھیان میں رکھے بغیر بالوں کو سٹائل دیا جائے گا تو لمبا چہرہ اور لمبا اور پتلا چہرہ مزید پتلا ہو جائے گا۔ آپ اس طرح سے بال بنائیں کہ اگر چہرہ لمبا ہے تو چھوٹا اور پتلا ہے تو موٹا نظر آئے.....!

بالوں پر تجربات کرنے ہوں تو اس معاملے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ ہمیشہ اس کے لیے زیادہ وقت نکالیں اور وقت کم ہو تو سادہ اسٹائل اپنائیں..... اگر آپ نے بالوں کو سیدھا یا گھنگھریالے کروایا ہے تو بالوں میں زیادہ چیزوں کا استعمال نہ کریں مثلاً جیل، ماؤس یا ہیئر اسپرے، کیونکہ ان بالوں پر کیمیکل کے اثرات موجود ہوتے ہیں اور اگر آپ ایسا کریں گی تو آپ کے بال کمزور اور بے رونق ہو جائیں گے اس لیے بالوں کے ہلکے پھلکے اسٹائل اپنائیں جو آپ پہلے بھی آزما چکی ہوں اور جن کے بارے میں آپ جانتی ہیں کہ یہ اسٹائل آپ پر جچے گا۔

☆ اگر آپ کا چہرہ لمبوترہ ہے تو آپ کو جوڑا یا بالوں کو کھینچ کر پونی ٹیل بنانے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس طرح کا انداز آپ کے چہرے کو اور لمبا کر دے گا..... بالوں کو درمیان سے تقسیم نہ کریں اور زیادہ جیل بھی نہ لگائیں..... ایسا اسٹائل اپنائیں کہ جس سے چہرہ بھرا بھرا نظر آئے اور لمبائی میں کم دکھائی دے۔ لمبے چہرے کے لیے پیشانی پر بالوں کا جھالر گرانا اچھا رہتا ہے۔

☆ گھنگھریالے بال گول چہرے پر اچھے لگتے ہیں لیکن بالوں کو ماتھے پر گرنا نہیں چاہیے ورنہ چہرہ چھوٹا اور پھولا پھولا لگے گا۔ درمیان سے مانگ نکالی جائے اس سے چہرہ لمبا لگے گا، لگتا ہے۔ اگر آپ کے بال سیدھے ہیں تو درمیان سے برابر تقسیم کریں۔ اس سے بھی چہرہ بڑا اور لمبا نظر آتا ہے۔

☆ چوکور چہرے کو اپنے چہرے کی چوڑائی چھپانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر آپ جوڑا یا بالوں کو کھینچ کر پونی ٹیل بنائیں گی تو آپ کا چہرہ بڑا لگے گا۔ سائیڈ سے مانگ نکالیں۔ یہ اسٹائل چوکور چہرے پر خوب اچھا لگتا ہے۔ بالوں کی چند ایک لٹ گالوں پر بھی گرالیں۔ ایسا اسٹائل اپنائیں کہ جس سے بالوں کی نرم اور ہلکی تہہ کے ذریعے چہرے کے دائیں اور بائیں حصے کو تھوڑا چھپایا جا سکے۔ اس سے آپ کا چہرہ متناسب لگے گا۔

☆ بیضوی شکل پر گھنگھریالے بال اچھے لگتے ہیں۔ ان پر لہریئے دار اور سیدھے بال بھی سیٹ رہتے ہیں۔ جوڑا بنایا جائے یا پونی ٹیل یا پھر بالوں کو کھلا رکھا جائے، ہر طرح سے جچتے ہیں مگر پھر بھی ضروری ہے کہ آپ کو

ایک دو ہیئر اسٹائل معلوم ہوں۔ تاکہ وقت کی کمی ہو تو اسے اپنا سکیں۔

ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کے بالوں کا اسٹائل جداگانہ ہو مگر ہر اسٹائل ہر کسی کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سلکی بالوں کو سیٹ کرنے کے لیے جیل اور اسپرے کا استعمال لازمی ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنی جگہ نکلتے نہیں ہیں۔ ایسی بالوں والی خواتین بعض اوقات بالوں کو سنبھالنے کے لیے بہت سارے کلپس لگا لیتی ہیں مگر یہ بال کھلے ہوں تو زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ خشک اور کھردرے بالوں کو سیٹ کرنے کے لیے بالوں کا سیرم (Serum) استعمال کیا جاتا ہے جس سے بال درست ہو جاتے ہیں اور اسٹائل دینا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے خشک بالوں کو کھلا رکھنا چاہتی ہیں تو ایڈوانس میں ڈیپ کنڈیشنر لگائیں تاکہ یہ اچھے اور چمکدار نظر آئیں۔

ایسے بال بھی ہوتے ہیں جو اکثر الجھے ہی رہتے ہیں۔ ان کا بہترین حل یہ ہے کہ انہیں باندھ کر رکھا جائے۔ اگر آپ کا دل انہیں کھلا رکھنے کو چاہتا ہے تو اسی مناسبت سے اینٹی فریزی شیمپو اور کنڈیشنر استعمال کریں۔ آپ انہیں بلوور کے ذریعے خشک کر کے یا مستقل طور پر بال سیدھے کروا کر ان پر قابو پا سکتی ہیں۔

اگر آپ کے بال گدی سے چپکے رہنے والے ہیں اور حجم میں کم ہیں تو آپ ایسا شیمپو استعمال کریں جس سے بالوں کے حجم میں اضافہ ہو۔ آپ پانی میں ایک عدد لیموں نچوڑیں اور شیمپو کرنے کے بعد بالوں پر اس کے جوس کو ڈالیں۔ اس سے بالوں کے میل اور چکنائی جاتی رہے گی اور بالوں کے حجم میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ مہندی لگانے سے بھی بالوں کے حجم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مہندی پاؤڈر کو چائے کے پانی میں بھگو دیں اور اس میں ایک عدد لیموں کا رس ڈال دیں اور صرف تیس منٹ بالوں میں لگائیں۔ بال حسب منشا ہو جائیں گے اور بالوں میں مہندی کا رنگ بھی نہیں آئے گا۔ گھنگھریالے اور لہریئے دار بالوں کو نرم کرنے کے لیے بالوں میں بیس منٹ کے لیے دہی لگائیں اور پھر شیمپو کر لیں۔ گرم تیل سے مالش کی جائے تب بھی بال نرم ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے بہترین نسخہ کچھ اس طرح سے ہے کہ دو ٹیبل اسپون مکھن اور اس میں تھوڑا سا زیتون کا تیل ملائیں اور ان کو اچھی طرح مکس کر کے بالوں میں لگائیں اور ہولے ہولے مساج کریں اور بعد میں نیم گرم پانی سے آدھے گھنٹے کے بعد بالوں کو دھو لیں۔ اس سے آپ کے خشک بال سلکی اور بہت ہی نرم ہو جائیں گے۔

بالوں پر برا وقت بھی آتا ہے اور لاکھ سلجھانے کی کوشش کر لو، نہیں سلجھتے ہیں۔ شیمپو اور کنڈیشنر سے بالوں کو صاف کریں۔ اس کے بعد جوڑا یا پونی ٹیل بنا لیں۔ اگر آپ بالوں کو کھلا رکھنا چاہتی ہیں تو انہیں ڈرائی کریں۔ سیٹ کرنا چاہتی ہیں تو جیل کی مدد سے سیٹ کر لیں اور وہی اسٹائل اپنائیں جو آپ پر جچتا ہے۔

☆.....☆.....☆

نام کا پہلا حرف ۔۔۔ آپ کی شخصیت پر کتنا اثر انداز ہوتا ہے

ریما نور رضوان

حروف کی خصوصیات کے حوالے سے ایک معلوماتی مضمون

انگریزی حروف تہجی کے اعتبار سے اپنے نام کے پہلے حرف سے اپنی شخصیت کا جائزہ لیں۔ شیکسپیئر نے کہا تھا نام میں کیا ہے لیکن نام دراصل انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کی شخصیت اور انفرادیت کا عکاس ہوتا ہے۔ اسی لیے لوگ بہت سوچ بچار کے بعد اپنے بچوں کے نام تجویز کرتے ہیں اور پھر اس نام کے مطابق شخصیت میں صلاحیتیں اور قابلیت تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگوں کے نزدیک نام کا پہلا لفظ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسی حوالے سے ایک دلچسپ تحقیق آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

☆☆☆☆

حرف (اے) لوگوں کے ناموں کی بڑی تعداد ''A'' سے شروع ہوتی ہیں اور ماہرین کے تجزیئے کے مطابق ایسے افراد بہت پر اعتماد' قائدانہ صلاحیتوں کے مالک اور ہر لمحے ایڈونچر کی تلاش میں رہتے ہیں جبکہ اس حرف کے نام والے افراد آزاد زندگی گزارنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (بی) جن لوگوں کے نام ''B'' سے شروع ہوتے ہیں وہ عام طور پر جذباتی' مہربان' تحائف لینے میں خوش اور اپنے پیاروں سے بے انتہا محبت کرتے ہیں جبکہ ایسے لوگ اپنے جیون ساتھی سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان سے بھی ایسی ہی محبت کا تقاضا کرتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (سی) یہ حرف باصلاحیت' ور اسٹائل اور انفرادی صلاحیتوں سے بھرپور لوگوں کی علامت ہے جبکہ ایسے لوگ سادہ اور اپنی دولت کے بارے میں بہت محتاط ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ لوگ اپنے جیون ساتھی سے بہت محبت کرتے ہیں اور سماجی زندگی کو پسند کرنے والے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (ڈی) اس حرف سے شروع ہونے والے نام کے لوگوں میں کچھ کرگزرنے کا جذبہ' کاروباری صلاحیت اور تحکمانہ طرز زندگی کا عنصر واضح ہوتا ہے۔ یہ لوگ قابل اعتماد' صفائی پسند اور دوسروں کے کام آنے والے ہوتے ہیں جبکہ اپنی کامیابی کے لیے نہ صرف ہر حد سے گزرتے ہیں بلکہ منزل کے حصول تک خوش نہیں ہوتے۔

☆☆☆☆

حرف (ای) اس حرف سے شروع ہونے والے نام کے لوگ دوسروں کو قائل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ شرافت اور آزادی سے محبت کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ پرکشش شخصیت اور دوسروں کو دوست بنانے کی صلاحیت تو رکھتے ہیں تاہم قابل اعتماد دوست ثابت نہیں ہوتے۔

☆☆☆

حرف (ایف) جن لوگوں کا نام ''F'' سے شروع ہوتا ہے وہ اچھے منصوبہ ساز اور وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں تاہم ایسے لوگ ہر معاملے میں حد سے زیادہ مثبت رویہ رکھتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (جی) ایسے نام والے لوگ با مقصد زندگی گزارنے پر یقین رکھتے ہیں اسی لیے تاریخ اور مذہب سے لگاؤ' کتابیں پڑھنا اور سفر کرنا انہیں بہت پسند ہے جبکہ ایسے لوگ ایک خاص سمت پر زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں اور لوگوں کی نصیحت اور مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔

☆☆☆

حرف (ایچ) اس حرف سے شروع ہونے والے نام کے لوگ قدرتی طور پر دولت بنانے کی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ بہت تخلیقی صلاحیتیں رکھتے ہیں جبکہ یہ لوگ خود اعتماد اور لوگوں پر حکم چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (آئی) ایسے لوگ اپنے ہر حق کے لیے ڈٹ جاتے ہیں جبکہ یہ انتہائی نفیس اور باوقار طرز زندگی پر یقین رکھتے ہیں' اس کے علاوہ ایسے لوگ فیشن اور دیگر تخلیقی شعبوں میں شاندار کیریئر کے مالک ہوتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (جے) یہ حرف بے رحم جذبوں کا عکاس ہے اور ایسے لوگ اپنی خواہش کے حصول کے لیے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے جبکہ ایسے لوگ ایسے جیون ساتھی کے متلاشی ہوتے ہیں جو ان کے برابر یا برتر صلاحیتوں کا مالک ہوں۔

☆☆☆

حرف (کے) ایسے لوگ شرمیلے اور رازوں کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی جذباتی ہوتے ہیں جبکہ یہ لوگ زندگی کو با مقصد بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس طرح کے لوگ اپنی ذات پر یقین اور معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے عادی ہوتے ہیں اور اپنے پیاروں کے ساتھ انتہائی جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (ایل) اس حرف سے شروع ہونے والے نام کے لوگ توانائی سے بھرپور اور کرشماتی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں تاہم یہ لوگ اکثر اپنی وفاداری تبدیل کرتے ہیں اور کسی ایک سے محبت گہری محبت نہیں کرتے لیکن تابناک مستقبل کے مالک ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

حرف (ایم) اگر آپ کا نام اس حرف سے شروع ہوتا ہے تو آپ ذہین' جرات مند اور سخت محنت کے عادی ہیں آپ ایک اچھے ساتھی اور ناصح ثابت ہوتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (این) اس طرح کے لوگوں میں لکھنے اور آرٹ کی بہترین صلاحیتیں ہوتی ہیں' یہ مطالعہ کرنے والے ہوتے ہیں اور بے قرار بھی رہتے ہیں' اس لیے بیشتر لوگ ایسے لوگوں سے دور رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ پرفیکٹ کی تلاش میں رہتے ہیں اور اپنے جیون ساتھی پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (او) ایسے لوگ تعلیم اور ذہانت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں' اس لیے یہ ایک اچھے استاد اور لکھاری ہوتے ہیں' یہ لوگ حسن اخلاق کے مالک اور حق کے لیے ڈٹ جانے والے ہوتے ہیں اور یہی خوبیاں اپنے ساتھی میں بھی تلاش کرتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (پی) یہ لوگ روشن سوچ اور تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ دیگر صلاحیتوں کے بھی مالک ہوتے ہیں' یہ لوگ باتونی ہونے کی وجہ سے مزاحیہ حس بھی رکھتے ہیں اور ہمیشہ ایک اچھے چہرے والے ساتھی کے متلاشی رہتے ہیں۔

☆☆☆☆

حرف (کیو) ایسے لوگ اچھے مصنف اور خطیب ہوتے ہیں' کچھ ڈرامہ نویس' جادوگر اور اداکار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ منفرد شخصیت کے مالک ہوتے ہیں اور رسم زمانہ کو نقل نہیں کرتے بلکہ اپنے منفرد انداز اختیار کرتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (آر) ایسے لوگ وفادار' ہمدرد اور محبت کرنے والے انسان ہوتے ہیں اور اچھی بات یہ ہے کہ وہ چیلنجز کا سامنا کرنے سے نہیں گھبراتے' پرامن زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ ذہین ساتھی کو بھی اپناتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (ایس) یہ حرف جنسی کشش اور کرشماتی صلاحیتوں کی علامت ہے' اسی لیے یہ لوگ گلیمر اور لوگوں کے لیے پرکشش بننے کو پسند کرتے ہیں' یہ مشکل کام اور آئیڈیاز شروع کرتے ہیں جن کی کامیابی کے لیے سخت محنت درکار ہوتی ہے تاہم ایسے لوگ مخلص اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والے لوگوں میں سے ہیں' خود کبھی کسی کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتے اور دوسروں کو تڑپا کر رکھتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (ٹی) ایسے لوگ خود کو اتنا مصروف رکھتے ہیں کہ معاشرتی تعلقات قائم نہیں رکھ سکتے اسی لیے یہ لوگ اپنے مستقبل پر توجہ رکھتے ہیں اور اگر کوئی کام توقع کے مطابق نہ ہو تو اپ سیٹ ہوجاتے ہیں تاہم زندگی میں ترقی کی جانب گامزن رہتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (یو) یہ لوگ بہترین انفرادی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ عظیم آرٹسٹ اور مصنف ہوتے ہیں تاہم ایسے لوگ غیر معمولی طور پر بے ترتیبی اور اپنی بوکھلاہٹ کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں اسی لیے دوسروں کے ساتھ ان کا گزارہ کافی مشکل ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

حرف (وی) ایسے لوگ محنتی اور عملی باتوں پر یقین رکھتے ہیں' یہ وفادار' محبت کرنے والے اور انتہائی نرم دل کے مالک ہوتے ہیں' ایسے لوگ زندگی میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی وجہ سے بہت کچھ حاصل کرلیتے ہیں تاہم جس سے محبت کرتے ہیں اس پر حاوی رہنا چاہتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (ڈبلیو) اگر آپ کا نام اس حرف سے شروع ہوتا ہے تو آپ کرشماتی شخصیت کے حامل' فیشن ایبل' ہمدرد اور انتہائی محبت کرنے والے ہیں' آپ لوگوں کے راز کو سینے سے لگا کر رکھتے ہیں اس لیے انتہائی قابل اعتماد ہیں۔

☆☆☆

حرف (ایکس) ایسے لوگ پرسکون' قیادت کرنے والے اور کسی ایک مقصد پر رکنے والے نہیں ہوتے بلکہ زندگی میں آسائش اور خوشی کے متلاشی رہتے ہیں' مخالف جنس سے فلرٹ کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

حرف (وائے) یہ حرف آزادی اور خود پر اعتماد کی علامت ہے' ایسے لوگ کاروبار میں خطرات سے نہیں گھبراتے اور ترقی پسند ہوتے ہیں۔ اسی لیے دوسروں کی شخصیت سے متاثر ہوجاتے ہیں۔

☆☆☆

حرف (زیڈ) ایسے لوگ عام لوگوں میں رہنا پسند نہیں کرتے اور اگر لوگوں کے درمیان آجائیں تو فوری انہیں تحفظ درکار ہوتا ہے تاہم ایسے لوگ بہترین مشیر ہوتے ہیں کیونکہ یہ دوسرے لوگوں کی شخصیت کو اچھی طرح جان لیتے ہیں۔

☆☆☆☆

اسپغول

اسپغول نیم گلابی اور سفیدی مائل چھوٹے چھوٹے بیج ہوتے ہیں جنہیں بھگونے یا منہ میں کچھ دیر رکھنے سے لعاب پیدا ہوتا ہے۔ ان دانوں کے اوپر سے سفید چھلکا الگ کرلیا جاتا ہے جسے ''سبوس اسپغول'' یعنی اسپغول کا چھلکا یا بھوسی کہا جاتا ہے اور گھروں میں عام طور پر یہی بھوسی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ بھوسی لعاب دار اور پھیکی ہوتی ہے اور عموماً دکان سے چھوٹے چھوٹے پیکٹوں کی شکل میں مل جاتی ہے۔

☆.....اسپغول مزاج میں سرد و تر ہوتا ہے اس لئے اس کا لعاب بخار وغیرہ کی گرمی اور پیاس کو دور کرنے میں بہت موثر سمجھا جاتا ہے۔

☆.....پیچش کے دوران 10 گرام اسپغول آدھ پاؤ دہی میں ملا کر ایک گھنٹہ رکھنے کے بعد کھائیں۔ ایک دو روز کے استعمال سے پیچش ٹھیک ہو جائیں گے۔

☆.....اسپغول آنتوں کی خشکی سے پیدا ہونے والی قبض کی شکایت کو دور کرتا ہے۔ اس کے لئے 10 گرام اسپغول ایک پاؤ دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔

☆.....اسپغول دمے اور خشک کھانسی وغیرہ میں بھی بہت کام کی چیز ثابت ہوتا ہے۔ روزانہ 10 گرام اسپغول دودھ یا پانی کے ساتھ کم از کم 40 دن تک کھانے سے کھانسی ٹھیک ہو سکتی ہے۔

☆.....گرمیوں کے دنوں میں اگر بہت زیادہ پیاس لگتی ہو تو اسپغول کو پانی میں بھگو کر اور ذرا سی شکر ملا کر یہ پانی پئیں۔ پیاس جاتی رہے گی۔

☆.....اسپغول خون کے جوش یا گرمی وغیرہ کو بھی کم کرتا ہے۔

☆.....سینے اور حلق کا کھرکھراپن دور کرتا ہے۔

☆.....صفراوی امراض کے لئے مفید ہے۔

☆.....بعض اوقات کسی وجہ سے پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہیں یا آنتیں زخمی ہو جاتی ہیں۔ ان حالات میں اسپغول کی بھوسی دہی میں شامل کر کے کھانے سے آرام ملتا ہے۔

☆.....روغن گل (گلاب کے پھولوں کا تیل) سرکہ میں پیس کر لگانے سے جوڑوں کے درد کو آرام ملتا ہے۔

☆.....سر درد کی صورت میں عرق گلاب میں اسپغول کا لعاب ملا کر پیشانی پر لگانے سے تسکین ملتی ہے۔

☆.....اسپغول کے لعاب کے غرارے یا کلی کرنا منہ کے جوش اور منہ کے درموں یا چھالوں وغیرہ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

☆.....اسپغول بواسیری خون کو روکتا ہے۔

☆.....آنتوں کی جلن کو جن میں بواسیری خون کا دباؤ ہوتا ہے کم کرتا ہے۔

☆.....کہتے ہیں کہ اسپغول کو کوٹ کر بدن پر ملنے سے بدن نرم اور موٹا ہوتا ہے۔

☆.....اسپغول کو کوٹ کر کھانا زہریلے اثرات رکھتا ہے اس لئے اسے چبانا یا کوٹ کر نہیں کھانا چاہیے۔

☆.....☆.....☆

رنگِ سخن

ترتیب: شاہ روم خان ولی

روشنیوں کا شہر جہاں ہر کانچ کے ٹکڑے پر پڑنے والی روشنی اسے آنکھوں کو چوندھیا دینے والا ستارا بنا دیتی ہے، اس شہر کراچی میں سکونت پزیر ایک گوشہ نشین ستارا جو اپنے علم و فن سے اردو زبان کی خدمت میں سر گرداں ہے، جسے اہلِ علم صابرؔ عظیم آبادی کے نام سے جانتا ہے۔ اپنے دستِ شفقت سے اردو شاعری کو کئی بڑے نام عطا کرنے والے استاد شاعر کا اصل نام محمد اقبال حسین ہے آپ 26 اگست 1940ء کو آریا وال ضلع پٹنہ ہندستان میں پیدا ہوئے بینکاری کے شعبہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد درس و تدریس سے وابستہ ہیں تو دمِ حال بطور پرنسپل ایک نجی سکول میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ 1956ء میں 16 برس کے عمر سے شاعری کا آغاز کیا۔ 61 سال سے شاعری کی خدمت کر رہے ہیں حلقہ فکر و دانش کراچی کے صدر ہیں آپ تقریباً تمام اصناف میں اردو شاعری کو نگینے عطا کرتے ہیں جن میں حمد و نعت، نظم و غزل کے علاوہ رباعیات، قطعہ، دوہا، دوہا غزل، تروینی، ماہیے، غزل نما، دوہا گیت، ہائیکو، غزلہ، تکونیاں، کہہ مکرنیا، کہن، غزلِ مثلث، سانیٹ اور آزاد غزل شامل ہیں۔

آپ کے دو مجموعات ''صحرا کے پھول'' اور ''دریچہء گلاب'' منظرِ عام پر مطبوعہ ہیں اور باقی اصناف کے مجموعہ رزیرِ طبع ہیں۔

محترم قارئین جنابِ صابرؔ عظیم آبادی کے خوبصورت کلام سے کچھ آپ کے لیے بطورِ خاص۔

☆☆☆

رباعی

یہ پردہ ہٹاؤ تو تمہیں ہم جانیں
جلوہ بھی دکھاؤ تو تمہیں ہم جانیں
ساغر سے پلانا تو بڑی بات نہیں
آنکھوں سے پلاؤ تو تمہیں ہم جانیں

☆☆☆

ہم بڑی احتیاط سے گزرے
دور کیف و نشاط سے گزرے
جستجو میں تری کہاں نہ کہاں
شاہراہِ بساط سے گزرے
ہر قدم چومنے بڑھی منزل
جب رہِ ارتباط سے گزرے
ہم خوشی کو امر بنانے میں

درد کے پل صراط سے گزرے
عشق کے راستے میں کانٹے ہیں
دن ذرا احتیاط سے گزرے
رکھ کے نفرت کو اپنے پیچھے ہم
سرحدِ اختلاط سے گزرے
اس کو پانے کے بعد ہی صابر
حالتِ انبساط سے گزرے

☆☆☆

دنیا میں زیست کرنے کا کوئی جواز کیا
جب تم نہیں تو میرے نشیب و فراز کیا
دشمن تھے سب ہماری ہی جانِ عزیز کے
کہتے کسی سے قصۂ راز و نیاز کیا
چھوڑا ہے ہم نے فردا پہ کارِ حیات کو
ہوگی ہماری عمر بہت ہی دراز کیا
کھولی نہیں کسی نے دکاں شہرِ سنگ میں
واقف ہیں سنگ زادوں سے آئینہ ساز کیا
جس کو نہیں تھا خود کو پرکھنے کا کچھ شعور
کرتا وہ اپنی فہم و فراست پہ ناز کیا
ہم ہیں وفا پرست سنیں گے وفا کے گیت
جس میں نہیں صدائے محبت وہ ساز کیا
صابر لگی ہے چلنے ہوائے مخالفت
بتلا دیا کسی نے مرے گھر کا راز کیا

☆☆☆

کس گل رعنا کا یہ آیا خیال
مسکرائی زندگی مہکا خیال
اس سے ملتے ہی بچھڑ جانا پڑا
کون کس کا بھیڑ میں رکھتا خیال
اب اندھیروں کا نہیں ہے ڈر مجھے
ہے چراغِ رہ گزر تیرا خیال
وہ ترقی کر نہیں سکتا کبھی
جو نہیں رکھتا کبھی اپنا خیال
کیا وہ نکلے گا انا کے خول سے
ہے تکبر آشنا جس کا خیال
خوشبوؤں کی کہکشائیں اوڑھ کر
گیسو و رخسار تک پہنچا خیال
دشتِ تنہائی میں صابر رات بھر
جگنوؤں نے ہی مرا رکھا خیال

☆☆☆

ہجر کی آگ نہیں اور سمٹنے والی
زندگی غم کے دھماکوں سے ہے پھٹنے والی
اپنی خوشیوں کے چراغوں کر رکھو
غم کے صحرا کی ہوا پھر ہے پلٹنے والی
اس سے بھی جان چھڑانے کی کروں کیا کوشش
یہ مصیبت تو ہے دامن سے لپٹنے والی
آؤ ہم بھی تو کریں فیض وہاں سے حاصل
اس کے دربار میں خیرات ہے بٹنے والی
ہم مہذب ہیں مہذب ہی رہیں گے آخر
تیرے بہتان سے عزت نہیں گھٹنے والی
خود کو حالات کے طوفاں سے نکالو ورنہ
زیست کی ناؤ ہے پل بھر میں اُلٹنے والی
اتنا مایوس نہ ہو اپنے بکھر جانے پر
غم کی گھنگھور گھٹا دم میں ہے چھٹنے والی
یاد ہوجاتی ہے ہر شخص کو پڑھتے پڑھتے
یہ اجالے کی عبارت نہیں رٹنے والی
چہرے دہکاں کے چمکتے ہیں جبھی صابر
اب کے موسم میں نئی فصل ہے کٹنے والی

☆☆☆

سالانہ جائزہ رپورٹ ریشم ڈائجسٹ

مقصود احمد بلوچ

آپ تمام رائٹرز اور تمام قارئین کو ''ریشم'' کی سالگرہ مبارک ہو۔ اس مرتبہ میں نے گزشتہ سال 2016ء کا سالانہ جائزہ رپورٹ لکھنے کی کوشش کی ہے اور اس امید کے ساتھ میں یہ رپورٹ لکھ رہا ہوں کہ ریشمی لکھاری اینڈ قارئین اسے ضرور پسند کریں گے اور پسند کرتے ہوئے میری حوصلہ افزائی بھی کریں گے۔

جنوری تا دسمبر 2016ء ریشم ڈائجسٹ کے بارہ شمارے کل 3528 صفحات پر مشتمل تھے۔ جن میں سے بارہ شماروں کے بارہ عدد اداریے بارہ ہی صفحات پر مشتمل تھے۔ یہاں پر میں آپی بشریٰ مسرور کے اداریے کی بات کروں گا۔ آپی بشریٰ مسرور کے بارہ عدد اداریے بہت ہی خوب صورت اور سبق آموز پیغامات کی صورت میں مشتمل تھے۔ ویری ویلڈن آپی جی.....میری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔

ہاں جی تو اب سب لوگ ایک دفعہ اپنے اپنے دل کو تھام لیں کیونکہ اب مقصود احمد بلوچ سال 2016ء کی کارکردگی کا رزلٹ پیش کرنے لگا ہے۔ سال 2016ء میں کل 188 افسانے شائع ہوئے۔ جس میں فرسٹ پوزیشن محمد عرفان رامے نے لی جن کے 9 افسانے اینڈ تاریخی کہانیاں شائع ہوئیں۔ دوسری پوزیشن عذرا فردوس نے حاصل کی جس کے 8 افسانے شائع ہوئے۔ اسی طرح تھرڈ پوزیشن حاصل کرنے والے ہمارے ساتھی لکھاری جناب ممتاز احمد سرگودھا سے جنہوں نے سال 2016ء میں سات افسانے لکھ کر اپنی انٹری دی۔ ڈاکٹر طارق محمود آکاش اینڈ ایس امتیاز فی کس چھ، چھ افسانوں کے ساتھ نمایاں رہے۔ مسز نگہت غفار اور عنبرین اختر فی کس پانچ، پانچ افسانے لکھنے میں کامیاب ہوئیں۔ محمد سلیم اختر، انجم فاروق ساحلی، شاہد سلیم فی کس چار، چار افسانے لکھ پائے۔ اسی طرح محسن علی طاب، حنا اصغر، ثناء ناز، نزہت جبیں ضیاء، محمد حفیظ، طلحہ مسرور، محمد قاسم بلوچ، ایم اشفاق بٹ، محمد اسلم آزاد، مجید احمد جائی فی کس تین، تین افسانے شائع ہوئے۔ عفت گل اعزاز، ندیم عباس ڈھکی، فدا حسین، قیصر حمید، ایم حسن نظامی، حاجرہ غفور، عابدہ طارق، پریم چندر، محمد ساحل ابڑو، آسیہ شاہین، طلعت شبیر، سباس گل، رابعہ فاطمہ، نرجس بانو، عامر زمان عامر، ماورا بشارت چیمہ، مقصود احمد بلوچ اور آخر پر شاہد رفیق سہو فی کس دو، دو افسانوں کے ساتھ ریشم سال 2016ء میں شامل ہوئے۔ دوستوں پریشان نہیں ہونا، سب کے ساتھ پورا پورا انصاف ہو گا۔ کیونکہ ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے۔ سیمی کرن، طلعت خان، ثمینہ طاہر بٹ، عامر بشیر، رانا زاہد حسین، آمنہ صدف، صفیہ سجل شاہ، قرۃ العین سکندر،

میاں طارق محمود، نگہت اعظمی، ناہید فاطمہ، جوریہ ملک، صائمہ نور، راشد لطیف، عالیہ حرا، شازیہ اعجاز شازی، زاہد بن یوسف، روبینہ رضا، پروفیسر زیب النساء، محمد شعیب، نگینہ بشیر احمد، ناز سلوش زشے، شازیہ عابد، افشاں ساجد، صباحت رفیق، مہوش ملک، زویا حسن، شازیہ محمود، ماریہ یاسر، کومل ذیشان، عابدہ سبین، عائشہ اعوان، محمد قاسم رحمان، مریم مرتضی، اقراء اعجاز، حمیرا حور، طلعت خان، طاہرہ ایوب، رابعہ انعم اور آخر پر ہمارے ساتھی لکھاری محمد جواد فی کس ایک، ایک افسانے کے ساتھ ریشم میں انٹری دے سکے۔ لو جی دوستوں افسانوں کی تفصیل اختتام پذیر ہوئی۔

ہاں جی! تو اب بات ہو جائے ریشمی دستک کی جو میرا اور یقیناً آپ سب قارئین اور ریشمی لکھاریوں کا من پسند ٹاپک ہے۔ ٹوٹل خطوط 162 جو کہ ریشم ڈائجسٹ کی زینت بنے۔ ریشمی دستک میں فسٹ پوزیشن حاصل کرنے والے تین خوش نصیب ہیں جنہوں نے فسٹ پوزیشن حاصل کی جن کے نام ایم حسن نظامی، مسز نگہت غفار، اینڈ ہر دل عزیز لکھاری اینڈ شاعرہ فریدہ جاوید فری شامل ہیں۔ ان تین ناموں میں، میں سب سے زیادہ مبارک باد آپی فریدہ جاوید فری کو دوں گا کیونکہ انہوں نے بیماری کی حالت میں رہ کر بھی ریشم کا ساتھ نہیں چھوڑا اور سب سے آگے نکل کر ٹاپ پوزیشن حاصل کر لی۔ ویلڈن آپی جی..... اللہ تعالی آپ کو تندرستی والی زندگی عطا کرے۔ (آمین)

اسی طرح ریشمی دستک میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے ہمارے ریشمی لکھاری پرنس افضل شاہین نے حاصل کی۔ تیسری پوزیشن جن ساتھیوں نے حاصل کی وہ ہیں سرگودھا سے ممتاز احمد، شیر زمان پشاوری، مقصود احمد بلوچ، عنبرین اختر، فی کس چھ، چھ خطوط شائع ہوئے۔ اشفاق شاہین، محسن علی طاب، مجید احمد جائی فی کس 5 خطوط، فیصل ندیم بھٹی، ایس امتیاز فی کس 4 خطوط۔ اسی طرح آگے چلتے ہوئے عشال احمد نواب، قاسم خان بلوچ، آسیہ شاہین، شاہد سلیم فی کس تین، تین خطوط کے ساتھ شامل ہوئے۔ ریاض حسین قمر، ایم اشفاق بٹ، صفیہ سجل شاہ، محمد شعیب، ڈاکٹر طارق محمود آکاش، عبدالعزیز جی آ، فیصل مشتاق، حنا احمد علی، صغری کوثر فی کس دو خطوط شائع ہوئے۔ ڈاکٹر طارق محمود آکاش، بھائی جان پورے سال میں دو ہی خطوط آخر کیوں؟ عابدہ طارق، ایم ارشد وفا، سجدہ صابر، غزالہ جلیل راؤ، خالد محمود آسی، محمد اسلم آزاد، حمیرا حور، عمارہ ناز، میاں طارق محمود، راشد لطیف، محمد ابوہریرہ بلوچ، احمد سجاد بابر، ارشد محمود ملک، مہوش ملک، صغریٰ بخاری، عفت گل اعزاز، اور آخر پر محمد قاسم رحمان یہ تمام ساتھی فی کس ایک خطوط کے ساتھ ریشمی دستک میں شامل ہوئے۔

ہاں جی تو ساتھیوں یہ تھی ریشمی دستک میں ریشمی لکھاریوں کی کارکردگی۔ ابھی سفر ختم نہیں ہوا۔ اب باری ہے (ریشمی سندیسے) کی۔ ٹوٹل آٹھ ماہ ریشمی سندیسے شائع ہوئے۔ جن کی ٹوٹل تعداد 36 ہے۔ جن میں فسٹ پوزیشن حاصل کرنے والے آپ کے ریشمی لکھاری مقصود احمد بلوچ ہیں۔ آٹھ ماہ میں 6 ریشمی سندیسے شائع ہوئے۔ اسی طرح دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے ہمارے ساتھی دوست جناب ایم اشفاق بٹ ہیں۔ بٹ صاحب دیکھ لو اس دفعہ ہم نے میدان مار لیا ہے۔ کیونکہ پچھلے سال یعنی کہ سال 2016ء میں آپ کی فسٹ پوزیشن تھی اور میری سیکنڈ اور اس دفعہ ہم نے آپکو پیچھے چھوڑ دیا۔ چلو خیر کوئی بات نہیں۔ مقابلہ ابھی بھی بہت سخت ہے۔ تھرڈ پوزیشن سرگودھا سے ممتاز احمد نے حاصل کر لی۔ چار ریشمی سندیسے لکھ کر۔ محسن علی طاب، مسز نگہت غفار، عابدہ طارق، اینڈ شاہد رفیق سہو فی کس دو ریشمی سندیسے، ساجد اکبر، محمد

خالد ارمان، صنم ناز، پرنس افضل شاہین، مجید احمد جائی، راشد لطیف، سجدہ صابر، شیر زمان پشاوری، ثناء اللہ آصف، آمنہ کشف اور آخر پر شاہد سلیم فی کس ایک ریشمی سندیسے کے ساتھ شامل ہوئے۔ یہاں پر میں تمام ریشمی لکھاریوں سے یہ گزارش کروں گا کہ ریشمی سندیسے ایک بہت اچھا سلسلہ ہے۔ لیکن ریشمی سندیسے نہ آنے کی وجہ سے کچھ ماہ یہ سلسلہ شائع نہیں ہوا۔ شائع نہ ہونے کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ ریشمی سندیسے بہت کم تعداد میں لکھے جاتے ہیں حالانکہ یہ سلسلہ مجھے تو بہت پسند ہے۔ پتہ نہیں آپ سب لوگوں کو کیوں نہیں ؟ امید کرتا ہوں کہ آئندہ زیادہ سے زیادہ ریشمی سندیسے ارسال کریں گے۔

جی ریشمی دوستو! تو اب بات ہو جائے رنگ خیال کی۔ کہ اس سلسلے میں ریشمی لکھاریوں کی کارکردگی کیا رہی ہے۔ یہ سلسلہ بہت ہی کم شائع ہوا۔ مطلب پورے سال میں ٹوٹل تین دفعہ ہی رنگ خیال کا سلسلہ شائع ہوا۔ جن کی ٹول تعداد 45 تھی۔ جن میں فسٹ پوزیشن حاصل کرنے والے خوش نصیب مضطر بخاری، مقصود احمد بلوچ، ایم حسن نظامی، افضال عاجز فی کس تین غزل کے ساتھ فسٹ پوزیشن حاصل کی۔ دوسری پوزیشن جن ساتھیوں نے حاصل کی وہ ہیں ریاض ندیم نیازی، رخسانہ سحر، ارشد محمود ارشد، اینڈ سباس گل شامل ہیں۔ جنہوں نے فی کس دو غزلیں لکھیں۔ کنول خان، شائستہ سحر، حمیرا انجم، صباحت گل، فضل عباس ظفر، فریدہ جاوید فری، شائستہ مجید، حسن عباس رضا، عثمان اسلم، سید عرفان عرفی، کرنل طلعت شبیر، شازیہ کرن، ایم جے قریشی، صائمہ بشیر، قراۃ العین عینی، شازیہ عابد، شہزاد نیئر، ایمن بخاری، شاہد سلیم، مسز نگہت غفار، ثناء اللہ آصف، شگفتہ شفیق، سید عارف شاہ فی کس ایک، ایک غزل کے ساتھ رنگ خیال کا حصہ بنے۔

ریشم میں انٹرویو کا سلسلہ روبینہ رضا جو کہ انٹرویو لینے کی انچارج ہیں۔ بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ اس سال یعنی 2016ء میں مختلف ریشمی لکھاریوں کے نام کچھ اس طرح سے ہیں۔ ایم اشفاق بٹ، مقصود احمد بلوچ، عنبرین اختر، ڈاکٹر طارق محمود، روبینہ رضا، صفیہ سجل شاہ، سباس گل، شہزاد نیئر، آسیہ شاہین، سید عرفان عرفی، مسز نگہت غفار ان سب ریشمی لکھاریوں کے بارے میں جان کر نہایت اچھا لگا۔

لیجئے دوستوں 2016ء کا تجزیاتی جائزہ آپ نے ملاحظہ کیا اب سال 2017ء کے لیے بھی خوب ڈٹ کر لکھیں۔ مقابلہ بہت سخت ہے۔ ریشمی دوستو! میں نے اپنی طرف سے سالانہ رپورٹ اپنے خدا کو حاضر ناظر جانتے ہوئے انصاف کے ساتھ لکھی ہے۔ مگر پھر بھی کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی ہوگئی ہو تو پلیز معاف کر دینا۔ کیونکہ غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ آخر پر تمام لکھاریوں کو جاتے جاتے ایک محبت بھرا پیغام دینا چاہتا ہوں۔ دوستوں ریشم ڈائجسٹ بہت ہی اچھا پرچہ ہے تمام لکھاری محنت اور محبت سے لکھیں۔ زیادہ سے زیادہ لکھیں۔ نفرتیں ختم کریں۔ ایک دوسرے کی عزت کرنا سیکھیں۔ کیونکہ اگر ہم لکھاری لوگ ایک دوسرے کو عزت نہیں دیں گے تو پھر ہمیں عزت کون دے گا؟

آخر پر ریشم کی پوری ٹیم کو بہت بہت مبارک باد، جو اتنی محنت سے ریشم کا ایک ایک لفظ ایک ایک ورق بنا سنوار کے قارئین اور ہم ریشمی لکھاریوں تک پہنچاتے ہیں اور ہر سال ریشم رائٹر ایوارڈ کا بھی انعقاد کرتے ہیں جو ایک بہت ہی اعزاز کی بات ہوتی ہے۔ تمام دوستوں سے اب اجازت چاہتا ہوں۔ اللہ نگہبان

☆☆☆☆

ریشم ڈائجسٹ.....سالگرہ سروے

ریما نور رضوان

ریشم ڈائجسٹ کی سالگرہ کے خوبصورت موقع پر ہم نے اپنے ریشمی ساتھیوں کے لیے سجائی خوبصورت و دلکش سی محفل۔ ریشم کی سالگرہ ہو اور ہم اسے منائیں نہ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا ریشم کی سالگرہ کی تقریب میں ہماری پیاری مصنفین نے شرکت کی آیئے اس دلچسپ سروے کے سوالات و جوابات سے لطف اندوز ہوں۔

1۔ ریشم ڈائجسٹ کا اور آپ کا ساتھ کتنا پرانا ہے؟

2۔ ریشم ڈائجسٹ کو کیسا پایا؟

3۔ ریشم ڈائجسٹ میں کہیں کسی سلسلے میں تبدیلی چاہتی ہیں؟

4۔ کیا تبدیلی ہونی چاہیے؟

5۔ ریشم ڈائجسٹ لکھاری اور قارئین کی توقعات پر پورا اترتا ہے؟

6۔ ریشم ڈائجسٹ میں پہلی تحریر ہی شائع ہوگئی تھی یا انتظار کرنا پڑا تھا؟

7۔ ریشم ڈائجسٹ کا کون سا سلسلہ وار ناول پسند ہے کس مصنفہ کا اور کیوں؟

8۔ کیا آپ کے لکھنے کا کوئی خاص وقت ہوتا ہے؟

9۔ کس وقت لکھنا آپ کو زیادہ اچھا لگتا ہے؟

10۔ کیا لکھنے میں وقت کا بھی اثر پڑتا ہے مثلاً اگر کوئی چیز صبح لکھیں تو انداز بدل جائے یا شام میں لکھیں تو انداز کچھ اور ہو؟

11۔ کیا ماحول اور موسم کا اثر بھی تحریر پر پڑتا ہے؟

12۔ ریشم ڈائجسٹ کو سنوارنے والے ریشم ڈائجسٹ کی ایڈیٹر بشریٰ مسرور، مینجمنٹ اسٹاف کے لیے کیا پیغام دینا چاہیں گے۔

نزہت جبین ضیاء، شاعرہ، مصنفہ

کالم نگار، کراچی

السلام علیکم پہلے تو ریشم کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد.....اللہ پاک ریشم کو اسی طرح کامیابیوں کی منازل طے کرتے ہوئے آسمانوں کی بلندی تک لے جائے۔ (آمین)

1-ریشم کا میرا ساتھ اتنا پرانا ہے کہ اگر آج یہ تناور درخت کی صورت کھڑا ہے تو اس کو کھاد اور پانی سے میں نے بھی سینچا ہے۔ جب یہ کراچی سے شائع ہوتا تھا اور اس کی ایڈیٹر سیما غزل اور مصطفیٰ ہاشمی تھے۔ تب سے میں اس کے ساتھ ہوں۔ ایک عرصے تک ریشم میں کچن بھی میرا ہی لگتا رہا ہے (الحمدللہ)

2-اچھا ہے سب سے بڑی بات ہے کہ نئے لکھنے والوں کی پذیرائی ہوتی ہے۔

3- نہیں مجھے نہیں لگتا کہ تبدیلی ہونی چاہیے۔

4- کوئی نہیں۔

5-ہاں مجھے تو لگتا ہے کہ پورا اترتا ہے ہاں ایک کمی ہے کہ کراچی میں یہ بکسٹالز پر نہیں ہوتا عام قاری کے لیے یہ مسئلہ ہے۔

6-الحمد للہ پہلی تحریر سے لے کر آج تک جو بھیجا فوری ہی شائع کیا گیا اسٹارٹ میں مصطفیٰ ہاشمی میری تحریروں کے بارے میں کہتے تھے آپ کی کہانی میں ایک نقطے کی بھی کمی بیشی نہیں کرنی پڑتی پرفیکٹ ہوتی ہیں۔

7-بشریٰ کے ناولز ہی اچھے لگتے ہیں۔ ویسے میں ناولز پڑھنے میں سست ہوں۔

8-جب گھر اور گھر داری سے بچا ہوا ٹائم ملے تب لکھتی ہوں عموماً لنچ اور ظہر کی نماز کے بعد عصر کی نماز تک کا ٹائم جو کہ میرا اپنا ہوتا ہے تب لکھتی ہوں۔

9- لکھنے کے لیے اپنی مرضی کا وقت نہیں ملتا فراغت کا وقت ہی ملتا ہے۔

10- نہیں بالکل بھی نہیں ہاں رات کو جب سونے لیٹتی ہوں تب سوچتی ہوں کہ کہاں کہاں سٹوری چینج کرنی ہے۔

11- نہیں مجھے نہیں پڑتا جو ذہن میں آتا ہے وہی صفحات پر بکھیر دیتی ہوں۔

12-بہت ساری دعائیں اور نیک تمنائیں۔ بشریٰ ،اسٹاف اور فیملی کے لیے بشریٰ پہلے میری دوست اور بعد میں ایڈیٹر ہے اس لیے میں لکھوں یا نہ لکھوں میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہوں اچھی اور پرخلوص دوستی کے لیے اس کی دل وجان سے مشکور ہوں۔ اللہ پاک اس کو صحت اور تندرستی کے ساتھ لمبی زندگی عطا کرے آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی

1 بہت پرانا ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ ریشم کا مطالعہ ہماری والدہ بھی کیا کرتی تھیں۔ پھر میری بڑی بہنیں اور اس کے بعد میں بھی اس کو پڑھنے لگی اور یہ ساتھ مہینوں سے نہیں برسوں سے قائم ہے، اور اب لگے ہاتھوں ریشم کی سالگرہ بہت مبارک سب کو.....

2: بھئی یہ سوال تو بلاوجہ ہی پوچھا ریما جی! ریشم ڈائجسٹ کو بہت پیارا، بہت اپنائیت بھرا اور بہت مکمل پایا ،بس آیا اور چھا گیا والا معاملہ رہا ریشم کا۔

3: مجھے نہیں لگتا کہ ریشم میں کچھ بھی ایسا ہے جس کو تبدیلی کی ضرورت ہے البتہ یہ چاہوں گی کہ ریشم رائٹرز کے لیے ایوارڈ شیلڈز کا اہتمام کیا جائے جس کے لیے ضروری نہیں کہ تقریب کا انعقاد ہو بلکہ کسی بھی اچھی تحریر کو ہر ماہ شیلڈ رائٹر کو ارسال کر دیا جائے۔

4: میں نے جیسے یہ کہا کہ شیلڈ دی جائے۔ ہر ماہ منتخب تحاریر پر ادارہ ریشم ڈائجسٹ اعزازی شیلڈ سے رائیٹرز کو نوازے یہ رائیٹرز کے لیے اعزاز ہوگا اور اس کا فیصلہ خود ریشم ایڈیٹر کرے۔

5: بالکل پورا اترتا ہے بس چاہئے معیار پہ سمجھوتہ نہیں کیا جائے اور ناولٹ اور افسانہ جات توازن سے شامل ہوں یہی ریشم کی خوبصورتی ہے کہ کہانیاں لمڈ میں ہوتی ہیں۔ افسانے۔ ناول۔ ناولٹ۔ سب سے بڑھ کر جو رنگ میں بھنگ ہے اور ادبی افسانے شائع کیے جاتے ہیں قابل ستائش ہیں۔

6: جی الحمدللہ، پہلی ہی شائع ہوگئی تھی اور یہ ریشم ٹیم کی مہربانی ہے بلاوجہ انتظار نہیں کرواتے ہیں۔

7: ریشم میں مجھے سلسلہ وار ناول جو بہت اچھا لگا وہ تحسین انجم انصاری صاحبہ کا پسند آیا تھا جو کہ حال ہی میں اختتام پذیر ہوا ہے اس کا طرز تحریر بہت دلکش لگا۔

8: نہیں میرے لکھنے کا کوئی خاص وقت نہیں ہوتا ہے جب موقع ملے لکھ لیتی ہوں۔

9: رات کے وقت لکھنا آئیڈیل ٹائم لگتا ہے لیکن اب رات کو لکھ نہیں پاتی۔

10: نہیں وقت سے فرق نہیں پڑتا ہے بس موڈ پہ منحصر ہے کہ موڈ کیسا ہے اس کے بہت اثرات ہوتے ہیں لکھنے پہ، اس وجہ سے انداز بدل جاتا ہے۔

11: بالکل ماحول اور موسم کا تحریر پہ واقعی اثر پڑتا ہے، جیسے بارش سے دل پہ بہت خوبصورت اثرات ہوتے ہیں قلم میں بانکپن آجاتا ہے بھئی، اور اگر بندہ جھگڑ کر بیٹھا ہو تو لو جی پھر تو لکھ ہی لیا نا اچھا یوں ماحول بھی اثرات ڈالتا ہے۔

12: بشریٰ جی کے لیے میرا پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت ساری خوشیاں دے اور سلامت وصحتمند رکھے جس قدر محنت سے وہ ریشم کی نوک پلک سنوارتی ہیں اس طرح سے ان کی زندگی رنگوں سے بھری رہے، ریشم کی سالگرہ بہت مبارک ہو اور مینجمنٹ سٹاف کو بہت مبارکباد کہ ان کی محنت سے یہ گلدستہ مہک رہا ہے اور ان سب کی محنت ریشم کے ہر صفحہ، ہر لفظ میں نظر آتی ہے خاص طور پر پیاری بیٹی ریما نور رضوان بہت محنت اور محبت سے کام کر رہی ہیں سلامت رہیں بشریٰ جی نے قابل بچی کو ریشم کے لیے چنا ہے۔ مجھے امید ہی کہ ریما ریشم کے ساتھ سدا مخلص رہے گی۔

ریشم ڈائجسٹ آل سٹاف ممبرز پیاری بشریٰ اور ریشم سے جڑے ریشمی سے رائیٹرز اور ریڈرز کو ریشم کی سالگرہ کی ڈھیر ساری مبارکباد، دعا ہے یہ یونہی ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔ آمین ثم آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گل ارباب، شاعرہ

مصنفہ، پشاور، پاکستان

1 ریشم ڈائجسٹ کا اور میرا ساتھ دو مہینے پرانا ہے اس سے پہلے صرف ریشم کا ریشمی سا نام سن رکھا تھا ایف بی پہ ... میں چونکہ ادبی قسم کے افسانے لکھتی ہوں جنھیں زیادہ تر ادبی رسالوں یا ادبی گروپس میں ہی بھیجتی ہوں ... ایک گروپ میں افسانوں کا مقابلہ ہوا جس میں افسانہ بھیجا جو پوزیشن بھی لے گیا اور فرسٹ سیکنڈ تھرڈ افسانے ریشم ڈائجسٹ کے لیے منتخب ہوئے یوں میرا افسانہ چھپا اور میں نے پہلی بار ریشم خریدا... یہ ہے میری ریشم سے پہلی ملاقات۔

2 ریشم جب ہاتھوں میں آیا اپنا افسانہ دیکھا اور پیسے خرچ کر کے خریدا تھا اس لیے دیگر سلسلے اور افسانے اور قسط وار ناول سبھی کچھ پڑھا اور سچ کہوں تو ریشم ڈائجسٹ پڑھ کر ایک خوشگوار سی کیفیت ہوئی کسی بھی بڑے ڈائجسٹ کے مقابلے کا ہے ریشم۔ اب تک ادب عالیہ اور پاپولر فکشن دونوں ایک دوسرے سے روٹھے روٹھے رہتے تھے اور پڑھنے یا لکھنے والے انھیں فن تحریر کی دو الگ جہتیں مانتے تھے لیکن ریشم ڈائجسٹ میں مجھے لگا کہ اب یہ دوریاں گھٹ گئی ہیں کیونکہ پاپولر فکشن میں ادبی رنگ جھلکنے لگا ہے ساس بہو کی کہانیوں سے آگے کے مسائل پہ ریشم میں کہانیاں چھپ رہی ہیں۔

3. مجھے تو سبھی کچھ پسند آیا.. اور خواہش ہے کہ کچھ افسانوی سلسلہ ذرا ہنسنے مسکرانے کا شامل ہو تو بہتر رہے گا ہر مہینے ایک ایسا مزاحیہ افسانہ یا مضمون جو اداس چہروں پہ بے ساختہ مسکراہٹیں بکھیر دے۔

5 بحیثیت لکھاری تو میرا زیادہ واسطہ نہیں پڑا.. اب امید ہے کہ ان شاءاللہ آگے چل کر ریشم کے لیے لکھوں گی ... چھاپنا نہ چھاپنا ان کا کام ہے ... سنا یہ ہے کہ لکھاری کی توقع سے زیادہ معاوضہ دیتے ہیں اور عزت بھی بحیثیت قاری تو یہ لکھ چکی ہوں کہ امید سے زیادہ بہتر پایا ...

6 جیسا کہ لکھ چکی ہوں کہ پہلی تحریر تو انعام یافتہ افسانہ تھا سو فوری طور پہ چھپ گیا۔ اب آئندہ اندازہ ہوگا کہ تحریر چھپوانے میں کتنا وقت لگتا ہے دشوار ہے یا آسان۔

7 ابھی تو ایک ہی شمارہ پڑھا ہے اب آگے دیکھتی ہوں ناولز کیسے جا رہے ہیں۔

8 ہائے یہ سوال ایسا ہے کہ دل پہ اک چھری سی چل گئی ہے اور بے ساختہ لبوں سے اک آہ نکلی ہے وجہ یہ ہے کہ ایک خاتون خانہ ہوں گھر کے کاموں کے دوران

بریانی کو توے پہ دم دینے لگوں تب لکھتی ہوں کپڑے استری کرتے کرتے کوئی خیال ذہن میں آجائے تو استری قمیص کے کالر پہ چھوڑ کر جلدی سے سیل فون میں لکھنے لگتی ہوں۔اتنی دیر میں استری اور کالر دونوں میری ذہانت سے جلنے لگتے ہیں اور دھواں سا اٹھتا ہے تب ہیرو ہیروئین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے اگر ساحل پہ چہل قدمی کررہے ہیں تو بے چارے پورا ہفتہ یونہی چلتے رہتے ہیں کیونکہ اگلا سین لکھنے میں اتنا وقت لگ ہی جاتا ہے جلے ہوئے کالر کا ہفتہ وار سوگ بھی منانا ہوتا ہے ناں.....

9 جب آس پاس شور ہو بچے کارٹون دیکھ رہے ہوں ہنڈیا اور چولہے کا رومانس چل رہا ہو۔ چار سالہ بیٹی کندھے پہ لٹکی فون یا لیپ ٹاپ چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے۔فرمائش کررہی ہو مما یوٹیوب پہ کارٹون دیکھنا ہے ... بس تبھی آمد ہوتی ہے اور خوب ہوتی ہے۔

10 ... پتہ نہیں وقت سے فرق پڑتا ہے یا نہیں ... کیونکہ ایسا وقت آیا ہی نہیں۔ مجھے ہمیشہ ایک سا وقت ہی ملتا ہے .. ہنگامی وقت .. آدھی رات کو خاموشی میں لکھنے بیٹھوں تو سرتاج کے خراٹے میوزک کا کام دیتے ہیں ... یہ جو سرتاج ہوتے ہیں ناں اے آر رحمان سے بھی بڑے موسیقار ہوتے ہیں سوتے میں بھی بیگمات کو انٹرٹین کرکے اپنی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔

11 ہاں موسم کا اثر پڑتا ہے تحریر پہ خوبصورت موسم میں رومانس سوجھتا ہے جہاں ضرورت نہ بھی ہو وہاں بھی عشق ومحبت کا تڑکا لگانے کو جی چاہتا ہے ... ہلکی ہلکی پھوار میں ... دل کے ارمان حسرتوں میں بدل جاتے ہیں تب حقیقی زندگی میں جو نہیں ہورہا ہوتا وہ سین تخلیق ہوجاتے ہیں افسانے میں عاشق بارش میں محبوبہ کے حسن کی تعریفیں کرتے ہوئے گھمانے لے جاتا ہے جبکہ حقیقی زندگی میں سرتاج کی طرف سے پکوڑوں کے ساتھ املی کی چٹنی کی فرمائش ہورہی ہوتی ہے۔

12. پیغام یہ ہے کہ بشریٰ جی ہر مہینے میرا ایک افسانہ ضرور لگایا کریں۔۔ہاہاہا مذاق سے ہٹ کر ... میری بشریٰ جی سے کبھی تفصیلی بات نہیں ہوئی لیکن انہیں مبارکباد ضرور دینا چاہوں گی کہ ریشم کے ریشمی بدن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ریشم کو فولادی حوصلوں والی اک خوبصورت خاتون اور ان کے ساتھیوں کی شب وروز کی محنت نے یہ نرماہٹ وملائمت بخشی ہے.. مزید ترقی کے لیے دعا گو ہوں بشریٰ جی کے لیے ریما نور رضوان بہنا اور آپ کے تمام ساتھیوں کے لیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہمیدہ غوری، کراچی

1۔السلام علیکم، میرا اور ریشم کا ساتھ جب سے ریشم نے دنیا رنگ بو میں قدم رکھا ہے تب سے ہے۔مگر ریشم میں لکھنا ہم نے کچھ عرصہ پہلے ہی اسٹارٹ کیا ہے اور اب تو لگتا ہے جنم جنم کا ساتھ ہے تمہارا ہمارا اور یہ ساتھ ہمیں دل سے پیارا ہے۔

2۔ریشم کو بہت ہی ریشمی پایا ہے محبتوں کا سفیر ہے ریشم اور یہ ڈائجسٹ بھی ہے یہ ہمیں جوڑ کر رکھنے والا ایسا۔ذریعہ ہے جس کی ہمیں بہت ضرورت تھی۔اس کی وجہ سے بہت سے دوست ملے ہیں۔اور اس کو پڑھنے سے ہم جیسے ادب کے عاشق کی روح کو تسکین ملتی ہے اس کے لیے شکریہ ریشم۔

3۔نہیں سارے ہی سلسلہ بہت زبردست ہوں ماشاءاللہ کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے۔

4۔کوئی بھی تبدیلی نہیں کے ہمیں اب عادت ہوگئی ہے نوک جھونک کی۔انٹرویو کی شاعری کی ریشمی دستک کی۔

5۔بالکل جی سو فیصد پورا اترتا ہے اسی لیے تو ہم نے اس کا انتخاب کیا ہے یہ تو میری سہیلی ہے میری تنہائیوں کا ساتھی ہے۔

6۔الحمدللہ پہلی تحریر ہی شائع ہوگئی تھی اور کوئی انتظار

بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔اب بھی نہیں کرنا پڑتا جس کے لیے میں بہت مشکور ہوں بشریٰ جی کی اور ریشم کی پوری ٹیم کی۔اللہ آپ سب کو سلامت رکھے۔امین

7۔جب پیار کی رت بدلے۔بہت اچھا ہے اس لیے اچھا لگتا ہے۔

8۔کوئی خاص وقت نہیں ہوتا بس جب بھی موڈ بن جائے کبھی تو رات کے تین بجے بھی لکھنے بیٹھ جاتی ہوں۔مجھے صبح کے وقت لکھنا بہت اچھا لگتا ہے صبح کے وقت ٹھنڈی ہوا خاموشی میرا پسندیدہ ٹائم ہوتا ہے۔جب سب لوگ کالج۔۔یونی،سکول اور آفس چلے جاتے ہیں اور ہم آرام سے چائے کا کپ لے کر لکھنے بیٹھتے ہیں۔

9۔نہیں ایسا کچھ نہیں ہوتا بس یہ ہے کے صبح تھوڑی خاموشی ہوتی ہے کاموں سے بھی فراغت ہوتی ہے ورنہ تو پورا دن بچوں کے اور شام میں میاں جی کی فرمائشی کھانے ہی سر پر سوار ہوتے ہیں۔

10۔موسم کا ہی تو اثر پڑتا ہے جیسے آج کل کراچی کا موسم بہت ہی حسین ہو رہا ہے تو ہمیں بھی ہری ہری سوجھ رہی ہے۔۔غلط نا سمجھیں۔کھانے میں نہیں لکھنے میں۔جی ذرا رومینٹک سا موڈ ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عروشمہ خان عروش،فرام بہاول پور

1 میں نے ریشم ڈائجسٹ آٹھویں کلاس سے پڑھنا شروع کیا اپنی ایک کلاس فیلو کی وجہ سے کیوں کہ وہ بہت پڑھتی تھی ریشم۔

2 میرے خیال میں جس طرح آسمان کو خوبصورت و دلکش بنانے کے لیے اللہ تعالی نے چھوٹے،بڑے،مدھم روشن اور چمکدار ستارے بکھیر دیے ہیں اسی طرح ریشم ڈائجسٹ کی جان رائٹر بکھرے پڑے ہیں جو ڈائجسٹ کو شاندار بنانے میں معاون ہیں اور ریشم کو بہت اچھا پایا۔

3 ریشم کے سب سلسلے بہت عمدہ ہیں کوئی تبدیلی نہیں چاہیے۔

4 سارے سلسلے گڈ ہیں.....

5 جی ماشاء اللہ ریشم بہت اچھا ڈائجسٹ ہے اور لکھاری اس ڈائجسٹ میں لکھنا اور قاری پڑھنے میں فخر محسوس کرتے۔

6 ابھی تک کوئی تحریر شائع ہوئی تو نہیں مگر امید بہت ہے جلد آپ میری تحریر پڑھیں گے۔انشااللہ

7 سب ہی ناول اچھے جا رہے ہیں ۔

8 ہاں جی روزمرہ کام اور دیگر امور زندگی میں بڑی ہوتے جب سب کام نمٹالوں تو پھر فرصت سے بیٹھ کہ لکھتی ہوں۔

9 مجھے زیادہ تر رات کے پچھلے پہر لکھنا اچھا لگتا۔

10 ہاں جی بہت اثر پڑھتا ہے صبح اور شام کے احساس میں بہت فرق ہے۔

11 جی بالکل ماحول اور موسم کا انسانی زندگی پر گہرا اثر پڑتا اور لکھاری موسم اور ماحول کے مطابق ہی لکھتا۔

12 ریشم ڈائجسٹ ایڈیٹر اور مینجمنٹ سٹاف کے لیے بہت سی دعائیں خوش رہیں آباد رہیں ریشم اسی طرح ترقی کی منازل طے کرتا رہے آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسز نگہت غفار،کراچی

1-میرا اور ریشم کا ساتھ بہت پرانا ہے یہ سمجھ لیجیے اس نوزائیدہ ننھے شیر خوار نے میری گود میں آنکھ کھولی اپنی خوبصورت شریر آنکھوں سے ہمیں دیکھا ہم نے نہایت ہی شفقت اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور بغیر کسی لالچ یا معاوضے کہ اس ننھے سے پودے کو اپنے قلم کی چاشنی،مٹھاس اور تربیت کے آبشاروں سے سینچا اس کی ابتدائی عمر میں اس کو سنبھالا جب ہماری بہت پیاری بشریٰ جی نے اسے گود نہیں لیا تھا۔

2-بھئی کیسا پایا؟ تو بہت اچھا پایا اور مزید بہت ہی پیاری پر خلوص محبتوں سے لبریز مہکتے جذبوں کے نکھرتے خیالات اور قوس وقزح سے چمکتی دمکتی سوچوں والی بشریٰ

جی نے اپنی بھرپور ان تھک محنت، بے لوث خدمات اور پوری سچائی کے ساتھ اس ریشم کے ننھے سے پودے کو اب ایک خوبرو نوجوان ہینڈسم شہزادے کی طرح سنوار دیا ہے۔ ماشاء اللہ میں نے اب بھی اس کو نہیں چھوڑا ہے اب بھی برابر لکھ رہی ہوں اور اس لکھنے میں سب سے زیادہ بشریٰ جی کا پیار، اپنا پن، حوصلہ دینے والی اچھی عادت شامل ہے۔ جب بولتی ہیں بات کرتی ہیں تو بہت ہی پیار آتا ہے۔ جب پیار سے خیریت پوچھتی ہیں کسی بات پر حوصلہ دیتی ہیں یقین کیجئے بشریٰ جی سے بات کر کے یوں لگتا ہے جیسے سارے جہاں کا سکون، ایک طمانیت سی محسوس ہوتی ہے۔ میں جب بہت ڈسٹرب یا پریشان ہوتی ہوں تو ان سے باتیں کر لیتی ہوں مجھے بہت سکون، خوشی محسوس ہوتی ہے۔

3- ریشم میں میرے خیال میں بہت کچھ موجود ہے مزید ابھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی ہے۔

4- میرے خیال میں ریشم ڈائجسٹ لکھاری اور قارئین کے توقعات پر پورا اترتا ہے۔

5- الحمد للہ..... الحمد للہ فوراً شائع ہوگئی تھی اور اکثر لگاتار ہر مہینہ شائع ہوتی تھیں۔ سچی بات بتاؤں ذرا کان قریب لائیں میں قسط وار کہانیاں بہت کم پڑھتی ہوں..... اس کی بڑی وجہ ہے رسالہ کا گیپ ہونا یعنی لگاتار ہر ماہ آتے آتے ایک دو ماہ اس قدر بھاگ دوڑ، کوشش، ایس ایم ایس، فون پر فون، سارے شہر میں بندوں کو گشت پر تعینات کرنے پر بھی ناکامی ہوتی ہے یہ بہت ہی تکلیف دہ امر ہوتا ہے چاہے اس میں میری کہانی، نظم یا دیگر تحریریں کیوں نہ ہوں۔

6- میرے لکھنے کا کوئی خاص ٹائم نہیں ہوتا آپ کو ہنسی آئے گی کہ سکول میں کلاس روم میں بیٹھی ہوں، بچوں کو کلاس ورک دے دیا آمد ہوگئی..... وہیں بچے کی درخواست اٹھائی اور لکھنا شروع کر دیا۔ کچن میں مصروف ہوں آمد ہوگئی چولہا بالکل کم کیا بھاگ کر ٹیبل کے پاس پہنچی اور تیز تیز ہاتھ چلانے لگی۔

گھر کے کام میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتی۔ مرحوم غفار صاحب کا کھانا، چائے، سونا، نماز پڑھنا، ٹی وی دیکھنا ہر چیز کا وقت مقرر تھا ایک انچ بھی اونچ نیچ برداشت نہیں کرتے تھے (اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے) تمام مرحومین، تمام مومنین کو اللہ بہشت میں جگہ نصیب کرے۔ (آمین ثم آمین)

7- لکھنے میں وقت اور موسم کا اثر پڑتا ہے۔ تہجد کا وقت فجر کا وقت بہت پرسکون ہوتا ہے۔ ویسے تو آمد کی مرضی جب حاضر ہو جائے۔ بہرحال ایک بہت بڑی چیز لکھاری کے اندر کا موسم حسین، خوبصورت، رومانٹیک ہو تو واہ..... واہ..... کیا کہنے..... میں اپنی بات بتاؤں تو آپ اس پر بھی ہنسیں گی یا غور کریں گی اور وہ بھی سنجیدگی سے میری اور (اللہ غفار صاحب کی مغفرت فرمائے) غفار صاحب کی لڑائی ہوتی تھی۔ اس وقت زبردست المیہ اسٹوری تخلیق ہوتی اور اس میں عورت مظلوم اور مرد ظالم ہوتا۔

8- بھئی پیاری سی اچھی سی شریر سی ریما نور میں بشریٰ جی اور اسٹاف، کے بارے میں کیا پیغام دوں..... بشریٰ جی کے بارے میں اوپر تفصیل لکھی ہے۔ ان کی محنت، کوشش جدوجہد صرف ان کی ہی نہیں ان کے ماشاء اللہ سارے بچوں نے اپنی اپنی عمر سے زیادہ ذمہ داریاں اٹھائی ہیں۔ ان سب کی محنتوں، رات دن کی جدوجہد تو رنگ لائی ہے۔ ماشاء اللہ ننھا سا پودا اب قدآور درخت بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس درخت کو شر پسند ذہنوں سے محفوظ رکھے۔ اس کے شہر، گاؤں کھیت، کارخانے، سکول، کالج، محلوں اور گھروں کے ہر فرد کو اپنی حفظ امان، اپنی رحمتوں کے سائے اور اپنی عنایتوں کے حصار میں رکھے۔ (آمین ثم آمین)

سٹاف میں محترم جناب مسرور بھائی صاحب سے بھی مل چکی ہوں۔ بشریٰ جی سے مل چکی ہوں۔ شہزاد بیٹا

اور عمران بھائی جن کو میں بیٹا کہہ کر پکارتی ہوں ان سے فون پر بات ہوتی ہے۔ سب کے سب بے حد سلجھے ہوئے باتمیز اور پرخلوص ہیں۔ مسٹر اینڈ مسز مسرور کے علاوہ تمام سٹاف کو یہ ہی پیغام دوں گی کہ آپ سب اسی طرح محنت سے محبت سے اتفاق سے مل جل کر کام کرتے رہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ وہ وقت دور نہیں ہوگا جب بشریٰ جی ایک سے زائد رسائل اپنے قارئین کے لیے منظر عام پر لائیں گی۔ اللہ تعالیٰ بشریٰ جی کو بھائی مسرور کو ان کے اہل خانہ کو اور ریشم کے سٹاف کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ ریشم ڈائجسٹ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ ریشم ڈائجسٹ کی سالگرہ آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو۔ مکمل صحت، لمبی عمر اور دین و دنیا کی ہر کامیابی آپ سب کو نصیب ہو۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فاطمہ عبدالخالق، فیصل آباد

ماشاءاللہ ریشم ڈائجسٹ کو اور بشریٰ آپا کو بھی سالگرہ مبارک، اللہ پاک ریشم ڈائجسٹ کو مزید عروج عطا فرمائے۔ (آمین)

سوال 1: ریشم کا اور میرا ساتھ پانچ ماہ پرانا ہے اور انشاء اللہ مستقبل میں ریشم سے جڑے رہنے کی بھرپور کوشش ہوگی۔

سوال 2: ریشم ڈائجسٹ ایک معیاری ڈائجسٹ ہے جس میں رومانیت کا عنصر کم اور اصلی ادب کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔

سوال 3: ڈائجسٹ تو مکمل اچھا ہے تبدیلی کی کیا ضرورت ہے؟

سوال 4: بس سروے جلدی کروادیا کریں۔

سوال 5: میرا خیال ہے ریشم ڈائجسٹ لکھاری اور ایک اچھے قاری کی توقعات پہ پورا اترتا ہے۔

سوال 6: مارچ 2017 میں پہلی تحریر "کٹھن تھی راہگزر" پبلش ہوئی اور پہلی کہانی کے لئے مجھے انتظار نہیں کرنا پڑا تھا لیکن اب تو بشریٰ آپا نے انتظار کی سولی پہ لٹکایا ہوا ہے

سوال 7: میں سلسلے وار ناول نہیں پڑھتی جب مکمل ہو جائیں تو کتابی شکل میں پڑھتی ہوں البتہ باقی سارا ڈائجسٹ اول سے آخر تک ایک ایک لفظ پڑھتی ہوں۔

سوال 8: لکھنے کا کوئی خاص وقت نہیں ہے جب دل چاہا قلم اٹھایا اور لکھ دیا لیکن میں بہت کم کم ہی لکھتی ہوں۔

سوال 9: تنہائی میں بیٹھ کر لکھنے کا اپنا مزا ہے کیونکہ اگر میری بڑی بہن سامنے بیٹھی ہو تو کہانی لکھنا محال ہے کیونکہ اس نے ہر بات مجھ سے کرنی ہوتی ہے ایک دوسرے کو چھیڑے بنا ہم دونوں بہنوں کا وقت نہیں گزرتا۔

سوال 10: وقت کا اثر کہہ لیجئے یا انسانی دماغ کی وسعت اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی کالم یا کہانی اخبار یا ڈائجسٹ میں لکھ کر بھیج دوں تو بعد میں اکثر خیال آتا ہے یہاں اگر ایسے الفاظ استعمال کر لیتی تو اچھا ہوتا، وہاں ویسی منظر نگاری زیادہ اچھی لگتی لیکن پھر چلو اچھا اب تو تحریر بھیج دی ناں.....

سوال 11: موسم کے لکھاری کی تحریروں پر گہرے نقوش مرتب ہوتے ہیں تبھی تو دسمبر کی راتیں، جنوری کی شامیں اور مارچ کی روشن صبحیں مشہور ہوئی ہیں، اور ماحول کے بھی کافی اثرات ہوتے ہیں کبھی کبھار کسی کا ایک دکھ بھرا یا خوشی بھرا جملہ ہی آپ کی کسی کہانی کی بنیاد بن جاتا ہے اس کے علاوہ بھی موسم اور ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھاری کا موڈ تبدیل ہوتا رہتا ہے اور اس کی جھلک لکھاری کی تحریروں میں نمایاں ہوتی ہے۔

سوال 12: ریشم کی ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ ریشم سے وابستہ تمام لوگوں پہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین۔ فی امان اللہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆